# مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

**۱۹۳۹ء** اسلام میں غلامی کی حقیقت - اسلام کا اقتصادی نظام - قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ -
تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام - سوشلزم کی بنیادی حقیقت -

**۱۹۴۰ء** غلامانِ اسلام - اخلاق و فلسفۂ اخلاق - فہمِ قرآن - تاریخِ ملت حصہ اول 'نبی عربی صلعم' - صراطِ مستقیم (انگریزی)

**۱۹۴۱ء** قصص القرآن جلد اول - وحی الٰہی - جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول -

**۱۹۴۲ء** قصص القرآن جلد دوم - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات)
مسلمانوں کا عروج و زوال - تاریخِ ملت حصہ دوم 'خلافتِ راشدہ' -

**۱۹۴۳ء** مکمل لغات القرآن مع فہرستِ الفاظ جلد اول - اسلام کا نظامِ حکومت - سرلیہ - تاریخِ ملت حصہ سوم 'خلافتِ بنی امیہ'

**۱۹۴۴ء** قصص القرآن جلد سوم - لغات القرآن جلد دوم - مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت (کامل) -

**۱۹۴۵ء** قصص القرآن جلد چہارم - قرآن اور تصوف - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے)

**۱۹۴۶ء** ترجمان السنہ جلد اول - خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ - جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو -

**۱۹۴۷ء** مسلمانوں کا نظمِ مملکت - مسلمانوں کا عروج و زوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے
اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم - حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ -

**۱۹۴۸ء** ترجمان السنہ جلد دوم - تاریخِ ملت حصہ چہارم 'خلافتِ ہسپانیہ' - تاریخِ ملت حصہ پنجم 'خلافتِ عباسیہ اول'

**۱۹۴۹ء** قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل)
تاریخِ ملت حصہ ششم 'خلافتِ عباسیہ دوم' بصائر -

**۱۹۵۰ء** تاریخِ ملت حصہ ہفتم 'تاریخِ مصر و مغربِ اقصیٰ' تدوینِ قرآن - اسلام کا نظامِ مساجد -
اشاعتِ اسلام، یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا -

**۱۹۵۱ء** لغات القرآن جلد چہارم - عرب اور اسلام - تاریخِ ملت حصہ ہشتم 'خلافتِ عثمانیہ' جارج برنارڈ شا

**۱۹۵۲ء** تاریخِ اسلام پر ایک طائرانہ نظر - فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول (جس کو
از سرِ نو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے - کتابتِ حدیث -

**۱۹۵۳ء** تاریخِ مشائخِ چشت - قرآن اور تعمیرِ سیرت - مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ -

# برہان

مدیر مسئول: عمید الرحمٰن عثمانی

جلد نمبر ۹۹ ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۶ھ مطابق جولائی سنہ ۱۹۸۶ء شمارہ نمبر ۱



عمید الرحمٰن عثمانی پرنٹر پبلشر نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

# نظرات

اب وقت آگیا ہے کہ فرقہ وارانہ مسائل اور ان کے سماجی اثرات کے بارے میں مسلمانوں کی زبان پر صاف صاف سوال ہو اور وہ سیاسی رہنماؤں اور فرقہ پرست تنظیموں کے لیڈروں سے حقائق کی روشنی میں اس سب سے بڑے الزام کی وضاحت اور قطعی فیصلہ طلب کریں کہ ملک کی تقسیم کی ذمہ داری، مسلمانوں پر کس طرح یکطرفہ طور پر عائد کی جاسکتی ہے۔ ۳۸ برس ہندوستان کی آزادی پر گذر گئے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سیاسی رہنماؤں اور فرقہ پرست ہندو تنظیموں نے ابھی تک مسلمانوں کو تقسیم کے الزام سے بری نہیں کیا، بلکہ جوں جوں دن گذرتے جاتے ہیں اس الزام کی سختی اور تلخی بڑھتی ہی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے ہندوستانی مسلمانوں کی کروڑوں پر مشتمل اقلیت کو ملک دشمنوں کا ایک ایسا مجموعہ قرار دیدیا گیا ہے جو ہندوستان کی ہر پریشانی اور بدحالی کی ذمہ دار ہے، اور جو ملک کی تقسیم کے ناقابل معافی جرم کی وجہ سے مستقبل میں بھی کسی درجہ کے اعتماد اور اعتبار کی مستحق نہیں سمجھی جاسکتی۔

---

ہم دیکھتے ہیں کہ تقسیم کے الزام کو مسلمانوں پر اس قطعیت کے ساتھ عائد کیا گیا ہے کہ عام لوگوں کی بات تو الگ رہی، اچھے اچھے سمجھدار قومی لیڈروں نے ایک ناقابلِ انکار اور طے شدہ حقیقت کے طور پر قبول کر رکھا ہے اور ہر چھوٹے بڑے فرقہ وارانہ فساد کے وقت اس الزام کی گونج، حالات کی تحلیل و تجزیہ کے دوران سننے میں آتی ہے اور اس بات کو فرقہ وارانہ منافرت کے ایک لازمی عنصر کی حیثیت دیدی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے ملک تقسیم کرانے کے اقدام نے جو تلخی اور زہر سماج میں گھولا تھا وہ ابھی تک ختم نہیں ہوا ہے اور فسادات کا ماحول اور خمیر تیار کرنے میں بدستور کام کرتا رہتا ہے وہ کہتے ہیں کہ فرقہ وارانہ سیاست کی پیدا کی ہوئی مذہبی منافرت جس کا مسلم لیگ کی سیاست کا دم

یہ پائیدار بن گئی کہ ملک کی ۸۰ فیصدی ہندوؤں پر مشتمل اکثریت کو اس بات
یں ہوا کہ مسلمان کبھی دیس کے وفادار بن سکتے ہیں اور موقع ملنے پر وہ بارہا اکثریت
خوشیاں کرکری کرنے سے باز رہ سکتے ہیں۔

---

انوں پر عدم اعتماد اور ان کے بارے میں شکوک وشبہات کی فضا آہستہ آہستہ اتنی گہری
ہو گئی ہے کہ ملک کی اکثریت کا ضمیر ان کے وجود کو ہی ملک کے نحوست کی ایک علامت
ل روزی سمجھنے لگا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ انھیں ایسا کوئی موقع اور مہلت دینے پر تیار نہیں
خود اعتمادی اور حوصلہ پیدا کر سکے۔ دوسرے الفاظ میں وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک
بنا کر رکھنا چاہتا ہے اور ہر عملی اور ہر طریقہ سے ان پر اس حقیقت کو ثابت کر دینا چاہتا ہے
رے طور پر ہندوؤں کی ملکیت ہے اور ہندوؤں کے علاوہ سبھی اقلیتی طبقوں اور فرقوں کو
مکمل متابعت پر رضامندی دینے کے بعد ہی ملک میں رہنے اور زندگی بسر کرنے کی اجازت
ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک طرف فرقہ پرست تنظیموں کی طرف سے اس ملک کو ایسی ہندو اسٹیٹ
کی کوشش کی جا رہی ہے جہاں ہندوؤں کی خواہش اور مرضی کو سبھی معاملات پر تفوق حاصل ہو۔
لموں کے اس خیال کو انتظامیہ پولیس اور پی اے سی کی پوری تائید و ہم نوائی حاصل ہے۔
ادات فسادات کے موقعوں پر ہر شہر اور ہر ریاست میں اقلیتوں کے خلاف یکطرفہ کارروائی
ن کردار ادا کرتے ہیں، اور مسلمانوں کے دلوں پر جان و مال اور عزت، آبرو کے نقصان
ت میں ایسے زخم لگاتے ہیں جنکی لرزہ خیز یاد، زندگی کے آخری لمحوں تک انکے لیے ناقابل فراموش
ہے۔

---

اس سلسلے میں یہ ایک عجیب، مضحکہ خیز اور دردناک حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ تقسیم ملک
یں ہندوستان اور پاکستان کے جو دو ملک عالم وجود میں آئے تھے ان کی آزادی کی جدوجہد
ن کے نصب العین ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے، اور انکے سیاسی نظریات میں زمین و

تاکہ اس بنیادی الزام کی حقیقت ظاہر ہو سکے جو مسلمانوں پر اس تقسیم کے بارے میں لگایا جاتا ہے اور پورے ۳۸ برسوں سے مسلمانوں کے دلوں میں پشیمانی اور مجرمانہ غلطی کا احساس پیدا کرنے میں سب سے زیادہ موثر ثابت ہوتا رہا ہے۔ اس پورے عرصہ میں ہندوستان کے قومی ضمیر کے اندر حقیقت شناسی اور حقیقت بیانی کا کوئی تقاضا اور کوئی روشنی دیکھنے میں نہیں آئی ہے جبکہ تاریخ اور حقیقت ہی نہیں بلکہ منطق کے اصول پر اس الزام کو پرکھا جائے تو وہ لوگ زیادہ خطاوار کا فیصلہ اسکے خلاف ہے بلکہ منطق کے اصول پر اس الزام کو پرکھا جائے تو وہ لوگ زیادہ خطاوار ثابت ہوتے ہیں، جو اپنی کمزوری اور غلطی کو چھپانے کے لئے اس الزام کو اونچی آوازوں کیساتھ مسلمانوں پر رکھتے رہے ہیں۔ —— تاریخ کا کوئی ناظر اور ان طلاطم خیز واقعات کا اب تک زندہ شاہد والا کوئی شاہد اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ ملکی تقسیم کا فیصلہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت اور سمجھوتے کے تحت کیا گیا تھا، اور اس کے دو فریقوں ۔ مسلم لیگ اور کانگریس ۔ میں سے کانگریس پر تقسیم کی ذمہ داری اس لئے زیادہ ہے کہ اس کے فیصلے پر تقسیم کو ماننے یا نہ ماننے کا دار و مدار تھا۔ مسلم لیگ تقسیم ملک کی خواہاں اور طالب ضرور تھی، لیکن اس کی خواہش اور مطالبہ صرف اسی صورت میں پورا ہو سکتا تھا کہ کانگریس اس مطالبہ کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

اس سلسلہ میں تاریخی ریکارڈ سے یہ بات پوری طرح ثابت ہے کہ لیک گاندھی جی اور دوسرے مولانا آزاد ۔ بس یہ دو آدمی تھے جنہوں نے تقسیم کی تجویز کو آخر تک قبول نہیں کیا۔ گاندھی جی نے تو تقسیم سے متعلق بیزاری کا اظہار ایسے پیغمبرانہ پیشنگوئی کی صورت میں کیا تھا کہ برطانیہ نے تقسیم کی صورت میں کانگریس کے ہاتھ میں لکڑی کی ایسی روٹی تھما دی ہے جسے وہ نہ کھائیں گے تو بھوک سے مر جائیں گے، کھائیں گے تو ویسے مر جائیں گے،" اور مولانا آزاد وہ کانگریس لیڈر تھے جو آخر تک تقسیم کی مخالفت کرتے رہے اور تقسیم کے بعد اپنی کتاب انڈیا ونس فریڈم میں گاندھی جی تک کو اس بارے میں مورد الزام ٹھہراتے رہے کہ انھوں نے اس تباہ کن تجویز کی مخالفت اور کھلے مقابلے سے گریز کیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ملک کی تقسیم قائداعظم جناح نے نہیں بلکہ جواہر لال نہرو، سردار پٹیل اور

گوپال اچاریہ، پنڈت گوبند پنتھ، ڈاکٹر بی سی رائے، بی جی کھیر اور دوسرے لیڈروں نے کرائی تھی، تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا، کیونکہ یہی وہ ممتاز قومی لیڈر تھے جنہوں نے ہندوستان کے فرقہ وارانہ مسئلہ کے دائمی حل کی صورت میں ملک کی تقسیم کو واحد حل قرار دیکر نہ صرف قبول کیا بلکہ صاف طور پر اپنے اس خیال کو تاریخ میں ریکارڈ کرایا، کہ فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل کیلئے تقسیم کے علاوہ دوسرا چارۂ کار موجود نہیں ہے، اس تاریخی شہادت اور واقعاتی حقیقت کے بعد کسی ایسے آدمی یا کسی قومی تنظیم اور کسی فرقہ پرست جماعت کے لیڈر کو جو ذرا بھی سیاسی دیانت رکھتا ہے مسلمانوں پر ملک کی تقسیم کا الزام لگانے کا کوئی حق نہیں ہے، اور مسلمانوں کو اب صاف طور پر اس سوال کا جواب، قومی قیادت سے طلب کرنا چاہئے کہ جب کانگریس نے جو تقسیم کے تنازعہ میں ایک بڑے فریق کی حیثیت رکھتی تھی تقسیم کی تجویز کو منظور کیا تھا تو یہ الزام مسلمانوں پر کس طرح عائد ہو سکتا ہے۔

# قرآن ـــــــ عظیم ادب کا معیار

عبدالرحمٰن محسن انصاری

قرآن مجید قیامت تک کے لیے ایک معجزہ ہے۔ وہ اس وقت بھی ایک معجزہ تھا جب اہل عرب کے درمیان نبیؐ امی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہو رہا تھا اور آج بھی معجزہ کہ جب انسان خلاؤں میں پرواز کر رہا ہے۔ قرآن کا یہ دعویٰ قیامت تک کے لیے ہے کہ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○ (یونس ۳۸) "اگر وہ کہتے ہیں کہ اللہ کا نبیؐ یہ قرآن خود بنا کر لایا ہے تو اُن سے کہہ دو کہ اس کی ایک ہی آیۃ کے مثل کوئی کلام بنا کر لاؤ اور اس کام میں اللہ کے ماسوا تم جن کو پکارتے ہو ان سب کی مدد لے لو پھر دیکھیں تم کتنے سچے ہو۔" انسانی کلام کے مقابلے میں تمام صحفِ آسمانی کی ایک الگ شان ہے مگر تمام صحف آسمانی میں بھی قرآن ممتاز ہے۔ قرآن کے آگے فصحائے عرب کی زبانیں گنگ ہو گئیں شعراء نے اعتراف عجز کر لیا۔ قرآن کے مقابلے میں ان کا عاجز ہونا کس بنا پر تھا؟ قرآن کی فصاحت و بلاغت کی بنا پر۔ شعریت قرآن کی آیۃ آیۃ میں رچی بسی ہے اور یقیناً حق بحث سے بالاتر تھا۔ حق و صداقت، موعظت و حکمت، تذکیر و تبشیر، تاریخی واقعات اَن دیکھے حقائق سب اس طرح ساتھ ساتھ قرآن میں بیان ہوئے ہیں کہ جن کے پڑھنے اور سننے سے طبیعت کبھی نہیں اکتاتی۔ اس کا اثر پورے انسانی وجود کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ اس کے الفاظ کا زیر و بم شیرینی اور اثر آفرینی کا جواب نہیں۔ وہ پڑھنے اور سننے والوں پر بیخودی طاری کر دیتا ہے۔ کبھی اس کا بیان لرزہ براندام کر دیتا

کبھی رُلا دیتا اور کبھی کیف و انبساط میں غرق کر دیتا ہے۔ قرآن کی عظمت اور اثر کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔ یقیناً اگر وہ پہاڑ پر نازل ہوتا تو وہ بھی خشیتِ الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ انسانی قلوب کا کیا ذکر ہے۔ جس طرح قرآن کی کسی ایک آیۃ کا انکار کرنا کفر ہے اسی طرح قرآن کی آیتوں کی ادبی عظمت کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔

قرآن کوئی مسلسل تقریر یا منضبط کتاب نہیں۔ اس کا اسلوب بے نظیر ہے۔ اس میں عقائد بھی ہیں، حکایتیں اور تمثیلیں بھی، عبرت آموزی بھی، دعوت مشاہدہ بھی، ڈراوا بھی، خوشخبری بھی۔ غرض مضامین کی تکرار ہر بار ایک نئے معنی اور نئے لطف کے ساتھ۔ اس کے بیان کی تازگی کبھی نہیں جاتی۔ اس کے باغ میں ہمیشہ ایک بہارِ بے خزاں ہے۔ اس کا اثر جاودانی ہے۔ وہ ہمیشہ قلب و روح کے لیے غذا فراہم کرتا ہے۔ اس کا ادب حق ہے اور اس کے ہر اسلوب سے حق کا اثبات ہوتا ہے۔ وہ حق جس کی گواہی کائنات کا ذرہ ذرہ دے رہا ہے۔ یعنی اللہ ہے۔ وہی اوّل ہے وہی آخر وہی ظاہر ہے وہی باطن۔ اُس کی ربوبیت، رحمت، علم، انصاف، حکمت اور قوت پہ کائنات کی ہر شے شاہد ہے۔ عقیدۂ توحید قرآن کے تمام عطا کردہ عقائد کی جان ہے۔ شرک اس کے نزدیک ظلمِ عظیم ہے۔ جس طرح کائنات کی ہر شے سے توحید باریٔ تعالیٰ کا اثبات ہو رہا ہے۔ قرآن اپنے ہر مومن کے لیے لازم قرار دیتا ہے کہ اس کے اعمال و افکار بھی توحید کے مطابق ہوں۔

انسان قدرت خداوندی کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ تمام مخلوقات میں اس کے اشرف ہونے کا سبب قرآن نے یہ بیان فرمایا۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (الرحمٰن ۱) "نہایت مہربان خدا نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔ اس نے انسان کو پیدا کیا اور اُسے بولنا سکھایا۔" علم بیان سے انسان کا بہرہ ور ہونا اللہ کی عظیم بخشش ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس عطیۂ خداوندی میں انسان کے

اشرف المخلوقات ہونے کا راز پوشیدہ ہے۔ انسان کے علاوہ کوئی جاندار عقل کلام پر قادر نہیں۔ مربوط کلام کی شرط عقل ہے اور عقل انسان ہی رکھتا ہے۔ عقل ہی امتیاز و انتخاب کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اسی سے تصور و تخیل کا ملکہ حاصل ہوتا ہے قرآن کا علم ان سب عطیاتِ عقل کا سرتاج ہے اور وہ براہِ راست اللہ کے علم و رحمت سے انسان کو عطا ہوا ہے۔ معلوم ہوا صفتِ بیان انسانی شرف و کمال کی بنیاد ہے۔ اگر انسان اپنے دل کی بات زبان سے دوسروں تک نہ پہنچا سکتا۔ اگر اپنے نتائج فکر اور عقلی تحقیق کا اظہار نہ کر سکتا تو نہ بے شمار علوم و فنون معرض وجود میں آتے، نہ حکمت کا سرمایہ ہوتا نہ سیاست کا اقتدار۔ نہ تمدن ہوتا نہ ایجادات۔ نہ شعر ہوتا نہ نغمہ۔ نہ قرآن کی تلاوت کے ذریعے نفوسِ انسانی ذکر کی لذت سے آشنا ہوتے اور نہ علم و حکمت کی تعلیم ہو سکتی۔

ذاتِ الٰہی تمام حسن و خیر کا سرچشمہ ہے۔ تمام اچھے نام اللہ ہی کے ہیں۔ تمام تعریف کا وہی سزاوار ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (لقمان ۲۷) "زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائے) جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں لکھنے سے ختم نہ ہونگی۔ بیشک اللہ زبردست اور حکیم ہے"۔

ایک دوسری جگہ فرمایا: هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (حشر ۲۴) "وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔ اس کے بہترین نام ہیں۔ ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ زبردست اور حکیم ہے"۔ چنانچہ انسانوں کو بھی حکم دیا

کہا سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ
فَهَدَىٰ ۝ (الاعلیٰ ۱-۳) " (اے نبی) اپنے رب برتر کے نام کی تسبیح کرو جس نے پیدا
کیا اور تناسب قائم کیا جس نے تقدیر بنائی اور پھر راہ دکھائی۔" ایک دوسری جگہ فرمایا۔
قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَ
مَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ
فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ (یونس ۳۱) " ان سے پوچھو کون تم کو
آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں۔
کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظم
عالم کی تدبیر کر رہا ہے، وہ ضرور کہیں گے اللہ۔ کہو پھر تم (حقیقت کے خلاف چلنے سے) کیوں
پرہیز نہیں کرتے۔" قرآن نہیں کہتا کہ انسان اندھے بہرے ہو کر ایمان لائیں۔ وہ آزادی
عمل ہی کی بنا پر انسان کو لائق جزا و سزا سمجھتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ
أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ (الزمر ۹) "نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔" انسان کی
فطرت محبت، پرستش اور علو چاہتی ہے۔ چنانچہ جس ہستی سے یہ لو لگانے سے یہ تقاضے
پورے ہوتے ہیں اس کا نشان اس کی فطرت میں موجود ہے۔ قرآن نے تخلیق آدم کا
واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ۔ (الاعراف ۱۷۲)۔
اللہ تعالیٰ نے روز ازل میں انسانوں کی روحوں سے فرمایا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟
انھوں نے جواب دیا بیشک تو ہے۔" اللہ کی ربوبیت کا اعتراف نفس انسانی کے اندر
موجود ہے۔ ربوبیت کی نشانیاں آفاق میں بھی پھیلی ہوئی ہیں۔ البتہ اس کے لیے دیدۂ
بینا درکار ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے۔" وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۝ (یوسف ۱۰۵) " زمین اور آسمانوں
میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گذرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے۔"

اشرف المخلوقات ہونے کا راز پوشیدہ ہے۔ انسان کے علاوہ کوئی جاندار کلام پر قادر نہیں۔ مربوط کلام کی شرط عقل ہے اور عقل انسان کا جوہر کمال ہے۔ عقل ہی امتیاز و انتخاب کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اسی سے تصور و تخیل کا ملکہ حاصل ہوا قرآن کا علم ان سب عملیاتِ عقلی کا سرتاج ہے اور وہ براہِ راست اللہ کے علم و رحمت سے انسان کو عطا ہوا ہے۔ معلوم ہوا صفتِ بیان انسانی شرف و کمال کی بنیاد ہے۔ اگر انسان اپنے دل کی بات زبان سے دوسروں تک نہ پہنچا سکتا۔ اگر اپنے نتائجِ فکر اور عقلی قوتوں کا اظہار نہ کر سکتا تو نہ بے شمار علوم و فنون معرضِ وجود میں آتے نہ حکمت کا سرمایہ ہوتا نہ سیاست کا اقتدار۔ نہ تمدن ہوتا نہ ایجادات۔ نہ شعر ہوتا نہ نغمہ۔ نہ قرآن کی تلاوت کے ذریعے نفوسِ انسانی ذکر کی لذت سے آشنا ہوتے اور نہ علم و حکمت کی تعلیم ہو سکتی۔

ذاتِ الٰہی تمام حسن و خیر کا سرچشمہ ہے۔ تمام اچھے نام اللہ ہی کے ہیں۔ تمام تعریف کا وہی سزاوار ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (لقمان ۲۷) "زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائے) جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں لکھنے سے ختم نہ ہونگی۔ بیشک اللہ زبردست اور حکیم ہے۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا: هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (حشر ۲۴) "وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔ اس کے بہترین نام ہیں۔ ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔" چنانچہ انسان کو علم دیا

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ
فَهَدٰى ۝ (الاعلیٰ ۱-۳) "(اے نبی) اپنے رب برتر کے نام کی تسبیح کرو جس نے پیدا
کیا اور تناسب قائم کیا جس نے تقدیر بنائی اور پھر راہ دکھائی۔" ایک دوسری جگہ فرمایا۔
قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ
مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ
فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (یونس ۳۱) "ان سے پوچھو کون تم کو
آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں۔
کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظم
عالم کی تدبیر کر رہا ہے۔ وہ ضرور کہیں گے اللہ۔ کہو پھر تم (حقیقت کے خلاف چلنے سے) پر
ہیز نہیں کرتے۔" قرآن نہیں کہتا کہ انسان اندھے بہرے ہو کر ایمان لائیں۔ وہ آزادی
عمل ہی کی بنا پر انسان کو لائق جزا و سزا سمجھتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ
اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (الزمر ۹) "نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔" انسان کی
فطرت محبت، پرستش اور علو چاہتی ہے۔ چنانچہ جس ہستی سے لو لگانے سے یہ تقاضے
پورے ہوتے ہیں اس کا نشان اس کی فطرت میں موجود ہے۔ قرآن نے تخلیق آدم کا
تذکرہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۔ (الاعراف ۱۷۲)۔
اللہ تعالیٰ نے روز ازل میں انسانوں کی روحوں سے فرمایا۔ "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟
روحوں نے جواب دیا بیشک تو ہے۔" اللہ کی ربوبیت کا اعتراف نفس انسانی کے اندر
موجود ہے۔ ربوبیت کی نشانیاں آفاق میں بھی پھیلی ہوئی ہیں۔ البتہ اس کے لیے دیدۂ
بینا درکار ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ "وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ (یوسف ۱۰۵) "زمین اور آسمانوں
میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے۔"

اشرف المخلوقات ہونے کا راز پوشیدہ ہے۔ انسان کے علاوہ کوئی جاندار [illegible] پر قادر نہیں۔ مربوط کلام کی شرط عقل ہے اور عقل انسان ہی رکھتا ہے۔ عقل امتیاز و انتخاب کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اسی سے تصور و تخیل کا ملکہ حاصل ہوتا ہے قرآن کا علم ان سب عملیاتِ عقل کا سرتاج ہے اور وہ براہِ راست اللہ کے علم و رحمت سے انسان کو عطا ہوا ہے۔ معلوم ہوا صفتِ بیان انسانی شرف و کمال کی بنیاد ہے۔ اگر انسان اپنے دل کی بات زبان سے دوسروں تک نہ پہنچا سکتا۔ اگر اپنے نتائج فکر اور عقلی قوتوں کا اظہار نہ کر سکتا تو نہ بے شمار علوم و فنون معرض وجود میں آتے نہ حکمت کا سرمایہ ہوتا نہ سیاست کا اقتدار۔ نہ تمدن ہوتا نہ ایجادات۔ نہ شعر ہوتا نہ نغمہ۔ نہ قرآن کی تلاوت کے ذریعے نفوسِ انسانی ذکر کی لذت سے آشنا ہوتے اور نہ علم و حکمت کی تعلیم ہو سکتی۔

ذاتِ الٰہی تمام حسن و خیر کا سرچشمہ ہے۔ تمام اچھے نام اللہ ہی کے ہیں۔ تمام تعریف کا وہی سزاوار ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (لقمان ۲۷) "زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائے) جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں لکھنے سے ختم نہ ہونگی۔ بیشک اللہ زبردست اور حکیم ہے۔" ایک دوسری جگہ فرمایا: هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (حشر ۲۴) "وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔ اس کے بہترین نام ہیں۔ ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔" چنانچہ انسانوں کو بھی حکم دیا

کہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۞ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى ۞ وَالَّذِي قَدَّرَ
فَهَدَى ۞ (الاعلیٰ ۱-۳) "(اے نبی) اپنے رب برتر کے نام کی تسبیح کرو جس نے پیدا
کیا اور تناسب قائم کیا جس نے تقدیر بنائی اور پھر راہ دکھائی"۔ ایک دوسری جگہ فرمایا۔
قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَ
مَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ط
فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ج فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۞ (یونس ۳۱) "ان سے پوچھو کون تم کو
آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں۔
کون بے جانوں سے جاندار کو اور جانداروں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظم
عالم کی تدبیر کر رہا ہے۔ وہ ضرور کہیں گے اللہ۔ کہو پھر تم (حقیقت کے خلاف چلنے سے) بچو
پرہیز نہیں کرتے"۔ قرآن نہیں کہتا کہ انسان اندھے بہرے ہو کر ایمان لائیں۔ وہ آزادیٔ
عمل ہی کی بنا پر انسان کو لائق جزا و سزا سمجھتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ
أُولُو الْأَلْبَابِ ۞ (الزمر ۹) "نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں"۔ انسان کی
فطرت محبت، پرستش اور علو چاہتی ہے۔ چنانچہ جس ہستی سے لو لگانے سے یہ تقاضے
پورے ہوتے ہیں اس کا نشان اس کی فطرت میں موجود۔ ہے۔ قرآن نے تخلیق آدم کا
واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى۔ (الاعراف ۱۷۲)۔
اللہ تعالیٰ نے روز ازل ہی انسانوں کی روحوں سے فرمایا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟
انہوں نے جواب دیا بیشک تو ہے"۔ اللہ کی ربوبیت کا اعتراف نفس انسانی کے اندر
موجود ہے۔ ربوبیت کی نشانیاں آفاق میں بھی پھیلی ہوئی ہیں۔ البتہ اس کے لیے دیدۂ
بینا درکار ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے: "وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۞ (یوسف ۱۰۵) "زمین اور آسمانوں
میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گذرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے"۔

بہرحال

اللہ کی نشانیوں کے مشاہدے سے انسان کو علم حاصل ہوتا ہے۔ اُن پر غور و فکر کرنے سے ایمان راسخ اور عمل پائدار ہوتا ہے۔

مظاہر فطرت اللہ کی نشانیاں ہیں۔ قرآن نے مناظر فطرت کا بہت [illegible] پر خوبصورت الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے: إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (البقرہ ۱۶۲/۱۶۳) "جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں اُن کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے بہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے، پھر اسی کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اس انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے۔ ہواؤں کی گردش میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابعِ فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں بے شمار نشانیاں ہیں۔"

ایک دوسری مثال: وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ اس کے آگے فرمایا: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ آگے فرمایا وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ "زمین کو اس نے مخلوقات کے لیے بنایا اس میں ہر طرح کے بکثرت لذیذ پھل ہیں۔ کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ طرح طرح کے غلے ہیں جن میں بھوسا بھی ہوتا ہے اور دانہ بھی۔

اس نے دو سمندروں کو چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں۔ پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کی قدرت کے کن کن کرشموں کو جھٹلاؤ گے۔ اور یہ جہاز اسی کے ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے اٹھے ہوئے ہیں۔"

یہ زمین و آسمان بیکار نہیں بنائے گئے ہیں۔ زندگی بے مقصد نہیں۔ مظاہر حیات گورکھ دھندا نہیں۔ کائنات اندھی قوتوں کی جولانگاہ نہیں۔ انسان نے عالم فطرت کا مشاہدہ کر کے اشیاء کے اندر ایک مشترک قانون دریافت کیا اور اس کا نام قانونِ فطرت رکھا۔ قانون فطرت بھی دراصل اللہ ہی کا حکم ہے۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔـا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ٥ (یٰسٓ ۸۲) "وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔" قرآن نے صاف طور پر آگاہ کیا کہ کائنات بے مقصد نہیں بنائی گئی ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ٥ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ (الدخان ۳۸/۳۹) "آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں ہم نے کچھ کھیل کے طور پر نہیں بنائی ہیں۔ ان کو ہم نے برحق پیدا کیا ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔" یہ نہ جاننے والے مشرکین و ملحدین ہیں جنھوں نے اپنے نفس کو اپنا آقا بنا لیا ہے۔ وہ اپنی کج رویوں کو فلسفوں کا نام دیتے ہیں۔ باطل نے کیا کیا فلسفہ آرائیاں کی ہیں مگر قیاس و گمان حق سے بے نیاز نہیں کر سکتے۔ یونان والے لاتعداد دیوی دیوتاؤں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ یہی حال اہلِ ہند کا ہے۔ ہر مظہر فطرت کے لیے ان کے پاس ایک دیوی یا دیوتا ہے اور حاجت روائی کے لیے الگ الگ دیوتاؤں کو پوجا جاتا ہے۔ ایک فلسفہ کی رُو سے کائنات میں مادہ کی مقدار محدود ہے اور فطرت اسی محدود مادے سے اشیاء کی تخلیق و صورت گری کرتی ہے۔ چنانچہ اشیاء اسی لیے مٹی میں مل جاتی ہیں اور

پھر مٹی میں نئی زندگی کا ظہور ہوتا ہے یہ سلسل تخلیق کے راز کو نہ پاکر عقیدۂ تناسخ ایجاد ہوا جو ہر تخلیق کو ایک سابقہ تخلیق کا اعادہ سمجھتا ہے۔ اس طرح روح ایک سلسلۂ قالب کے بعد دوسرا قالب اختیار کرتی چلی جاتی ہے۔ شجر و حجر کی پرستش تو کھلی ہوئی بت پرستی ہے۔ بت پرستی کی بہت سی شکلیں ہیں۔ یہ اعتقاد بھی اس کی ایک شکل ہے کہ زمانہ ہی قادر مطلق ہے۔ وہی جلاتا اور مارتا ہے۔ قرآن نے بالتصریح یہ فرمایا: وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ (الجاثیہ ۲۴) " یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی بس یہی ہماری زندگی ہے۔ یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردشِ ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو۔ درحقیقت ان کے پاس کوئی علم نہیں۔ یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں " اسی طرح اکابر رجال کو الوہی درجہ دینا جس کا ہمارے زمانے میں عام رواج ہے کہ بااقتدار سیاسی رہنماؤں اور حاکموں کے مجسمے نصب کیے جاتے ہیں اور ان کی تصویریں گھروں دفتروں اور عوامی جگہوں پر آویزاں کی جاتی ہیں۔ یہ سب بت پرستی کی شکلیں ہیں۔ اسی طرح سائنس۔ آرٹ اور ایجادات کو وہ درجہ دینا جو خدا کو دینا چاہیے۔ انسان یہ سمجھنے لگا ہے کہ سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کی بنا پر وہ خدا سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ اسے اس خبط میں مبتلا کرنے والے ایسے دانشور بھی ہیں جو دنیاوی زندگی کو مطمحِ نظر بنا کر پیش کرتے ہیں۔ بلکہ ایک سیاسی جابر نظام ایسے دانشوروں کو اپنے نظام کی مداحی پر مامور کرتا ہے الحادی نقطۂ نظر چاہتا ہے کہ جو " زندگی " کے آگے تمام عقیدت و محبت کے جذبات پیش کیے جائیں۔ وہ زندگی کو الٰہ کا درجہ دے کر خدا اور آخرت کے تصورات کو مٹانا چاہتا ہے۔ حالانکہ دنیاوی زندگی سے اس کے غم اور زوال کو ہرگز جدا نہیں کر سکتے۔ ملحد شعراء وادباء دنیاوی زندگی کی حد سے زیادہ تعریف و توصیف کر کے یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ بس یہی دنیاوی زندگی سب کچھ ہے۔ زندگی بہ حدت

ایک واہمہ ہے۔ وہ دنیاوی زندگی کا ترانہ اتنی اونچی لے سے گاتے ہیں کہ انسان کے باطن میں جو عالم آخرت کا ایک احساس ہے وہ دب کر رہ جائے۔ اس کے ساتھ ہی وہ شعور نفس ہے ان کی وہ سرمدی صفت جو کسی دوسرے عالم کا پتہ دیتی ہے چھین لے کر اس سے دنیاوی زندگی کی حمد و تسبیح کا کام لیتے ہیں۔ عوام کی بھلائی کی فکر کرنا۔ ان کے لیے کھانا کپڑا اور مکان مہیا کرنا ہر مہذب حکومت کا فرض ہے مگر "معیار زندگی" کو اپنی تمام مساعی کا ہدف بنا کر آخرت کو فراموش کر دینا بھی ایک طرح کی بُت پرستی ہے۔ قرآن دنیاوی زندگی کی حقیقت یہ بیان کرتا ہے۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ط (الحدید ۲۰)

"خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔"

سائنس غیر شخصی ہوتی اور اس کا طرز فکر معروضی ہوتا ہے۔ جب کہ شعر و ادب کی بنیاد جذبہ و احساس پر ہے۔ ادیب کے عقائد و رجحانات اس کے ادب کو رنگ دیتے ہیں۔ وہ اپنی کاوش میں تنظیم فکر و خیالات سے بے نیاز نہیں ہوتا مگر وہ حقائق کا دماغ سے زیادہ قلب سے ادراک کرنا سکھاتا ہے۔ ادب و شعر یکسر معروضی نہیں ہو سکتے اور نہ ادب کو ادب رہنے دینے کے لیے یہ ضروری ہے۔ انسان ہمیشہ مظاہر کے پیچھے پوشیدہ حقیقت کی جستجو کرتا رہا ہے۔ روحِ انسانی منظر و صورت سے کبھی مطمئن نہیں ہوتی۔ حکمت مظاہر و صور میں معنی کی تلاش ہے۔ روح انسانی "جو ہے" پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ "کیا ہونا چاہیے" کے پیچھے ہمیشہ سرگرداں رہتی ہے۔ اور اس کی یہ سعیٔ پیہم زندگی اور صحت کی علامت ہے۔ شعر و ادب میں علامات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ عالم خیال اور عالم روحانی کے کوائف و مشاہدات کا بیان اسی طرح ممکن ہے کہ ان دیکھی چیزوں کا بیان دیکھی ہوئی چیزوں کی

ملوث کیا جائے۔ لطافتوں کے بیان کے لیے الفاظ کی کثافتوں سے دامن
سمجھانا مشکل ہے۔ ایک طرح سے مظاہر فطرت اور زندگی خود علامات ہیں حقیقت اعلیٰ کے
پیچھے ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فریب والتباس ہیں۔ نہیں۔ وہ اتنے ہی حقیقی
ہیں جتنے ہمارے شعور واحساس۔ ہماری زندگی، ہماری آرزوئیں، ہمارے
خواب۔ البتہ وہ بھی فانی ہیں اور ہم بھی فانی۔ لیکن یہ حیاتِ گذراں۔ یہ عالم خارجی
سے ہمارا ربط، ہماری فتح وشکست، ہماری خوشی اور ہمارے غم، یہ سب پل ہیں جن پر
سے گذر کر ہم ایک حیاتِ ابدی سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔ یہ عظیم تر زندگی ہمارے باطن یا
ہے اور وہ کامل طور پر ہماری ہو سکتی ہے جب ہم اس عارضی زندگی کے فرائض ان اصولوں
کے مطابق انجام دیں جن کی طرف اشارہ ہماری فطرت کرتی ہے۔ اپنی نادانی میں انسان
عالم فطرت کا جلال وجمال دیکھ کر مبہوت ہو گیا اور ذات خداوندی کی قدر کرنے سے
قاصر رہا۔ وہ واہموں میں گرفتار ہو کر غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے
معقولیت کو اس امر پر منحصر سمجھ لیا کہ جو آنکھوں سے دیکھا جائے وہی مانا جائے۔
مگر انسان کے حواس خمسہ کی محدودیت ظاہر ہے۔ قرآن کا ذات خداوندی کے متعلق
ارشاد ہے، لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ "اس کی مانند کوئی شے نہیں" ایک دوسرے مقام پر
فرمایا: لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ
الْخَبِيرُ (الانعام ۱۰۲) "نگاہیں اُسے نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا
ہے۔ وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے" چنانچہ اس دنیا میں دیدار خداوندی نا ممکن
ہے اور وہ عالم آخرت میں ان کو حاصل ہوگا جو اس امید میں دنیاوی زندگی بسر
کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی صفات بے شمار مقامات پر بیان ہوئی ہیں۔ ہر جگہ
ایک نئے مفہوم کو سمجھانے کے لیے اور زیادہ گہرے معنی کے ساتھ، قرآن کا ایک

خاص اسلوب ہے کہ کوئی بات کہنے کے بعد۔ کوئی حکم دینے، کوئی ممانعت کرنے، کوئی تاریخی واقعہ بیان کرنے یا تزکیہ و تربیت کی تعلیم دینے کے بعد ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا ذکر کرتا ہے۔ جیسے اللہ حکیم ہے۔ علیم ہے خبیر ہے۔ سمیع ہے۔ بصیر ہے وغیرہ۔ دراصل اس سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ اس حکم، واقعہ، تعلیم یا موعظت سے اللہ کی کس خاص صفت کو تعلق ہے۔ اس خاص صفت پر غور و فکر کرنے سے معرفت و حکمت حاصل ہوتی ہے۔ صفاتِ الٰہی قرآنی مضامین کی شاہ کلید کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر قرآن کے ان مقامات کو بہ نظرِ تامل دیکھیں جہاں روزہ، نماز جمعہ، حج یا ایسے ہی دوسرے عبادات کا حکم دیا گیا ہے تو دیکھیں گے کہ اُن کے فوراً بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کا ذکر کرو۔ چنانچہ اس طرح ہم ذکر کے وسیع تر معنی سے آشنا ہوتے ہیں۔ زبان سے ذکر ادنیٰ درجہ کا ذکر ہے۔ دل سے ذکر اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے۔ مگر سب سے اعلیٰ وہ ذکر ہے جو انسان کو اپنی یاد سے فراموش کر کے ذکرِ حق کے ساتھ وابستہ و زندہ کر دیتا ہے۔ یہ ذکر عملاً ذاکر کے جملہ اعمال سے ظاہر ہوتا ہے۔ اوامر کی بجا آوری ہو یا نواہی سے اجتناب۔ گھر کے معاملات ہوں یا حکومت کے قوانین۔ معاش ہو یا اقتصاد۔ شعر ہو یا ادب۔ غرض زندگی کی ہر حالت اور کیفیت سے۔ یہ ذکر، یہ عشق، حیاتِ جاودانی بخشنے کی قوت رکھتا ہے:

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

فلسفۂ وحدۃ الوجود نے، جس کے بانی شیخ محی الدین ابن العربی ہیں، اسلامی دنیا کے عوام و خواص پر زبردست اثر ڈالا۔ یہ فلسفہ پورے عالمِ اسلام کے صوفیاء میں رائج ہو گیا اور چودھویں صدی عیسوی میں تو اسلامی شاعری کا مقبول ترین موضوع رہا۔ جو لوگ حلول اور خدا کی تجسیم کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس طرح وہ خدا کے ساتھ زیادہ جذبے کے ساتھ محبت کر سکتے ہیں۔ اور اُن کی آخری منزل خدا سے وصل یا

اتحاد ہے مگر قرآن صاف کہتا ہے کہ خدا خدا ہے، بندہ بندہ بندہ خدا سے انتہائی قرب حاصل کرسکتا ہے مگر اس کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتا۔ اخلاقی نقطۂ نظر سے وحدت الوجود فلسفۂ اخلاق کی جڑ کاٹ دیتا ہے اور انفرادی عمل کی ذمہ داری کا بے حد شعور ہے۔ وحدۃ الوجود پر مبنی شعر و ادب نے جوشِ عمل کو سرد کیا اور انسانوں کے اندر انفعالیت پیدا کی۔ ان کو جھوٹے مزعومات میں مست رکھا۔ میدانِ عمل سے گریزاں انسانوں نے اس کے دامن میں پناہ لے کر میٹھے خواب دیکھے۔ قرآن خدا کی ایک ذات کا تصور دیتا ہے اور کہتا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (البقرہ ۱۶۵) "کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مقابل بناتے ہیں اور ان کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیے حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔"

فن انسان کی ان مساعی پر موقوف ہے جو وہ زندگی کے حقائق سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کرتا ہے۔ یہ بات قرین عقل نہیں کہ بڑے بڑے فنکاروں نے اپنی کوششوں کو صرف اس امر پر منحصر رکھا ہوگا کہ ان کے ذریعے تفریح طبع کا سامان بہم پہنچایا جائے یا ذہنی بازی گری یا لہو و لعب میسر آئے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ ان کے کارنامے نوع انسانی کی تھکتی ہارتی ہوئی قوتوں کو بحال کرنے اور تازگی اور قوت بخشنے کے لیے تھے۔ تمام فن کا مقصود حسن کا اظہار ہوتا ہے اور وہ ترفع کے ذریعے یا ایک اعلیٰ نصب العین کی طرف رجوع کرنے سے درجۂ کمال کو پہنچتا ہے۔ چنانچہ اگر انسان محسوسات ہی کے دائرے میں رہ جائے تو علم جہل آمیز ہو کر حجاب اکبر بن جاتا ہے۔ مکمل جمال و جلال کی حامل صرف ذات خداوندی ہے اور اسی کے جمال و جلال کی طلب اولیٰ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی کا سرچشمہ مذہب ہے اور تمام علوم و فنون کا مقصود زندگی کے

تقاضوں سے جوڑ دیا گیا ہے۔ قرآن کی زبان میں وہ عبادت ہے۔ عبادت میں حُبِّ الٰہی بھی شامل ہے اور ملکوتی فضائل سے محبت بھی۔ اس طرح عشق ایک رہبر قوت ہے۔ وہ انسان کو بیدار و عمل میں سرگرم کرتا ہے۔ اس کو تخلیقی کاموں میں لگاتا ہے اور تسخیرِ فطرت کا سبق دیتا ہے۔ یہ عشق ماسوا اللہ کا ابطال کرتا اور حق کو غالب کرنے کی جدوجہد کرنا سکھاتا ہے۔ عشق کا علمبردار فقر دُنیا ترک نہیں کرتا مگر دنیا پرستی سے اپنا دامن بچاتا ہے۔ وہ مال و متاعِ دنیوی کی ہوس نہیں رکھتا بلکہ آزادی اور بے نفسی پر جان دیتا ہے۔ اس کے دوسرے معاون اوصاف ہیں۔ صبر، توکل، نیاز، فقر، شجاعت، رواداری وغیرہ۔ وہ اوصاف جو دنیا پرستی کے مقابلے میں انسانی خودی کو آزادی اور پاکیزگی عطا کرنے والے ہیں۔

صحیح روحانی طرزِ زندگی ہر فردِ بشر کے لیے ایک سا ہے۔ عملی زندگی میں تقسیمِ کار کے اصول رائج ہونے سے پہلے شاید عملی زندگی بھی سب انسانوں کے لیے یکساں تھی۔

قرآن کا ارشاد ہے: كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (البقرہ ۲۱۳) "ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور اُن کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے ان کا فیصلہ کرے اور اختلافات کے رونما ہونے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ابتدا میں لوگوں کو حق نہیں بتایا گیا تھا۔ نہیں۔ اختلافات ان لوگوں نے کیا جنھیں حق کا علم دیا جا چکا تھا۔ انھوں نے روشن ہدایات پالینے کے بعد محض اس لیے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔" اس امر کو شدت سے محسوس کرانے کی ضرورت ہے کہ دانشور اور عوام

دونوں ہی انسان ہیں اور ایک ہی خاندان کے افراد۔ مذہب ہی وہ میدان ہے جس میں
وہ ایک مشترک مقصد کے لیے سرگرم کار ہو سکتے ہیں۔ البتہ ادیب اور فنکار کے لیے ایک
داعیانہ جذبہ ضروری ہے جس سے اسے کارکردگی کی مقصدیت حاصل ہو۔ وہ اپنے قلم
کو حق کی امانت سمجھے اور قلم کے ذریعے عبادت کرے۔ تاریخ شعر و ادب گواہ ہے کہ
عظیم فن وہاں پھولتا پھلتا ہے جہاں مذہبی اور ثقافتی روایات موجود ہوں۔ جو ادب
اپنی روایات سے منحرف ہو وہ ترقی نہیں کر سکتا۔ اس کا عظیم ہونا تو خارج از بحث ہے
فنکار کے لیے دروں بینی ضروری ہے۔ وہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ یا فنکار کائنات اور
مخلوق سے کٹ کر اپنی خودی میں کھو جائے یا حقیقت مطلق سے براہ راست اپنے باطن
کی گہرائیوں میں ایک تعلق پیدا کرے۔ پہلی قسم کی دروں بینی منفی ہے اور علیحدگی
پسند اور دوسری مثبت ہے اور وجدانی۔ جو فنکار مذہب سے روشنی حاصل نہیں کرتے۔
وہ قرآن کے ارشاد بغیاً بینہم کے مصداق ہیں۔ وہ [illegible] ہیں
اور ان کی کوششیں انتشار، فساد اور تباہی کا باعث ہیں۔ قرآن ان کی اور ان جیسے گمراہوں
کی مثال یوں بیان کرتا ہے: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ
مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۝
صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ
وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ
الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ
كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ
لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرہ
۱۷/۲۰) "ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی اور جب اس نے سارے
ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور سلب کر لیا۔ اور انھیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ

اندھیروں میں انھیں کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ بہرے ہیں۔ گونگے ہیں۔ اندھے ہیں۔ یہ اب نہ پلٹیں گے۔ یا پھر ان کی مثال یوں سمجھو کہ آسمان سے زور کی بارش ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ اندھیری گھٹا اور کڑک اور چمک بھی ہے۔ یہ بجلی کے کڑاکے سن کر اپنی جانوں کے خوف سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ ان منکرین حق کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ چمک سے ان کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ گویا عنقریب بجلی ان کی بصارت اچک لے جائے گی۔ جب ذرا کچھ روشنی انھیں محسوس ہوتی ہے تو اس میں کچھ دور چل لیتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت بالکل ہی سلب کر لیتا۔ یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔" یہ بیان تاریخ کے ہر دور میں ہر طبقے کی گمراہی پر صادق آتا ہے۔

تمام علوم و فنون اور مظاہر تہذیب کو باہم متحد رکھنے کے لیے ایک مرکزی نقطہ درکار ہے۔ وہ نقطہ اللہ ہے۔ اس نقطے پر انسانیت کا جمع ہونا حق ہے۔ یہی مرکزی نقطہ آج مغربی اقوام اور ان کی متبع قوموں نے کھو دیا ہے جس کے نتیجے میں وہ گھر، بازار، منڈی غرض ہر جگہ فساد کا شکار ہیں۔ اور انسانی زندگیاں تباہ ہو رہی ہیں۔ اب تو تباہی کا دائرہ بے اندازہ وسعت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ آج ہر دانشور، شاعر اور ادیب کا یہ فرض ہے کہ وہ حالات کی سنگینی کو محسوس کرے اور اعصابی ہیجانات پیدا کرنے والے مادہ پرستی پر مبنی ادب کی تباہ کاری کو بھی محسوس کرے۔ دنیا کی موجودہ حکومتیں بھی اپنے عوام کے حالات بگاڑنے کی ذمہ دار ہیں جنھوں نے عوامی ذرائع ابلاغ کو گھر گھر میں پہنچا دیا ہے تاکہ اس طرح حاکم شخصیتوں کو پرستش کی حد تک پہنچا دیا جائے۔ اور عوام پر ان کی گرفت زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو سکے۔ وہ ایسے ہی علمی، تہذیبی اور تعلیمی پروگرام پیش کرتے ہیں جن سے اُن کے مقاصد حاصل ہو سکیں۔ ایسے دانشور بھی ان کے کاموں میں معاون بنتے ہیں جنھیں آزادیٔ ضمیر و فکر سے زیادہ دنیاوی مفاد عزیز ہوتے ہیں۔

اسی محور کو ہی مرکزی نقطہ دینا چاہیے۔ آج کی دنیا میں بغیر ایمان و یقین کے ترقی کا ہر قدم انسانیت کی تباہی کا ہی سامان بنتا ہے۔

مجذوب فرنگی نطشے نے کہا تھا: "خدا کہاں ہے؟ میں بتاؤں ہم نے اسے قتل کیا ہے، میں نے اور تم نے۔ ہم سب اس کے قاتل ہیں۔ لیکن ہم نے یہ کام کیا کیسے؟ کیسے ہم سمندر پی گئے؟ کس نے ہمیں اسفنج دیا جس سے ہم نے سارا افق مٹا دیا؟ آخر ہمارا کیا منشا تھا کہ ہم نے زمین کو اس کے سورج کی زنجیر سے علیحدہ کر دیا؟ اب وہ کدھر جا رہی ہے؟ ہم کدھر جا رہے ہیں؟ ہر سورج سے دور؟ کیا ہم مسلسل گرتے نہیں جا رہے ہیں؟ کبھی پیچھے، کبھی آگے، کبھی دائیں، کبھی بائیں، ہر طرف۔ کیا اب بھی ہم عرش و فرش کی بات کر سکتے ہیں؟ کیا اب ہم آوارہ گرد نہیں ہیں؟ راہ گم کردہ۔ ایک عدم کے سمندر میں غرقاب۔ کیا رات نہیں آ گئی اور کیا ظلمت ہر آن بڑھتی نہیں جا رہی ہے؟ خدا مر گیا۔ اب وہ زندہ نہیں ہو گا۔ ہم نے اسے مار ڈالا۔ مگر ہمیں کون سی راحت ملی۔ یہ اتنا بڑا کام تھا کہ جس کے بوجھ تلے ہم دب گئے ہیں۔" (Existentialism by Paul Roubiczek, P. 40)

نطشے عیسائیت کی دشمنی میں اس قدر بڑھ گیا کہ اپنے تیز و تند افکار کو اس نے انتہا پسندی کی آخری حد تک پہنچا دیا۔ ورنہ اس کا دل صاف تھا۔ وہ ان اخلاقی اور روحانی قدروں کی تباہی کا ماتم کر رہا تھا جس کو بنیا پینہم والوں نے بیدردی سے پامال کر دیا تھا۔ جب اس نے مندرجہ بالا سطور لکھیں تب تک دوسری عالمی جنگ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ ہو چکی ہے اور اب نیوکلیائی اسلحے اور دیگر تباہ کار ہتھیار نوعِ انسانی کو کرۂ ارض سے مٹا ڈالنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔ چاند پر انسان نے قدم جما لیے ہیں اور شاید اب "ستاروں کی جنگ" دور نہیں۔ آج ہمیشہ سے زیادہ قرآن کا یہ صاف حکم دنیا کو سنانے کی ضرورت ہے اور دانشوروں اور مفکروں کو یہ سنانے کا فرض ادا کرنا ہے۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○ (روم ۳۰) "(اے نبی اور نبی کے پیرو) یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت جما دو۔ قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔"

نفقہ مطلقہ

# سپریم کورٹ کا فیصلہ اور چند وضاحتیں

(ڈاکٹر) محمد حسن الہ آبادی
سکریٹری بھیونڈی مسلم پرسنل لاء بورڈ۔ بھیونڈی۔

نفقہ مطلقہ کے سلسلہ میں سپریم کورٹ کے محمد احمد خاں بنام شاہ بانو بیگم (کریمنل اپیل نمبر ۲۳/۸۱ جو ۲۳ اپریل ۱۹۸۵ء کو فیصل ہوا ہے اور جو اے۔ آئی۔ آر سپریم کورٹ ۹۴۵ کے عنوان سے اے۔ آئی۔ آر جولائی ۱۹۸۵ء کے صفحات ۹۴۵ تا ۹۵۵ پر رپورٹ ہوا ہے) کے فیصلہ کی حمایت میں جو مضامین اب تک اخبارات میں شائع ہوئے ہیں وہ در اصل قلت علم و فکر اور منشائے قرآن سے افسوسناک بیخبری کا شاہکار ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ زیر بحث سے متعلق چند امور کی وضاحت کر دی جائے۔ ساتھ ہی ساتھ مناسب طریقہ سے سپریم کورٹ کے مندرجہ بالا فیصلہ کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔

سپریم کورٹ کا فیصلہ | سپریم کا یہ فیصلہ جو سابق چیف جسٹس آف انڈیا مسٹر وائی۔ وی۔ چندر چوڑ کی سربراہی میں چار ججوں کے مشترک فیصلہ کی صورت میں صادر ہوا ہے کسی نص قرآنی کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اس خواہش کی بناء پر ہے کہ ہندوستان میں بتدریج یکساں سول کوڈ نافذ کیا جائے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے

(۱) مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مداخلت intervention پر اظہار ناپسندیگی کیا ہے۔ (پیراگراف ۳۱)

(۲) دانیال لطیفی جیسے مشہور مبلغ نے تبدیلی پرسنل لا کی تحسین کی ہے (پیراگراف ۳۱)

(۳) ڈاکٹر طاہر محمود جو ادارہ ہمدرد کے انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ اسلامک ... کے سربراہ کی حیثیت سے عرصہ سے مسلم پرسنل لاء کی مذمت ...

زمار ہے ہیں کی تقریروں اور تحریروں کے حوالہ سے "اسلامی اقتصادی [illegible]
ہے (پیراگراف ۳۳)

(۴) اس بات پر اظہار افسوس کیا ہے کہ حکومت دستور کے آرٹیکل ۴۴ کے نفاذ میں مسلمانوں کے چشم و ابرو کی طرف ملتفت کیوں ہے؟ اور زور دیا ہے کہ حکومت فوراً اس سلسلہ میں مثبت اقدام کرے (پیراگراف ۳۲ نیز پیراگراف ۲۸)

(۵) عدالتیں سماجی مصلح کا کردار ادا کرنے پر مجبور ہیں۔ اگرچہ یہ مشترکہ سول کوڈ کا بدل نہیں ہے۔ (پیراگراف ۳۲)

(۶) عدالت نے یہ فیصلہ اس امر کے باوجود دیا ہے کہ شاہ بانو (۶۵ سال) کا ایک جوان برسر کار بیٹا بھی موجود ہے جو فی الوقت اس کی کفالت کر رہا ہے اور ادا تقاضاہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ (۱) ( کے تحت نہیں آتی جس میں یہ کہا گیا ہے کہ " اگر بیوی اپنی کفالت نہ کر سکے ——— "

(ب) ایک اور فیصلہ (اسپیشل لیو پٹیشن نمبر ۲۱۴۷/ ۸۵ ج ۱۰ ارمئی ۱۹۸۶ کو فیصل ہوا ہے اور جو سپریم کورٹ ۹۳۵ - دہلی کے تحت اے۔ آئی۔ آر جولائی ۱۹۸۶ کے صفحات ۹۳۵ تا ۹۴۱ پر رپورٹ ہوا ہے) میں مسٹر جسٹس چنپا ریڈی اور مسٹر جسٹس آر۔ بی مصرا (یہ دونوں جج صاحبان شاہ بانو کیس کی بنچ میں شامل تھے) نے شاہ بانو کیس پر ملک کے مسلمانوں کے ردِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے پیراگراف ۷ میں یکساں شہری قانون بنانے کے لیے حکومت پر زور دیا ہے۔

(ج) سابق چیف جسٹس آف انڈیا مسٹر وائی۔ وی۔ چندر چوڑ نے بھی ایک سوال کے جواب میں واضح طور سے ارشاد فرمایا ہے کہ انھیں ہر قسم کے [illegible]
حق حاصل ہے۔ یہاں تک کہ انھیں تعبیر قرآن کا بھی حق حاصل ہے [illegible] (
[illegible] کے حق کا مصرف نے شاہ بانو کیس میں کس طرح استعمال [illegible]

اٹکا دیا ہے۔

بس جو لوگ نیک نیتی کے ساتھ اس فیصلہ کو مسلم پرسنل لا، میں مداخلت نہیں سمجھتے انھیں فرما دوسروں کے کا حق لینا چاہیے۔ اور اگر انھیں ہندوستان میں اپنا تشخص (identity) عزیز ہے تو اس قسم کے فیصلوں پر تعلیں بجانے سے احتراز کرنا چاہیے۔

۲۔ مسلم پرسنل لا بورڈ | مسلم پرسنل لا بورڈ پر یہ اعتراض کرنا کہ ۱۹۷۳ء کو مجلس سے کرنے ضابطۂ فوجداری کا نفاذ ہوا ہے وہ کیا کرده اعتقاد اصل الاعلیٰ کا نتیجہ ہے۔ انھیں ابتدا ہی سے ضابطۂ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ میں "بیوی" کی تعریف میں "مطلقہ" کو شامل کرنے پر اعتراض تھا اور دفعہ ۱۲۷ کی ذیلی دفعہ (۳) ب کی شمولیت دراصل انھیں کوششوں کا نتیجہ تھی۔ اگرچہ ضابطۂ فوجداری اپنی موجودہ شکل میں یعنی دفعہ ۱۲۵ اور دفعہ ۱۲۷ (۳) ب کی موجودگی کے باوجود عدالتوں کے چکر سے لوگوں کو محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا پھر بھی اگر شوہر نے مطلقہ کے تمام واجبات ادا کر دیے ہوں تو بالآخر اس کی گلو خلاصی ممکن تھی۔ لیکن ۱۹۸۵ء میں مسٹر جسٹس رفتا آر کے ایک فیصلہ نے (اے۔ آئی۔ آر۔ سپریم کورٹ ۳۶۲۔ کریمنل لا جرنل ۱۵۱/ ۱۹۸۵ء، صفحات ۳۶۲ تا ۳۶۶) ایک "نکتہ" پیدا کر کے (دفعہ ۱۲۷ (۳) ب کے نفاذ کو عملاً روک دیا تھا۔ تاآنکہ حالیہ فیصلہ نے وہ تحفظ ہی بالکل ختم کر کے رکھ دیا جو چودہ سو سالوں سے مسلمانوں میں متفق علیہ چلا آ رہا ہے یہی سبب ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کو عوامی تحریک چلانے کی ضرورت اب پیش آئی ہے۔

۳۔ معکوس استدلال | یہ بات کہ جب اسلام کا تعزیراتی قانون (Penal law) ہندستان میں نافذ نہیں ہے تو پرسنل لا ہی پر اصرار کیوں ہے دراصل معکوس منطق کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا جواب مشرکانہ الفاظ میں یہ ہے کہ "اگر کسی کل کا کوئی جزو فراہم نہ کیا جا سکے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا موجود جزو بھی ساقط کر دیا جائے۔

[illegible]

[illegible] that the other should be Surrendered

دلوک یہاں آرٹیکل ۴۴ کو ختم کرنے کے لیے ہر مذہبی قانون مشترک سول کی تجویز کرتا ہے۔

مسلم انڈیا انگریزی بابت مئی ۱۹۸۵ء۔ صفحہ ۲۱۹)

۴۔ اسلامی ممالک کی مثال | پاکستان میں وہ عائلی قوانین نافذ ہوئے اور جس کا حوالہ سپریم کورٹ نے بھی اپنے پیراگراف نمبر ۳۲ میں دیا ہے ان کے بارے میں عوام کو یہ بات معلوم رہنی چاہیے کہ یہ ایک آرڈیننس تھا جسے ملک کے ایک صدر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ملک پر بجبر" نافذ کیا تھا۔ اس کے باوجود علماء اور عوام نے قبول نہیں کیا۔ پاکستان ہو یا کوئی دوسرا مسلم ملک۔ نہ وہاں اسلامی حکومت ہے نہ جمہوریت، اس قسم کی "اصلاحات" خواہ پاکستان میں ہوں یا تیونس میں۔ شام میں یا لیبیا میں۔ سب جبراً نافذ کی جاتی ہیں جو کسی بھی وقت نمائندہ یا عوامی جمہوری حکومت قائم ہوتے ہی کالعدم ہو سکتی ہیں۔ اس کے باوجود اکثر ان اصلاحات میں مسلمانوں کے کسی نہ کسی فقہی مذہب کے تفرد یا خصوص کی پیروی کی جاتی ہے مزید برآں وہاں کا کوئی غلط اقدام ہمارے لیے اس لیے بھی دلیل اور حجت نہیں بن سکتا کہ ان ممالک میں اکثریت کے ووٹوں کی قوت پر اقلیتوں پر بجبر کوئی قانون نافذ نہیں کیا جاتا جبکہ ہمارے یہاں ہندو اکثریت کی مرضی اور خواہش کو مسلم اقلیت پر مسلط کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

۵۔ اجتہاد کہاں؟ | (۱) جہاں قرآن و سنت کے واضح احکام موجود ہوں وہاں اجتہاد نہیں ہوا کرتا۔ حکم ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی

ورنہ تعبیر ہو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریقِ کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

(ب) قرآن کے بعد سنتِ رسول کا درجہ ہے۔ اس کا واضح حکم آیت مولہ بالا میں موجود ہے۔ پس رسول کے حکم (یا عمل) کی موجودگی میں بھی اجتہاد نہیں ہو سکتا۔

نفقۂ مطلقہ تا عدت کا حکم قرآن اور سنت دونوں سے ثابت ہے۔

(ج) جس طرح دستورِ ہند کی آرٹیکل ۱۳۱ (و) ۱۴۳ (ا) اور ۱۴۷ نے صرف سپریم کورٹ کو قوانین کے جواز اور قوانین و دستور کی تعبیر کا حق دیا ہے۔ قرآن نے بھی فہمِ قرآن اور اجتہاد کے لیے صرف "اہل الذکر" کو اہل قرار دیا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (النحل۔ ۴۳) اے نبی ہم نے تم سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں آدمی ہی بھیجے ہیں جن کی طرف ہم اپنے پیغامات وحی کیا کرتے تھے۔ اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے"۔

سپریم کورٹ کے ججوں کو یہ منصب اس لیے سونپا گیا ہے کہ ملک کی سب سے بڑی عدالت کے منصف ہونے کی بناء پر ان سے بجا طور سے توقع کی جاتی ہے کہ رائج الوقت قوانین پر ان کی حیثیت "ماہرانہ" ہوگی۔ اسلامی قانون کی تعبیر بھی ایسے اشخاص کے سپرد نہیں کی جاسکتی جو قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی چودہ سو سالہ تاریخ کا "ماہرانہ" علم نہ رکھتے ہوں۔ پھر دستور کی آرٹیکل نمبر ۱۴۴ (۱) کے تحت جو دستوری بنچ تشکیل دی جاتی ہے اس کی حیثیت قانونِ ملکی کی تعبیر میں "اجماع" کے علاوہ اور کیا ہے؟ اور "اجماع" کا اسلامی ماخذ قانون میں قرآن اور سنت کے بعد تیسرا درجہ ہے۔ لیکن واضح رہے کہ اسلامی قانون کے "اجماع" کی حیثیت سپریم کورٹ کے دستوری بنچ (بحت آرٹیکل ۱۴۴ (۱)) سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

(د) اسلامی قانون کے چوتھے ماخذ "قیاس" کے لیے "اجتہاد" شرط ہے لیکن

"مجتہد کے لیے قرآن وسنت اور اجماع کا کلی علم ہونا ضروری ہے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل والی "حدیث اجتہاد" سے ثابت ہوتا ہے۔

سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کی تائید میں جو مضامین آئے ہیں انہیں پڑھ کر عقل حیران ہے کہ کیا واقعی یہ مسئلہ اجتہادی تھا۔ اور بالفرض اگر اجتہادی تھا تو کیا ملک کے جج صاحبان جنہیں قرآن وسنت کی ہوا تک نہیں لگی ہے اس کے اہل ہوگئے ہیں کہ ایک یا چند آیات کا انگریزی ترجمہ دیکھ کر "اجتہاد" کرنے بیٹھ جائیں۔

۶۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۱ کا مطلب: (۱) اگرچہ شریعت کسی شخص کو اپنی مطلقہ کو یکمشت کوئی بھی رقم (خواہ وہ عورت کے خرچ سے زیادہ ہو) کسی دوسرے کی حق تلفی کیے بغیر دینے سے نہیں روکتی لیکن اس بارے میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۱: وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (اسی طرح جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہے انہیں بھی مناسب طور پر کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے۔ یہ حق ہے متقی لوگوں پر) سے استدلال کرنا بالکل غلط ہے، کیونکہ متاع کے معنی کسی طور پر بھی اس رقم کے نہیں ہو سکتے جسے ماہ بماہ (یعنی استمراری طور سے Continuous) دینے کا حکم دیا گیا ہو (جیسا کہ سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ میں اور اس سے پیشتر بھی اور فیصلوں میں کیا گیا ہے) اس سے یکمشت اتنی بڑی رقم کا دینا بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا جو کسی مطلقہ کی پوری زندگی کی کفالت کی ضامن ہو۔ (جیسا کہ جسٹس کرشنا آئر نے اپنے فیصلہ میں استدلال کے طور پر کیا ہے (ملاحظہ ہو اے۔ آئی۔ آر سپریم کورٹ ۳۶۲/۱۹۷۹ - سی۔ ایل۔ جے ۱۵۱ صفحات ۳۶۲ تا ۳۶۶) کیونکہ متاع کے مفہوم میں استمرار (Continuation) ہے ہی نہیں۔ دراصل آیت کا صحیح مفہوم متعین ہوتا ہے۔ سورہ طلاق کی آیت نمبر ۶ سے ملاحظہ ہو: أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ

[illegible] وان تعاسرتم فسترضع له اخرى
[illegible] کہ جب تک [illegible] اور انہیں تنگ
[illegible] اور اگر حاملہ ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ کرتے رہو
جب تک [illegible] وضع حمل ہو جائے پھر اگر وہ تمہارے لیے بچے کو دودھ پلائیں تو ان کی
اجرت بھی دو [illegible] (اجرت کا معاملہ) [illegible] دستور کے مطابق طے کر لو لیکن
اگر تم (اجرت طے کرنے میں) ایک دوسرے کو تنگ کیا تو بچے کو کوئی اور عورت دودھ پلائے
گی) اس آیت میں لفظ "متاع" بھی نہیں ہے بلکہ صاف "نفقہ" ہے۔ اب "قرآن فہمی" کا دعویٰ
رکھنے والے حضرات (اور محترم [illegible] صاحبان بھی) یہ بتلائیں کہ جب مطلقہ حاملہ کا نفقہ صرف
وضع حمل تک ہے (جو کہ اس کی اصل عدت ہے) تو کس قانون عرف یا عقل کی رو سے
غیر حاملہ مطلقہ کا نفقہ تا نکاح ثانی یا تا عمر رہ سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ سے اس قدر خلاف عقل
قانون کی کون امید رکھ سکتا ہے؟

پھر قرآن کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات مخفی نہ رہنی چاہیے کہ قرآن نہ تو کسی پہاڑ پر نازل ہوا نہ ہی چودہ سو سالوں تک خلا میں معلق رہا۔ اسی طرح جب ہم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی اور امت کے تعامل پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ در اصل آیت ۲ : ۲۴۱، ان مطلقہ عورتوں کے لیے ہے جن سے خلوت نہ ہوئی ہو اور اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ اس بے زبان عورت کو کم از کم کپڑوں کا ایک آدھ جوڑا (از نصف مہر کے علاوہ) ضرور دے دیا جائے۔ ترتیب کلام ملاحظہ ہو آیات ۲۳۴، ۲۳۵ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو فوت ہو گئے ہوں، اور آیات ۲۳۶، ۲۳۷، ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے ہاتھ لگانے سے قبل منکوحہ کو طلاق دے دی ہو۔ اسی ترتیب سے آیت ۲۴۰ میں مذکورہ بیوہ کے لیے وصیت کی تلقین ہے۔ (یہ حکم وراثت کی آیات نازل ہونے کے بعد منسوخ ہو گیا) اور آیت ۲۴۱ میں ان مطلقات کے لیے تلقین ہے

...دالی

...کے ساتھ خلوت نہ ہوئی ہو۔

لیکن آیت کو اطلاقی معنوں میں مراد لینے کی صورت میں اس کا حصر ازروئے آیت
اطلاق۔ ۶ سے ہوگا۔ ورنہ قرآن میں (نعوذ باللہ) تعارض لازم آئے گا۔

(ب) یہ آیت آیتِ وصیت ۲: ۲۴۰ کے فوراً بعد آئی ہے اور محترم جج صاحبان
نے پیراگراف ۷ا میں دونوں آیتوں کا ترجمہ نقل کیا ہے۔ کسی قانون داں ذہن سے بجا
طور سے توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ آیت ۲: ۲۴۱ کو بھی وصیت ہی کے معنوں میں لے لیتا
کیونکہ ایسا کرنا زیادہ آسان تھا۔ لیکن محترم جج صاحبان نے یہ قابلِ قدر نکتہ اس لیے
اختیار نہیں فرمایا کہ اس سے ان کا مقصد فوت ہو جاتا تھا۔

(ج) "متاع" کے لفظ سے یہ غلط فہمی دراصل عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ قرآن
سے پیدا ہوئی ہے۔ جنھوں نے "متاع" کا ترجمہ "maintenance" (گذارہ
یا نفقہ) کیا ہے۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ محمد ظفر اللہ خاں، علامہ خادم رحمانی نوری، مجید
مادیوک پکتھال اور بری کے ترجموں، نیز بورڈ آف اسلامک پبلیکیشنز کے ترجمہ میں "نفقہ"
کا لفظ مطلق نہیں استعمال کیا گیا۔ (دیر اگراف ۱۵-۳۷-۱۸-۱۹-۲۰-اور ۱۷) سید
امین الحسن رضوی صاحب (intervener) کی تحریری بحث میں اسی نکتہ پر سب سے
زیادہ زور دیا گیا تھا۔ (ہفت روزہ دعوت کا مسلم پرسنل لا نمبر) ان تمام ترجموں سے صرف
نظر کرتے ہوئے (اور خاص طور سے آربری کے ترجمہ کو) صرف عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ کو
اختیار کرنا خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہی ایک ترجمہ محترم عدالت کے مفید مقصد تھا۔

۷۔ مطلقہ کو صرف تا عدت نفقہ دینے کی علت اور مصلحتیں (۱) اسلام میں تین قسم کے قرابتوں
کو تسلیم کیا گیا ہے۔ (۱) نسب۔ (۲) رضاعت۔ (۳) مصاہرت (ملاحظہ ہو النساء ۲۳)
لیکن ان میں سے صرف دو ہی انسانی خاندان کی بنیاد ہیں۔ نسب اور مصاہرت جیسا کہ سورہ
فرقان کی آیت نمبر ۵۴ میں کہا گیا ہے۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ

نَسَبًا وَّ صِھْرًا (الفرقان ۵۴) (وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر پیدا کیا پھر اس سے نسب اور سسرال
کے دو الگ الگ سلسلے چلائے)۔ لیکن رشتہ زوجین کے درمیان اسی وقت تک باقی رہتا
ہے جب تک نکاح کا تعلق باقی رہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ کسی عورت کو طلاق دینے کے
بعد اس کی حقیقی بہن، خالہ یا پھوپھی یا بھتیجی یا بھانجی سے نکاح کیا جا سکتا ہے (صرف اس کی
ماں مستثنیٰ ہے کیونکہ عورت کے مدخولہ ہوتے ہی وہ ماں کے درجہ میں آجاتی ہے) پھر کیا
ہمارے معدودے چند مصلحین اور واضعین قانون) چاہتے ہیں کہ اگر ایک بہن کو طلاق دینے کے بعد
کوئی شخص دوسری بہن سے نکاح کرے تو اس شخص کی کل آمدنی ایک ہی خاندان کی کفالت
کی ذمہ دار ہو کر رہ جائے۔

(ب) دوسرا سبب مطلقہ کو صرف عدت کے زمانہ تک نفقہ دینے میں یہ ہے کہ اسلام
ہر شخص کو عزتِ نفس کی تلقین کرتا ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْیَدُ
الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی (صحیحین، ترمذی، نسائی) یعنی اوپر کا ہاتھ نیچے والے
ہاتھ سے بہتر ہے" اس طرح آپ نے دستِ سوال دراز کرنے کی ہمت شکنی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (المنافقون ۸) "عزت تو اللہ کے لیے
اس کے رسول کے لیے اور مومنین کے لیے ہے" جب کسی عورت کا اس کے شوہر سے رشتہ منقطع
ہو گیا ہو تو آکاس بیل کی طرح اس کے ٹکڑوں پر پلنا عورت کی عزتِ نفس کے خلاف ہے۔
عدت کا زمانہ اس لیے مستثنیٰ ہے کہ اس عرصہ میں استبراءِ رحم کی خاطر اپنے سابقہ شوہر کے لیے عورت
رُکی رہتی ہے، اور دوسرا نکاح نہیں کر سکتی تاکہ اگر اسے حمل ہو تو اس کا نسب خلط ملط نہ
ہونے پائے۔ اسی وجہ سے زمانہ عدت میں واضح الفاظ میں نکاح کا پیغام دینا بھی ممنوع ہے۔
(ج) اللہ تبارک و تعالیٰ کسی بھی مرد یا عورت کا غیر شادی شدہ رہنا پسند نہیں کرتا
چنانچہ ارشاد ہے: وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ
اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (النور ۳۲)

تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے" اسی وجہ سے بیواؤں کے نکاح کی تلقین کی گئی ہے اور چار تک شادیوں کی اجازت دی گئی ہے: وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ (النساء ۳) "اور اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو" شادی کرنے کی غرض و غایت یہ ہے کہ معاشرہ پاک و صاف رہے۔ کیونکہ زنا اسلام میں قابل تعزیر جرم (Penal offence) ہے جس کی سزا غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے (النور-۲) اور شادی شدہ کے لیے رجم (مسلم، ابوداؤد، نسائی) ہے (اس لیے یہ اسلامی مزاج کے خلاف بات ہوتی اگر کسی مطلقہ کے لیے تا نکاح ثانی یا تا عمر نفقہ کا سابق شوہر کی طرف سے انتظام کر کے اسے بے فکر کر دیا جاتا)

(د) جب ہر مرد اور عورت کے لیے شادی کرنا ضروری ہوا تو مرد کے ساتھ کیسی نا انصافی ہوگی اگر اسے نکاح ثانی کے بعد اپنی منکوحہ اور مطلقہ دونوں کا خرچ برداشت کرنا پڑے۔ اگر وہ دہرا خرچ نہ برداشت کر سکے تو بجائے نکاح ثانی کے کسی عورت سے ناجائز تعلق پیدا کر کے رجم کا سزاوار ہو جائے۔

(ہ) مذکورہ صورت میں اس مرد کی دوسری بیوی یعنی موجودہ منکوحہ کے حقوق بالراست متاثر ہوتے ہیں۔ کیا یہ دوسری عورت کے ساتھ نا انصافی نہیں۔ واضح رہے کہ طلاق کے اسباب کی اگر چھان بین کی جائے تو مرد ہی ہمیشہ لازماً قصوروار نہیں ٹھہرے گا۔ پھر آخر اسے اور اس کی دوسری بیوی کو کس جرم کی سزا دی جائے گی۔

(و) اگر مطلقہ کو قانوناً بعد عدت نفقہ دلایا جائے تو اس سے ان تمام لوگوں کے حقوق

مجروح ہوں گے جن کی کفالت ازروئے شرع مرد کے اوپر واجب ہے۔ جس میں زوجین کی مشترک اولاد کے علاوہ اس مرد کی کوئی عزیزہ مطلقہ بھی ہو سکتی ہے۔ جسے اپنے سابق شوہر سے اس لیے نفقہ نہیں مل رہا ہے کہ وہ سپریم کورٹ تک جانے کی حیثیت نہیں رکھتی ——

اور اگر مطلقہ کو ترکہ میں سے حصہ دلایا گیا تو اس سے وراثت کے تمام احکام مجروح و متاثر ہوں گے۔

(ز) ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے کہ مزاجی ناموافقت۔ بیوی کی زبان درازی یا کوئی اخلاقی عیب مثلاً نظربازی وغیرہ کی وجہ سے شادی کے فوراً بعد یا سال دو سال کے بعد اسے طلاق ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں یہ نفقۂ مطلقہ "تعزیر طلاق" کے بجائے "تعزیر نکاح" نہیں شمار ہوگی۔ ۹ واضح رہے کہ حرامکاری وہ عیب ہے جس کے سبب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی علیحدگی کی اجازت دی ہے۔

(ح) اللہ تعالیٰ انسانی مزاج کی کمزوریوں سے واقف ہے جس طرح جہیز کی لالچ میں ہندوستان میں معصوم نوشادی شدہ عورتوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ اسی طرح مغربی سوسائٹی میں ان کے بارے سبکدوش ہونے کے لیے عورتوں کا قتل ایک معمول بن چکا ہے۔ اللہ کا کتنا بڑا فضل ہے کہ اسلامی معاشرہ اس لعنت قتل سے دونوں تعلقات سے پاک ہے کیا ہمارے "مصلحین" چاہتے ہیں کہ اب بجائے طلاق دینے کے ان میں قتل کرنے کی وبا پھیل جائے۔

یا طلاق یا ختم ہونے کے بعد بھی اسے نفقہ دینے کی وجہ سے جن افراد کا مالی نقصان ہو رہا ہے وہ اسے قتل کرنے کے درپے ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابغض المباحات قرار دینے کے باوجود طلاق کی اجازت جو عطا فرمائی ہے تو اس میں بھی یہی مصلحت کارفرما ہے۔

(ط) قانون کی کتابوں میں مسلمانوں کی شادی کو عمرانی معاہدہ (Social contract) کہا گیا ہے (طیب جی مسلم لا صفحہ ۴۸ و ۵۰ :- طاہر محمود مسلم لاء ان انڈیا صفحہ ۳۴ ملا۔ محمڈن لاء از ایم ہدایت اللہ و ارشد ہدایت اللہ صفحہ ۸۲) جو کچھ شرائط کے ساتھ تکمیل پاتا ہے۔ اور طرفین کو اس معاہدہ کو فسخ کرنے کا طلاق یا خلع کی صورت

میں اختیار ہوتا ہے (۲) میں قانون معاہدت ( [illegible] of Contract ) فریق ثانی کے کسی دوسرے اور معاہدہ کی تکمیل تک فریق اول کے اوپر تاوان معاہدہ عائد کیا گیا ہو، اگر کوئی قانون داں ( [illegible] ) ہمیں اس سے مطلع فرمائیں تو عنایت ہوگی۔

(ی) قانون اور اخلاق کے دائرے ہمیشہ الگ الگ ہوا کرتے ہیں۔ ہمیں بہت سے معاملات میں بعض گروہوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے لیکن عدالتیں ان کے حق میں فیصلے اس لیے نہیں دیا کرتیں کہ قانون اس کی تائید و حمایت نہیں کرتا کسی اخلاقی فضیلت کو قانون کے ذریعہ مؤکد نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام میں یتیموں کے حقوق کے بارے میں سخت تاکید ہے (النساء ۳۰) لیکن ان کے ساتھ سلوک کو مؤکد کرنے کے لیے یتیم لڑکیوں (یا ان کی ماؤں کے ساتھ) نکاح کی ترغیب دی گئی ہے جہاں تک کہ اسی سلسلہ میں چار تک شادیاں کرنے کی اجازت دی گئی ہے پڑوسیوں کا اسلام نے اتنا حق رکھا ہے کہ رسول اللہؐ کو گمان ہوا کہ انھیں ورثہ میں شریک کر دیا جائے گا۔ (بخاری مسلم ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ اور مسند احمد بن حنبل) لیکن قانوناً ایسا نہیں کیا گیا۔ یتیم پوتے کے لیے وصیت کی شکل میں گنجائش موجود ہے لیکن یتیمی۔ قرابت اور صلہ رحمی کی سہ گونہ اخلاقی قیود کے باوجود ان کے لیے کوئی قانون نہیں بنایا گیا۔ کیونکہ قانوناً وراثت اولاد کو منتقل ہوتی ہے۔ اگر اس کا دائرہ پوتوں تک وسیع کر دیا جائے تو اس سے بڑی قانونی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔

کیا کوئی قانون داں مائج الوقت قوانین میں کسی ایسی دفعہ کی نشاندہی کر سکتا ہے جو اخلاقی فضیلت کی بنیاد پر وضع کیا گیا ہو۔ جب ایسا نہیں ہے اور ہرگز ایسا نہیں ہے تو صرف مطلقہ ہی کے بارے میں اس کے سابق شوہر کو کیوں پابند کیا جائے ہے

واقعہ یہ ہے کہ مسلم پرسنل لاء یا اپنی شریعت کے ساتھ قلبی لگاؤ میں جس جذباتیت

کا علم مسلم عوام کو دیا جا رہا ہے۔ ان سے زیادہ جذباتیت کا دخل اس غیر معقول استدلال اور قانون سازی میں ہے جو نفقۂ مطلقہ کے نام سے بالجبر مسلم عوام پر مسلط کیا جا رہا ہے۔

ان تمام معلوم اسباب (اور ان نامعلوم اسباب جن تک ہمارے ذہن وفکر کی رسائی نہیں ہو سکی ہے) کے ہوتے ہوئے اور اسلامی معاشرہ کے مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص (خیر خواہی کی نیت ہی سے سہی) اسلامی قانون کو تبدیل کرنے کی بات کہتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اسے اسلام کا نظام شریعت ہی ناپسند ہے تو اگر وہ مسلمان ہے تو اسے اپنے اسلام پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ کیونکہ اسلام کا مطالبہ ہے۔ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً۔ (البقرہ - ۲۰۸) یعنی پورے پورے مسلمان بنو یہ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔ (البقرہ - ۸۵) کہ کتاب الٰہی کے کچھ حصوں پر ایمان لایا جائے اور کچھ سے انکار کیا جائے "یہودیوں کی خصلت" ہے۔

۸۔ الٹی منطق (الف) ماہرین قانون کی خدمت میں عرض ہے کہ کسی اسلامی مسئلہ میں رائے دینے سے قبل اسلامی قانون کا مزاج سمجھ لیا کریں۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک پورا نظام قانون ان کی نظر میں نہ ہو۔ اس سلسلہ میں ارتقاء قانون اسلامی کی چودہ سو سالہ تاریخ کو نظر انداز کرنا سب سے بڑی جہالت ہے

(ب) غیر مسلم مصلحین سے درخواست ہے کہ قاضی جی پہلے اپنے گھر کو دیکھ لیں شہر کے اندیشے میں دُبلا ہونے کی انھیں فرصت کبھی نہ ملے گی۔ مسلم معاشرہ با وجود اپنی تمام تر کمزوریوں کے الحمد للہ ابھی تک ان بہت سی خرابیوں سے محفوظ ہے جن میں ان کا معاشرہ گلے گلے ڈوبا ہوا ہے۔ یہ جہیز کی اموات، دیو داسیاں، ستی، انسانی قربانی، ناشترک رسمیں (در معاشرہ" کو پروان چڑھانے کے لیے (کثرت ازدواج کی ممانعت اور طلاق کی مشکل کے سبب سے) بیویوں کا قتل ایسے "حقائق" ہیں جنھیں چھوڑ کر اسلامی معاشرہ کے "سرایہ"

کے پیچھے ہندوستان کی سب سے بڑی حماقت اور جہالت ہے۔ دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھنے سے قبل کم از کم اپنی آنکھ کا شہتیر تو نکال لینا چاہیے۔

(ج) ہم حیران ہیں کہ معدودے چند مطلقہ مسلم عورتوں پر "مبینہ مظالم" کے متعلق ارباب دانش، ارباب قلم اور صحافی ایک "رزمگاہ" سجائے ہوئے ہیں۔ لیکن ان ہزاروں بیواؤں اور اُن کے یتیم بچّوں کا کوئی درد اُن کے دل میں آج تک کیوں نہیں پیدا ہوا جو فرقہ وارانہ فسادات میں اکثریت کے ہاتھوں اور پولیس کی گولیوں کی وجہ سے اس حالتِ زار کو پہنچے ہیں۔ اگر اُن کے دل میں واقعتاً انسانیت کا کچھ احترام ہوتا اور مظلوموں کی ہمدردی کی کوئی فکر ہوتی تو سب سے پہلے اُن یتیموں اور بیواؤں کی خبر لینی چاہیے تھی۔ اور حکومت کو مجبور کرنا چاہیے تھا کہ بیواؤں کے لیے تامین حیات یا نکاحِ ثانی معقول وظیفہ اور یتیم بچوں کی کفالت اور شادی اور یتیم لڑکوں کی کفالت اور روزگار کا انتظام کرے۔ احمد آباد گجرات اور پورے ہندوستان کو جانے دیجیے۔ شہر بھیونڈی کے صرف انصاری باغ میں جس قدر بیوائیں اور یتیم بچے ہیں ان کی تعداد پورے ہندوستان کی ان نام نہاد "مبینہ اسلامی قانون" کی ستائی ہوئی عورتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ آخر ان کے لیے اُن حضرات نے کیا کیا ہے؟ ان کی فکرِ معکوس کا تو یہ حال ہے کہ جہاں انسانیت چیختی ہے وہاں یہ راگ الاپتے ہیں کہ سب کچھ بہتر ہے۔

(د) یک زوجگی (monogamy) کی وکالت کرنے والے اور اسلامی قانون کی کثرت ازدواج (Polygamy) پر واویلا کرنے والے ذرا اپنے معاشرے میں تکثیرِ اناث (Surplus women) کا بھی جائزہ لیں۔ اور اس سیل رواں کے آگے ابھی سے بند باندھنا شروع کر دیں۔ عائلی زندگی میں قوانین کی سختی کی وجہ سے وہ جن امراض میں گرفتار ہو گئے ہیں ان کی بھی تشخیص فرمالیں۔ ان سب کا علاج انھیں اسلامی طریقِ ازدواج میں مل جائے گا۔ انشاء اللہ۔

۹۔ <u>مغربی معاشرہ بنام اسلامی معاشرہ</u> | (۱) دراصل مغربی معاشرہ میں جس کی صد فی صد نقالی کی کوششیں ہندوستان میں ہو رہی ہیں۔ اور اسلامی معاشرہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے جس کی وجہ سے اسلامی نظام معاشرت کو نہ سمجھنے والے اس پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ مغرب میں جائداد اور خطابات وغیرہ صرف بڑی اولاد نرینہ کا حق ہیں۔ باقی تمام اولاد اور لڑکیاں کسب کے قابل ہوتے ہی معاشی استقلال کے چکر میں گرفتار ہو جاتی ہیں۔ شادی میں وہاں والدین کی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اسی لیے وہاں ترکہ کا جامع تصور ہونے کے بجائے وصیت (will) ضروری ہوا کرتی ہے۔ وصیت کی غیر موجودگی ہی میں وہاں عدالتیں الاقرب فالاقرب کی بناء پر فیصلے کیا کرتی ہیں۔ جب کہ اسلام میں بچوں کی پرورش اور ان کی شادی کا پورا بار والدین یا ولی (قریبی رشتہ داروں) پر ہوا کرتا ہے۔

(ب) مسیحی قانون (Christian Ecclesiastical law) میں سوائے زنا کے علیحدگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ (متی۔ باب ۵-۳۱-۳۲۔ باب ۱۹-۳ تا ۹ مرقس باب ۱۰، ۲ تا ۱۲۔ لوقا باب ۱۶-۱۸) (اور کیتھولک چرچ اس پر عامل بھی ہے) یہودیوں کے یہاں اگرچہ کتاب استثنا باب ۲۴، ۱ تا ۴ میں طلاق کی اجازت دی گئی ہے لیکن جیسا کہ H.S.Q. Henriques نے اپنے monograph میں تصریح کی ہے کہ یہودیوں نے بہت سے معاملات میں ملکی قانون سے ہم آہنگ ہونے کے لیے اپنے بہت سے مذہبی قوانین پر عمل ترک کر دیا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ جلد ۸ صفحہ ۴۶۱ مطبوعہ نیویارک ۱۹۶۷ء) یہ اپنے تمام معاملات زندگی میں (باستثناء چند) ملکی قوانین کی پیروی کرنے لگے تھے۔

اس لیے ذہنی پس منظر میں جب عائلی ضروریات کے تحت انتہائی ناقص قسم کا (اسلامی قانون کے برعکس) قانونی علیحدگی (judicial seperation)

کا قانون نافذ کیا گیا تو مرد کی جائداد سے مطلقہ کو گذارہ بھی دلوایا گیا۔

(ج) قرونِ وسطیٰ کی پوری مسیحیت نے عورتوں کو جس قعر مذلت میں ڈال رکھا تھا اس کے جواب میں انقلاب فرانس کے بعد ہی سے مساوات مرد و زن کی تحریک چل پڑی یہاں تک کہ اس تحریک نے مرد و زن کے حیاتیاتی فرق (Anatomical & physiological differences) تک کو نظر انداز کر دیا۔ جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا۔ جلد بستم صفحہ ۴۲۶ مطبوعہ یو۔ ایس۔ اے ۱۹۶۵ء میں مل جائے گا) اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک مساوات، (Equality of sexes) استحصال زن (Exploitation of women) پر منتج ہو گئی۔

(د) ویدک دھرم میں بھی رشتۂ نکاح ناقابل انقطاع تھا (انسائکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۸ صفحہ ۴۵۳ نیو یارک ۱۹۶۷ء) اسی وجہ سے یہاں مرنے کے بعد عورتیں ستی ہو جایا کرتی تھیں ۔ انیسویں صدی میں راجہ رام موہن رائے کی کوششوں سے اس رسم کی بیخ کنی کے لیے قانون بنایا گیا تو دوسرے مسائل پیدا ہونے لگے بیسویں صدی کے نصف تک پہنچتے پہنچتے ہندوستان میں مغربی تہذیب نے گھر کر لیا اور آزادی کے بعد ہر چیز مغربی عینک سے دیکھی جانے لگی نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں مغربی تہذیب اپنی تمام تر ہولناکیوں سمیت مستولی ہو گئی اور اس سے جو مسائل پیدا ہوئے ان کے ازالہ کے لیے وہی ترکیبیں اختیار کی جانے لگیں جو مغرب میں اختیار کی گئیں (تفصیل کا موقع نہیں ہے)

(ہ) مسلمان ایک غالب تہذیب کے امین ہونے کے باوجود انیسویں صدی کے اختتام تک روئے زمین پر ہر جگہ مغلوب ہو چکے تھے اس لیے ان کے اندر بھی افکار و اعمال کی بیماریوں نے جڑ پکڑ لی۔ لیکن مزید ستم ظریفی یہ ہوئی کہ آب حیات اپنے پاس موجود ہونے کے باوجود انھوں نے بھی مغربی فسطائیوں سے اپنا علاج کرانا شروع کر دیا جو اپنی غلط اور ناقص تشخیص و تجویز کی وجہ سے ایک عالم کو نہ صرف بیمار بلکہ قریب المرگ کر چکے تھے ہندوستان

بعد بہت سی رواجی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے، جن میں اکثریت مبتلا تھی لیکن چونکہ ان کے اندر ابھی اپنے مسلمان ہونے کا احساس باقی تھا۔ اس لیے اگرچہ ایک ایک کر کے وہ اپنے عناصر تشخص (Elements of identity) سے محروم ہوتے چلے جا رہے تھے لیکن ان میں اپنے مذہب اور شریعت کی طرف پلٹنے کی تڑپ باقی تھی۔ یہی سبب ہے کہ انھیں جب بھی اللہ کے نام پر بلایا جاتا ہے ان کی زبان سے فوراً لبیک کی صدا آتی ہے۔

<u>۱۰۔ مطلقہ کیا کرے۔؟</u> مغربی معاشرہ بنام اسلامی معاشرہ کی یہ ہے وہ کشمکش جس کے درمیان یہ سوال پیش کیا گیا ہے کہ اگر مطلقہ کو تا نکاح ثانی نفقہ نہ دلوایا گیا تو وہ کیا کرے گی؟ یہ سوال لوگوں کے ذہنوں کو اس لیے پریشان کیے ہوئے ہے کہ معاشرہ کے عناصر کا مزاج ترکیبی ہی بدل گیا ہے۔ غیر اسلامی سوسائٹی میں اسلامی احکام فٹ کرنا گول خانے میں چوکور چیز کا فٹ کرنا ہے۔ یہ عدم توازن مغربی معاشرہ کی نقالی سے پیدا ہوا ہے جسے حالات نے اور کچھ ہماری عدالتوں کی ہمدردانہ دلچسپی نے اس موڑ تک پہنچا دیا ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ دوسرے معاشروں کے برخلاف اسلامی معاشرہ میں حقوق و واجبات ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ <u>دراصل مطلقہ کا مستقبل صحت مند اسلامی معاشرہ میں کبھی بھی دائمی فکر کا مستحق نہیں رہا</u>۔ اور غریب خاندانوں میں آج بھی یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اسے "مسئلہ" تو بنایا ہی ان خوش باش "عورتوں" نے ہے جو سپریم کورٹ تک جانے کا "شاہی خرچ" برداشت کر سکتی ہیں۔ یا پھر ان کے اوپر کسی "ایجنسی" کا "دست شفقت" ہے، جو انھیں یہاں تک پہنچا دیتا ہے۔ اور اس کا مقصد حب علی نہیں بلکہ بغض معاویہ کے مثل شریعت اسلامیہ کے ساتھ "بغض" کا اظہار ہے۔

اس تمہید کے بعد ان اسباب کی نشاندہی کی جاتی ہے جن کی وجہ سے "نفقہ مطلقہ"

اسلامی شریعت یا اسلامی معاشرہ میں کبھی کوئی مسئلہ نمودار ہوتا ہے تو بھی اس کا حل اسی کی طرف رجوع کرنے میں ہے۔

(ا) دراصل اسلام میں تعدد ازدواج (خواہ مطلقہ کی ہو یا بیوگان کی) کوئی معیوب بات ہی نہیں۔ اور ہمدردی کے نقطۂ نظر سے خصوصیت کے ساتھ بشرط عدل شریعت نے چار تک شادیاں کرنے کی اجازت دے رکھی ہے جیسا کہ سورۂ نور کی آیت نمبر ۳۲ اور سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳ میں گذر چکا۔ مطلقہ یا بیوگان کے مسئلہ سے قطع نظر اگر ہم مسلمانوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کی شرح پیدائش کے تناسب کا مطالعہ کریں تو یہ خوفناک حقیقت معاشرہ میں افراط زن یا تکثیر اناث (Surplus women) کی شکل اختیار کرنے والی ہے۔ آخر اس مسئلہ کا حل بھی سوائے کثرت ازدواج کے اور کیا ہوگا۔؟

(ب) اسلام نے عورتوں کو جائداد اور مال رکھنے اور کمانے کی آزادی دے رکھی ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (النساء-۳۲) جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے لیکن ان کا نفقہ شوہروں پر فرض ہے۔ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ (النساء-۳۴) مرد عورتوں پر قوام ہیں اس بناء پر کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اور اس بناء پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اس طرح مسلم عورت مغربی عورت کے مقابلہ میں دوہرے فائدے میں ہے۔ پھر اسے مہر کی صورت میں شوہر سے رقم ملتی ہے۔ دوسرے مذاہب کی عورتوں کے برخلاف مسلم عورت کو بحیثیت بیٹی کے باپ اور ماں سے بحیثیت ماں یا دادی یا نانی کے بیٹے، بیٹی یا پوتے، پوتی یا نواسے، نواسی (حسب حالات) بحیثیت بیوی کے شوہر سے اور بحیثیت کلالہ کے بھائی یا بہن سے، بحیثیت خالہ کے بھانجے سے اور بحیثیت پھوپی کے بھتیجے سے بھی (ذوی الارحام ہونے کی وجہ سے) وراثت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ وصیت کی صورت میں

انھیں کچھ نہ کچھ مل سکتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اسلامی نظامِ وراثت رائج کیا جائے نہ کہ ایک غلطی کے لیے دوسری بہت سی غلطیوں کا ارتکاب کیا جائے۔ جہیز کی رسم بد نے بھی لڑکیوں کو محروم الارث قرار دینے میں زبردست حصہ لیا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس رسم بد کی مکمل طور سے بیخ کنی کر دی جائے۔)

(ج) جن لوگوں سے عورتوں کو وراثت ملتی ہے۔ وہی اس کے قریب ترین عزیز ہیں، پھوپھی چچا۔ ماموں۔ بھتیجے اور بھانجے بھی اس کے نزدیک رشتہ دار ہیں۔ جن لوگوں کو اس کی ولایت حاصل ہوتی ہے وہ قریب ترین اعزہ شمار ہوتے ہیں۔ یہی سب ایک دوسرے کے حسب قاعدہ میراث وراثت بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے شرعی طور سے یہی اس کے زیادہ مکلف ہیں کہ عورت کی کفالت کریں۔ آخر شادی سے قبل بھی تو یہی اس کے کفیل تھے۔



کیا طلاق کے بعد پرانے رشتے ختم ہوجاتے ہیں۔؟

(د) کھانے پینے کے بارے میں ایک رہنما ہدایت

سورۂ نور کی آیت نمبر ۶۱ میں موجود ہے: لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَن تَأْكُلُوا مِن بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُم مَّفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا کوئی حرج نہیں اگر کوئی اندھا یا لنگڑا یا مریض (کسی کے گھر کھالے) اور نہ تمہارے اوپر اس میں مضائقہ ہے کہ اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماں نانی کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اُن کے گھروں سے جن کی کنجیاں تمہاری سپردگی میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔

اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم لوگ مل کر کھاؤ

(د) عَنْ سُرَاقَةَ ابنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ اِبْنَتُكَ مَرْدُوْدَةٌ اِلَيْكَ لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ (ابن ماجه)

سراقہ بن مالک کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں نہ بتاؤں تم کو بہترین صدقہ کیا ہے؟ اس بیٹی کی کفالت عظیم ترین صدقہ ہے جو تیرے پاس لوٹا دی گئی ہے اور تیرے سوا کوئی اس کے لئے کمانے والا نہیں ہے۔

یہ حدیث صاف طور سے باپ کو مطلقہ بیٹی کے نفقہ کا ذمہ دار قرار دے رہی ہے لیکن اگر باپ زندہ نہیں ہے یا کمانے کی ذمہ داری اس کے بیٹے کے اوپر آگئی ہے تو یہی حکم بیٹے کی طرف پلٹ آئے گا جیسا کہ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ (النساء ۔ ۲۳) (دو بہنوں کا ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا حرام ہے) کے حکم میں خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو بھی شامل کر لیا گیا ہے

صدقہ کے لفظ سے کسی کو مغالطہ نہ ہو کہ یہ صرف اخلاقی فضیلت حاصل کرنے کے لئے تشویق (رغبت دلانا) ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اِذَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰى اَهْلِهٖ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ لَهٗ صَدَقَةٌ (صحیحین) جب آدمی اپنی بیوی بچوں اور (زیر کفالت لوگوں) پر (اجر آخرت کی نیت سے) خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لئے صدقہ (یعنی اجر و انعام کا کام) بنتا ہے، اور سورۂ نساء کی آیت ۳۴ (جو اوپر نقل ہو چکی ہے) کی رو سے بیوی کی کفالت شوہر کے اوپر فرض ہے، یہاں تک کہ مرد کی قوامیت کے دو اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

اس طرح اگر کسی نو عمر لڑکی کی طلاق ہو چکی ہو یا شادی ہی نہ ہوئی ہو یا نہ ہو رہی ہو تو اس کا نفقہ اس کے باپ یا بھائی یا ولی کے اوپر فرض ہوتا ہے۔

(و) اگر مطلقہ ضعیف العمر ہے تو ظاہر کہ اس کے جوان بیٹے بھی ہوں گے ایسی صورت میں ان بیٹوں کے اوپر ماں کی کفالت فرض ہے کیونکہ علیحدگی کے بعد مرد سے مصاہرت کا تعلق

باقی نہیں رہا بلکہ اولاد کے نسبی تعلق نا قابل انقطاع ہے۔ اولاد کے اوپر والدین کا جو عظیم حق ہے اسے اللہ نے یوں بیان فرمایا ہے "وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا۔ اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما۔ واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربیٰنی صغیرا۔ ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صالحین فانہ کان للاوابین غفورا" (بنی اسرائیل ۲۳ تا ۲۵) تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اس کی، والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انھیں اف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی ورحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ "پروردگار ان پر رحم فرما، جس طرح انھوں نے رحمت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے اگر تم صالح بن کر رہو تو وہ ایسے لوگوں کیلئے درگذر کرنے والا ہے جو اپنے قصور پر متنبہ ہو کر بندگی کے رویئے کی طرف پلٹ آئیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ "ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا، حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین (الاحقاف ۱۵) ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے۔ اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا، اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہونچ گیا اور چالیس سال کا ہو گیا تو اس نے کہا

اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں اور ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میری اولاد کو بھی نیک بنا کر مجھے سکھ دے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور تابع فرمان (مسلم) بندوں میں سے ہوں۔

غور فرمایئے کہ یہ ساری خدمات (خصوصاً ضعیفی میں خدمت وغیرہ) کیا انھیں خالی پیٹ رکھ کر کی جائیں گی، یہ بھی غور فرمایئے کہ آیت نمبر ۲ میں صاف صاف ماں کا حق زیادہ بتایا جا رہا ہے۔ حدیث میں ہے کہ "والدین تمہاری جنت اور جہنم ہیں (ابن ماجہ) جنت ماں کے قدموں تلے ہے (مسند احمد) والدین کے حقوق کی احادیث بے شمار ہیں جن کا احاطہ کرنا یہاں ممکن نہیں ہے۔

(۱۰) اسلامی نظام حکومت میں کسی بھی معذور کی آخری ذمہ داری حکومت کی ہوتی ہے ہندوستان میں جہاں یہ نظام اس وقت نہ قائم ہے نہ مستقبل قریب میں بظاہر اسکے قائم ہونے کی امید ہے تمام مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ کم از کم زکوٰۃ اور بیت المال کا اجتماعی شرعی نظام قائم کریں، معذوروں کی کفالت کے علاوہ یہ بیت المال مسلمانوں کی اور بہت سی اجتماعی ضروریات کا کفیل ہو سکتا ہے۔

**۱۱۔ شاہ بانو** | شاہ بانو کا کیس بالکل صاف ہے ان کے نفقہ کی ذمہ داری کلی طور پر ان کے جوان اور خود کفیل بیٹے کے اوپر ہے۔ اور انھیں کے ساتھ وہ رہ بھی رہی ہیں انھوں نے مسلم ستیہ شودھک منڈل کے جلسۂ خیر مقدم میں صاف فرمایا ہے کہ یہ کیس وہ صرف اس لیے لڑ رہی ہیں کہ عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہو (یعنی مسلم پرسنل لا ختم ہو) ورنہ انھیں نفقہ کے سلسلہ میں کوئی پریشانی نہیں تھی اور ان کے برخوردار سعادت اطوار نے اس پر صاد کیا ہے (ملاحظہ ہو رپورٹ مسلم ستیہ شودھک منڈل پونا انڈین ایکسپریس بمبئی ۲۰ جولائی ۱۹۸۵ء) پس اب کیا فرماتے ہیں اس بیچاری نفیسہ مطلقہ کے [illegible]

صرف یہ بہیودہ معیار چھوڑ دیا گیا ہے وہ لوگ بزانعم خویش ہمدردی میں دین و شریعت کی ساری حدیں عبور کر گئے تھے۔

۱۲ — محترم جج صاحبان متوجہ ہوں:۔ مغالطات کا پردہ چاک کرنے اور شکوک و شبہات کی دیوار ڈھا دینے کے بعد اب وقت آگیا ہے کہ نفس فیصلہ کے بارے میں عدالت کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے معزز جج صاحبان سے براہ راست خطاب کیا جائے۔

(ڈ) معزز جج صاحبان کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے پہلے ہی سے یہ یقین فرمایا ہے کہ اسلام نے عورتوں کا درجہ گھٹا دیا ہے پھر اس سے یہ تاثر قبول کیا ہے کہ اسلامی قانون میں عورتوں کو انصاف نہیں مل سکتا، مزید یہ کہ اصلاحِ حال اور عورتوں کو فائدہ پہونچانے کے خیال سے اگر اسلامی قانون کی کوئی "فائدہ بخش" تعبیر ہو سکتی ہو تو یہ اسلام اور موجودہ حالات کے درمیان مفاہمت ہوگی۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے رد و قبول کا ایک "ذاتی" معیار پیدا کر کے پورے کیس کو قابلِ اعتراض مواد سے پر کر دیا ہے بقول شاعر ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج  تا ثریا می رود دیوار کج

(ا) اس سلسلہ میں معزز جج صاحبان نے "منو" کا ایک مقولہ نقل کرنے کے بعد ایڈورڈ ولیم لین کی یہ رائے نقل کی ہے کہ اسلام کا مہلک ترین پوائنٹ عورت کے درجہ کو گھٹا دینا ہے (پیراگراف اوّل) ہم نے ابتک قرآن و حدیث اور تاریخ کے حوالوں سے جس قدر گفتگو کی ہے وہی یہ ثابت کرنے کے لئے بالکل کافی ہے کہ عورت (یعنی صنف نازک) کو مردوں کے استحصال سے بچانے اور معاشرہ کو اس کی "نسوانی صلاحیتوں" سے مستفید کرنے کے لئے اسلام نے جو قوانین دیئے ہیں نہ اب تک کے ارتقائی قانون کی تاریخ میں اس کی مثال ملتی ہے نہ ہی ابھی تک اس سے بہتر قانون کا تصور کیا جا سکتا ہے مردوں اور عورتوں کے درمیان جیا تیاتی فرق جس کی تفصیل کی طرف پیراگراف ۹ (ج) میں

افشار کیا جا چکا ہے، کو ذہن میں رکھتے ہوئے بتلایئے کہ کیا مغربی قانون اور معاشرہ نے عورت کو واقعی انصاف دیا ہے جس کے لیے ہم قدم قدم پر انہی کی نقالی کرتے ہیں جو صرف قانون کا ابتدائی یا دورِ وحشت ( Time age ) کے قوانین معاشرت سے مقابلہ کر کے اسلام کی VALUE گھٹانا نہیں چاہیے۔ ہمارا تو چیلنج ہے کہ مغربی دنیا ایڈورڈ لین اور ہمارے معزز جج صاحبان ایک سیمینار کے اسٹیج سے موجودہ اور مستقبل میں متوقعہ قوانین معاشرت کی اسلامی قوانین پر برتری ثابت کریں، ابھی تو یہ مصلحین مقننین اور آئین ساز ان بہت سے نکات تک پہونچ بھی نہیں پائے ہیں جن کے بارے میں اسلام رہنمائی کرتا ہے، ہماری درخواست ہے کہ اور چیزوں کے ساتھ ہمارے محترم جج صاحبان کم از کم اسلام کے نظامِ وراثت ہی کا مطالعہ فرمائیں، تو انہیں حیرت ہوگی، قانونِ وراثت میں اسلام نے قوانین کی کن ترقی نگاہوں کو ملحوظ رکھا ہے ہماری رائے میں کسی اسلامی مسئلہ میں اسلامی نقطۂ نظر سے فیصلہ کرتے ہوئے ایک متعصب عیسائی جس کی اسلام دشمنی سے تمام پڑھا لکھا طبقہ واقف ہے کی تحریر پیش کرنے سے قبل محترم جج صاحبان کو یہ ضرور سوچنا چاہیے تھا کہ اس سے قانون اور انصاف کس حد تک مجروح ہو سکا ہے۔

(۲) محترم جج صاحبان نے دوسری زبردست ٹھوکر اسی پیراگراف اول میں کھائی ہے جب وہ غلط طور سے توقع کرتے ہیں کہ شاید پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ بات [illegible] ہوگی کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی، اس لیے اپنی عورتوں سے نرمی کا سلوک کیا کرو، شاید محترم جج صاحبان عورت کی نفسیاتی کیفیات سے واقف نہیں ہیں جو ہر ماہ اپنے مخصوص ایام میں نیز ایامِ حمل اور ایامِ رضاعت میں کس قدر ذہنی انتشار کا شکار ہو جایا کرتی ہے مردوں کو یہ بات اسلئے کہی گئی ہے کہ وہ ان حالات میں اس کی ذہنی کیفیت کا لحاظ کرتے ہوئے اسے کوئی سزا نہ

سے منع ہیں، چنانچہ اسی وجہ سے ان اوقات میں طلاق دینا بھی منع ہے (الطلاق - ۱)

ہم محترم جج صاحبان سے یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ حدیث بالکل صحیح ہے اور ان الفاظ کے ساتھ بخاری (کتاب النکاح) مسلم (کتاب الرضاع) دارمی (کتاب النکاح) اور مسند کی جلد پانچ میں صفحہ آٹھ پر موجود ہے۔ ہم حیران ہیں کہ آدمی جب کسی چیز کی مخالفت پہ آتا ہے تو اس سے کیسے معکوس استدلال مستند ہونے لگتے ہیں،

(ب) محترم جج صاحبان نے مہر کی اصطلاحی حیثیت " (Women's status) پر پیراگراف نمبر ۲۴ میں کافی جچی تلی گفتگو فرمائی ہے یہ بحث قانون کی کتابوں اور تاریخ عمرانیات کی کتب (History of sociology) میں بھی مل جاتی ہے لیکن ہم حیران ہیں کہ یہ "نفقہ مطلقہ" جو ماہ بماہ صاحب اولاد ہے قانون معاہدات (Law of Contract) کی کس اصطلاح کے تحت آتا ہے بالفاظ دیگر مہر تو وہ رقم ہے جو بطور (Respect) بیوی کو دی جاتی ہے نفقہ مطلقہ بعد عدت کیا چیز ہے جو مطلقہ کو دینے کا حکم دیا گیا ہے اسے بھی کوئی نام عطا فرما دیا جائے۔

(ج) جب ایسا فرض کر لیا گیا ہے کہ شادی ہوتے ہی عورت اپنے تمام پرانے صلبی رشتے منقطع کر لیتی ہے (بلکہ اس کی یاد دہانی کرانے پہ محترم جج صاحبان نے پیراگراف ۲۶ میں مسلم پرسنل لا بورڈ کو لتاڑا ہے۔ گویا کہ تعلقات نسب کا ایک لامحدود خلا ہے جس میں عورت "مصاہرت" کی صرف ایک نازک ڈور سے لٹکی ہوئی ہے کیا حرج تھا اگر شادی سے قبل کا بھی والدین کا خرچ اس سابق شوہر سے دلوا دیا جاتا ورنہ بصورت دیگر ہم یہ دریافت کرنے میں حق بجانب ہونگے کہ یہ خلا کب سے پیدا ہوا؟

(د) اگر طلاق دینے کے فوراً بعد یا دوران تنفیذ مقدمہ اگر شوہر کی موت ہو گئی ہوتی تو محترم جج صاحبان کیا فیصلہ دیتے ؟ یہی صورت حال اسوقت پیدا ہو سکتی ہے اگر یہی (مطلقہ) سے پہلے شوہر (سابق) کا انتقال ہو جائے پھر محترم جج صاحبان اس کیلئے

کونسی صورت تجویز فرمائیں گے؟
کیا ایسی عورت کو خرچ دلوایا جائے گا؟ گویا کہ اسلامی قانون وراثت میں بھی ترمیم ہوگی!!

(۵) محترم جج صاحبان نے ضابطہ فوجداری کی ۱۲۵ پر قانونی طور سے پیراگراف میں گفتگو فرمائی ہے لیکن یہ بات فاضل جج صاحبان کے علاوہ کسی ماہر قانون کے طالبعلم کی سمجھ میں نہیں آئی پیراگراف ۲۸ میں انھوں نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ خاص دفعہ ۱۲۷-(۳) ب کی شمولیت ( ) اسلئے عمل میں آئی کہ طلاق کے وقت مہر کا ادا کرنا بھی ضروری تھا یعنی (دفعہ ۱۲۷ (۳) ب کسی پرسنل لا، کے تحت جن واجبات کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد مہر ہے، یہ بات نہ صرف واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے بیان تحریری میں دفعہ ۱۲۷ (۳) ب کی شمولیت کی پوری تاریخ اور اس میں اپنے رول کا ذکر کیا ہے بلکہ اس ذیلی دفعہ کے الفاظ کے بھی خلاف ہے، محترم جج صاحبان نے مسٹر رام لو اس مردھا کی تقریر کا اقتباس (راجیہ سبھا ۱۸ر دسمبر ۱۹۷۳ء) پیراگراف ۲۷ میں نقل فرمایا ہے اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ حکومت اور وزرا تمام کے تمام یکساں شہری قانون بنانے کی خواہش رکھتے ہیں لیکن مسٹر مردھا نے صاف کہا ہے کہ دفعہ ۱۲۵ کی موجودگی میں (دفعہ ۱۲۷ (۳) ب سے ایک استثنیٰ پیدا کرنا دراصل قدیم اور جدید کے درمیان ایک مفاہمت ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ حکومت چونکہ یکساں سول کوڈ بنانا ہی چاہتی ہے، اس لئے دفعہ ۱۲۷ (۳) ب سے مراد مہر لے لیا جانا چاہیئے بالکل غلط ہے یہ مفاہمت قدیم اور جدید کے درمیان نہ ہوگی بلکہ قانون اور محترم جج صاحبان کے درمیان ہوگی کیونکہ "مہر" ہر حال میں واجب الادا ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں عورت اسکے لئے دفعہ ۱۲۷ (۳) ب کی موجودگی کے بغیر بھی استغاثہ دائر کر سکتی ہے۔

(۶) یہ بات کہ دفعہ ۱۲۷ (۳) ب مسلم پرسنل لا کے تحت مسلمانوں کے لئے ایک

مسئلہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے قبل عدالت عظمیٰ کے جتنے کیسز فیصل ہوئے ان سے مسلم پرسنل لا میں صریح مداخلت ہوتی ہے خود اسی کیس کی کارروائی سے ظاہر ہوتا ہے جس کا ذکر پیراگراف ۳ میں کیا گیا ہے۔ مسٹر جسٹس مرتضیٰ فضل علی اور مسٹر جسٹس اے وردا جن نے اس کیس کو ایک بڑی دستوری بنچ کے حوالے کئے جانے کے دو اسباب بتائے ہیں

(۱) ۲ ایس سی آر ۷۵/۱۹۷۹ اور ۲ ایس سی آر ۱۱۲۷/۱۹۸۰ کیسز کا فیصلہ دو اسباب سے نظرثانی کا محتاج ہے ایک تو یہ کہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۷ (۳) ب کے مبہم الفاظ میں ان شوہروں کے بارے دفعہ ۱۲۵ کے الفاظ کو ساقط کر دیتی ہیں جنہوں نے اپنی مطلقہ کو مہر اور عدت کا خرچ ادا کر دیا ہو۔

(۲) یہ فیصلے طلاق کے بنیادی تصور کے بھی خلاف ہیں اور ان سے مسلم پرسنل لا (شریعت) ایپلیکیشن ایکٹ کے سکشن ۲ کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

یہ امر واقعتاً محل تعجب ہے کہ مذکورہ دونوں ججوں کو جن کی رائے یقیناً اس کیس کے موجودہ فیصلے کے برخلاف ہوتی اس بنچ ہی میں شامل نہیں کیا گیا کیا واقعی ہمارے ان پانچوں ججوں کا جو اس بنچ میں شریک تھے یہ گمان ہے کہ سپریم کورٹ کے باقی تمام ججوں کی بھی اس کیس میں یہی رائے ہوتی؟ اگر ایسا نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ دونوں ججوں کے اختلاف رائے سے ظاہر ہے تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اس کیس کو قانون سے زیادہ "خواہش" کی بنیاد پر فیصل کیا گیا ہے۔

یہ ہیں وہ سوالات جو شاہ بانو کیس کا فیصلہ پڑھ کر ذہن میں گزرتے ہیں اور ہم متمنی ہیں کہ ملک کے صاحبان دانش ان کے جوابات ضرور ارشاد فرمائیں۔

۱۳۔ شریعت کیا ہے؟ اب ہم مسلم عوام کی خدمت میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ آج ہم تحفظ شریعت کا نعرہ لگا رہے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ شریعت ہے کہاں؟ شریعت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: شرع لکم من الدین ما وصیٰ

به نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا به ابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا
الدین ولا تتفرقوا فیه ۔ کبر علی المشرکین ما تدعوهم الیه ۔ الله یجتبی
الیه من یشاء ویهدی الیه من ینیب ( الشوریٰ - ۱۳ ) اس نے تمہارے
لئے دین کا وہی طریقہ (شریعت) مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جسے (اے محمد)
اب ہم نے تمہاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور
عیسیٰ کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ
یہی بات ان مشرکوں کو سخت ناگوار گزری ہے جس کی طرف (اے نبی) تم انہیں دعوت
دے رہے ہو، اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا
ہے جو اس کی طرف رجوع کرے ۔ اس آیت میں لفظ "شرع" استعمال ہوا ہے اس کا مطلب
یہ ہوا کہ "اقامت دین" ہی شریعت ہے اور تمام انبیاء کو یہی ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ دین
کو قائم کریں ۔ دین بھی کامل ہو چکا ہے جیسا کہ ارشاد ہے الیوم اکملت لکم دینکم
واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ( المائدہ - ۳ ) آج
میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے
اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے ۔

معلوم ہوا کہ پوری امت مسلمہ اس کی مکلف ہے کہ پورا دین قائم کرے اور یہی شریعت
ہے، شریعت ایکٹ کے نام سے جب تک ہم ایک نہایت محدود اور مختصر اسلامی زندگی
پر قانع رہنے کی کوشش کریں گے تو قدم قدم پر غیر شرعی قوانین سے ٹکراؤ ہوگا اس لئے
ضرورت اس کی ہے کہ پورے دین کو قائم کرنے کی جد وجہد کی جائے ۔

۱۴- علماء کرام کی خدمت میں | آئیے ہم اخلاص عمل کے جس مرحلہ تک پہنچ چکے
ہیں اس کی ذمہ داری سے علماء بری نہیں ہو سکتے ہم صرف علوم انبیاء کے وارث ہیں
بنی اسرائیل کے عالموں سے مشابہ ہو گئے ہیں اور دین اور دنیا کی تفریق در دار کی ...

شریعت کو دین سے الگ نہ کر دیا جاتا؟ اس حال کو نہ پہنچتے ہم جاہلیت سے مماثلت
کی خاطر شرائع اسلام کے ہر گزرتے ہوئے ستون کو خاموشی سے دیکھتے رہے اور اس پر خوش
ہوتے رہے ہمارے سامنے سورہ مائدہ کا ساتواں رکوع پورا کا پورا موجود رہا لیکن ہم
اپنے نفس کو مطمئن کرتے رہے کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ
فرمائی أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ (المائدہ ۵-۵۰) تو کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ
چاہتے ہیں لیکن ہم نے اس کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَن لَّمْ يَحْكُم
بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۔ الظَّالِمُونَ ۔ الْفَاسِقُونَ
(المائدہ ۵ - ۴۴ - ۴۵ - ۴۷) جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق
فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔ ظالم ہیں۔ فاسق ہیں۔ ہم نے یہاں فیصلہ کا مفہوم سمجھنے
اور سمجھانے میں "مصلحتِ وقت" سے کام لیا۔ ہندوستان میں قوانینِ اسلامی کا تیا پانچہ
ہوتا رہا اور ہم "دیدم دم نکشیدم" کے مصداق وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ
وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات ۵۶) کی یہی تفسیر کرتے رہے کہ انسان
کی تخلیق کا مقصد (اطاعت نہیں) صرف عبادت ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سید احمد شہیدؒ
سے لیکر علمائے صادق پور تک کی ساری قربانیاں ہمارے لئے "عہد اسلاف" کی ایک شاندار
تاریخ بن کر رہ گئیں۔ اور ہم یہی تاریخ اپنی الماریوں میں سجا کر آج "اسلاف پرستی" کی علامت کا
ناٹک کر رہے ہیں۔ اگر ہم نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کو زندہ رکھا ہوتا اور [illegible]
صدی میں جو تغیرات ہوئے ان پر قانع نہ ہو گئے ہوتے تو شاید آج اس کی نوبت نہ آتی
کہ ہم اسلامی شریعت کی اس آخری کڑی (پرسنل لاء) کو دانتوں سے پکڑے رہیں اگر چھوڑ دیں تو وہ ہوا میں
تک پہونچا دیئے جائیں۔ آج بھی جبکہ یہ بات سب کو مسلم ... فی الدین کی دعوت دیتے
بھی حاصل ہے ہم لوگوں کو خبردار کیا کرتے ہیں کہ دین کی نہیں ایسے قانون دانوں کی خدمات
اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو صاف علم اور اچھا ضمیر عطا رکھتے ہوں تاکہ وہ ہوا کے رخ کو دیکھتے رہیں

۱۵- پرسنل لا بورڈ کے کرنے کا کام | اس بات سے کسی [illegible]

شبہ نہیں کہ معاشرہ کا جو خلفشار اور جو ... اور جو بے عوت یا عدلیہ کو اسلامی پرسنل لا میں
دخل اندازی کا موقع ملتا ہے اس کا سب سے بڑا سبب مسلم معاشرہ میں پھیلی ہوئی جہالت ہے
اس لئے مسلم پرسنل لا بورڈ کا کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کے
دفاع سے حکومت کو باخبر رکھے، (یہ کام حکومت کی سی آئی ڈی بہت اچھی طرح کرتی ہے)
یا اس سے کچھ مطالبات کرتا رہے بلکہ اسے چند اور اقدامات بھی کرنے چاہئیں۔

(۱) لوگوں کو نکاح و طلاق، نفقہ، سکنیٰ اور تحکیم وغیرہ کے مسائل سے روشناس
کرایا جائے۔ تحکیم اگرچہ طلاق واقع ہونے کے لئے شرط نہیں ہے، لیکن یہ اختلافات
کا وہ علاج ہے جو اللہ نے تجویز کیا ہے۔ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا
حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ
بَيْنَهُمَا (النساء۔ ۳۵) اور اگر کہیں تم لوگوں کو میاں بیوی کے تعلقات بگڑنے
کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں
میں سے مقرر کردو۔ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت
کی صورت نکال دے گا، ہم نے اللہ کا بتایا ہوا یہ نسخۂ شفا اپنے معمولات سے خارج
کر دیا ہے۔ اس کی وجہ سے تفریق بین الزوجین کا تناسب بڑھ گیا ہے جب
مسلمان قوانین کے مسائل سے کماحقہ واقفیت ہو جائیگی، تو انشاءاللہ معاشرہ
ہے، شریعت
ہو جائیں گے،
پر قانع رہنے کی کو
ضرورت اس کی ہے کہ پرسنلا اور اختلافی مسائل میں مختلف الفکر علماء کے درمیان مذاکرات
۱۴- علماء کرام کی خدمت اپنی کی راہ اختیار کی جائے۔ تین طلاقوں کے بارے میں
علماء سے اختلاف مشہور ہے۔ چند سال پہلے مفتی
ہیں اس کی ذمہ داری سے علماء بری
بنی اسرائیل کے نبیوں سے مشابہ ہیں ہم پر احمد آباد میں ایک سیمینار منعقد ہوا تھا۔

جس کی وجہ سے علماء کے درمیان اختلاف کم ہوا تھا۔

طلاق مکرہ (جبری طلاق) کے بارے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بہت معروف ہے۔ اسی طرح طلاق غضبان اور طلاق سکران (غصہ یا نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق) امام تیمیہ علیہ الرحمۃ جیسے اہل علماء کے نزدیک واقع نہیں ہوتی۔

"متشددین فی الفقہ" سے درخواست ہے کہ وہ کم از کم مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی فکر اور جرأت پیدا کریں، جنھوں نے زوجہ مفقود الخبر کی مدت انتظار کے بارے میں عورتوں کو ارتداد سے بچانے کے لئے فقہ حنفی کو چھوڑ کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتویٰ صادر فرمایا تھا، (ملاحظہ ہو ان کی کتاب الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ) اسی پر مجنون اور عنین (نامرد) کو قیاس کیا جا سکتا ہے، اجتہاد پر ایک ثواب اور صحیح اجتہاد پر دہرے ثواب کا اجر ہمیں یہ نصیحت دیتا ہے کہ اختلافی مسائل میں سہل ترین راہ عموماً (اور فتنہ کے احتمال کی صورت میں خصوصاً) اختیار کی جانی چاہیے اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے "یُرِیدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیدُ بِکُمُ الْعُسْرَ" (البقرۃ - ۱۸۵) اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا پس اگر اختلافی مسائل میں تیسیر کی راہ اختیار کی جائے تو یہ منشائے قرآنی کے عین مطابق ہوگا۔

(ج) جگہ جگہ شرعی پنچائتیں قائم کرے جہاں ہر مرد و عورت کی جائز شکایات کا تدارک ہو، کیونکہ عدالتیں انھیں مقدمات کو فیصل کیا کرتی ہیں جو دادرسی کے لئے ان کے یہاں داخل کی جاتی ہیں اگر مسلمان ان عدالتوں میں جانا چھوڑ دیں تو وہ ہوا میں فیصلے صادر نہیں کر سکتیں۔ یہ تو دراصل ہم ہیں جو انھیں مداخلت فی الدین کی دعوت دیتے ہیں۔

(د) ایک مرکزی قانونی بورڈ تشکیل دے جس میں ایسے قانون دانوں کی خدمات حاصل کی جائیں جو دین کا بھی علم، فہم اور شعور رکھتے ہوں تاکہ وہ ہوا کے رخ کو دیکھتے رہیں

۱۵- ۱ پرسنل لا بورڈ کے کرنے کا کام | اسباب [illegible]

شبہ نہیں کہ معاشرہ کا جو فساد ہے اور جو [illegible] وجہ سے حکومت یا عدلیہ کو مسلم پرسنل [illegible]

دخل اندازی کا موقعہ ملتا ہے اس کا سبب بڑا سبب مسلم معاشرہ میں پھیلی ہوئی جہالت [illegible]

اس لئے مسلم پرسنل لا بورڈ کا کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کے [illegible]

دزاری سے حکومت کو باخبر رکھے، (یہ کام حکومت کی سی آئی ڈی بہت اچھی طرح کرتی ہے)

یا اس سے کچھ مطالبات کرتا رہے بلکہ اسے چند اور اقدامات بھی کرنے چاہئیں۔

(۱) لوگوں کو نکاح و طلاق، نفقہ، سکنیٰ اور تحکیم وغیرہ کے مسائل سے روشناس

کرایا جائے۔ تحکیم اگرچہ طلاق واقع ہونے کے لئے شرط نہیں ہے۔ لیکن کشیدہ تعلقات

کا یہ وہ علاج ہے جو اللہ نے تجویز کیا ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوا

حَکَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ

بَیْنَهُمَا (النساء: ۳۵) اور اگر کہیں تم لوگوں کو میاں بیوی کے تعلقات بگڑنے

کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں

میں سے مقرر کر دو۔ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت

کی صورت نکال دے گا، ہم نے اللہ کا بتایا ہوا یہ نسخہ شفا اپنے معمولات سے خارج

کر دیا ہے۔ اس کی وجہ سے تفریق بین الزوجین کا تناسب بڑھ گیا ہے جب

(ب) قوانین کے مسائل سے کما حقہ واقفیت ہو جائیگی تو لوگ شریعت پر قانع رہنے کی کوشش کریں گے، اور لوگ شریعت کے پابند ہو جائیں گے،

ضرورت اس کی ہے کہ (ج) اختلافی مسائل میں مختلف الفکر علماء کے درمیان مذاکرات

(د) کی راہ اختیار کی جائے۔ تین طلاقوں کے بارے میں

۱۴- علماء کرام کی ذمہ داری

ہیں اس کی ذمہ داری سے علماء [illegible] سے اختلاف مشہور ہے۔ چند سال پہلے [illegible]

بنی اسرائیل کے نبیوں سے مشابہ [illegible] احمد آباد میں ایک سیمینار منعقد ہوا تھا

جس کی وجہ سے علماء کے درمیان اختلاف نظر کم ہوا تھا۔

طلاق مکرہ (جبری طلاق) کے بارے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بہت معروف ہے۔ اسی طرح طلاق غضبان اور طلاق سکران (غصہ یا نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق) امام تیمیہ علیہ الرحمہ جیسے اہل علماء کے نزدیک واقع نہیں ہوتی۔ متفقہ دینی فی الفقہ سے درخواست ہے کہ وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی فکر اور جرأت پیدا کریں۔ جنہوں نے زوجہ مفقود الخبر کی مدت انتظار کے بارے میں عورتوں کو ارتداد سے بچانے کے لئے فقہ حنفی کو چھوڑ کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ (ملاحظہ ہو ان کی کتاب الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ) اسی پر مجنون اور عنّین (نامرد) کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اجتہاد پر ایک ثواب اور صحیح اجتہاد پر دوہرے ثواب کا اجر ہمیں یہ نصیحت دیتا ہے کہ اختلافی مسائل میں سہل ترین راہ عموماً (اور فتنہ کے احتمال کی صورت میں خصوصاً) اختیار کی جانی چاہیے اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے۔ یُرِیدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ - ۱۸۵) اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا۔ پس اگر اختلافی مسائل میں تیسیر کی راہ اختیار کی جائے تو یہ منشائے قرآنی کے عین مطابق ہوگا۔

(ج) جگہ جگہ شرعی پنچایتیں قائم کرے جہاں ہر مرد و عورت کی جائز شکایات کا تدارک ہو کیونکہ عدالتیں انھیں مقدمات کو فیصل کیا کرتی ہیں جو دادرسی کے لئے ان کے یہاں داخل کی جاتی ہیں اگر مسلمان ان عدالتوں میں جانا چھوڑ دیں تو وہ ہوا میں فیصلے صادر نہیں کر سکتیں۔ یہ تو دراصل ہم ہی ہیں جو انہیں مداخلت فی الدین کی دعوت دیتے ہیں۔

(د) ایک مرکزی قانونی بورڈ تشکیل دے جس میں ایسے قانون دانوں کی خدمات حاصل کی جائیں جو دین کا بھی علم، فہم اور شعور رکھتے ہوں تاکہ وہ ہوا کے رخ کو دیکھتے رہیں

اور ہندوستان کے تمام قانون ساز اداروں میں جو بھی حل پیش ہوں ان کا مطالعہ خود کرکے شریعت اسلامیہ کے نقطۂ نظر سے ان کے استقامات کی نشاندہی کریں گذشتہ سالوں میں پاس کئے گئے قوانین کا مطالعہ کرکے ان کے اسلامی شریعت سے متصادم دفعات کی بھی نشاندہی ضروری ہے۔

(د) ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ (۱) د قانونی طور سے بلکہ خود قابل اعتراض ہے جس پر آج تک مقننہ نے غور کیا نہ عدلیہ نے یہ دفعہ صرف ان عورتوں کو تحفظ دیتی جن کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے آخر اس سے نفع ،، سے وہ عورتیں کیوں فائدہ نہیں اٹھا سکتیں جو کسی طرح محنت و ملازمت کرکے اپنا خرچ چلاتی ہیں۔ یہ قانون کی عدم مساوات ( ) ہے جس کے تحت ہر مطلقہ کو برابر کے حقوق نہیں مل رہے ہیں دیکھئے اسلام نے عورتوں کو مال رکھنے اور کمانے کی آزادی دی ہے لیکن اس کا نفقہ شوہر کے اوپر فرض ہے۔ اس بارے میں کمانے والی یا نہ کمانے والی کے درمیان کوئی تفریق نہیں دراصل دنیا کو اس الٰہی قانون (قرآنی قانون) سے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے، ہم یہ چاہتے ہیں کہ حکومت ہند اگر ہندوستان کی تمام عورتوں کے ساتھ انصاف کرنے میں واقعی مخلص ہے تو اسے سب سے پہلے یعنی مرحلۂ اول میں اسلام کا پورا عائلی نظام اختیار کر لیا جائے اس کے بعد ہی اسے اس نظام کی برکتوں کا اندازہ ہوگا لیکن یہ نظام ان تمام غیر اسلامی استقامات سے صرف نظر کرتے ہوئے اختیار کرنا چاہئے جو موجودہ شریعت ایکٹ میں پائے جاتے ہیں۔ ورنہ

## ۱۶- مقننہ اور عدلیہ سے

(ب) مقننہ ( [illegible] ) دستور کی دفعہ ۲۵ تا ۳۰ متعلقہ بنیادی حقوق کی پابندی ہے گولک ناتھ کیس (سپریم کورٹ ۱۹۶۷ء) [illegible] گذشتہ ۱۹۶۷ء میں نے بنیادی حقوق ( [illegible] ) [illegible] ابدی فوقیت حاصل ہے دستور کی آرٹیکل [illegible]

خرابی سے پیشتر خود نہیں پیدا ہوتی رہی۔ اس سلسلے سے زنا آرڈیننس ختم کر دینا مناسب ہوگا، لیکن اگر یہ مصلحت نہیں، اس میں ما قبل تو جس طرح آرٹیکل ۲۵(۲)(۱) سے سکھوں کا کرپان رکھنا مستثنیٰ کر دیا گیا ہے اسی طرح آرٹیکل ۲۴۴ کے تحت سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کر دینا چاہیئے۔ پھر جیسی اگر زوجین کے تعلق سے کوئی دشواری محسوس کی جا رہی ہو تو جو فریق اسلامی قانون کی بے حرمتی کا مرتکب ہو اس پر جرمانہ کرنے کا قانون بنایا جا سکتا ہے۔ جس کی رقم بطور ہرجانہ فریق ثانی کو دی جانی چاہیئے جیسے کوئی مرد اگر اپنی بیوی کو غیر مشروط طلاق دے تو طلاق تو واقع ہو جائے گی لیکن اس طریقہ غیر مشروع کو سزا کے طور پر شوہر سے جو رقم وصول کی جائے اسے عدالتی خزانہ میں محسوب کرنے کے بجائے مطلقہ کو دیا جائے۔ مزید یہ کہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۷(۲) ب کو دفعہ ۴۸۸ کے ساتھ ختم کر دیا جائے یا دفعہ ۱۲۵(ب) کی تشریح میں بیوی کی تعریف سے مطلقہ کو خارج کر دیا جائے۔

(۲) عدالتوں کا کام یہ ہے کہ جذبات سے مبرا ہو کر قانون کا انطباق کیا کریں اور یہ بتلا کر چھوڑ دیں کہ وہ تمام قوانین بشمول قرآنی قوانین کی کامل تعبیر کا حق رکھتی ہیں، کالعدم بنانا بھی ان کے فرائض میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ ما فوق قوانین کو نافذ کرنے کا اختیار نہ رکھتی ہیں، مسلم مسائل کے تعلق سے ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ کسی شرعی پنچایت نے اگر کوئی فیصلہ کر دیا ہو اور قوت نافذہ نہ ہونے کی وجہ سے نافذ کرنے سے وہ معذور ہوں تو اس فیصلہ کو قانونی حیثیت دیں تاکہ اس کا نفاذ ہو جائے جیسا کہ عام پنچایتی فیصلوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ نیز کسی نافذ شدہ فیصلہ میں دخل اندازی نہ کریں جیسا کہ امارت شرعیہ بہار کے فیصلوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ اگر ایسا کیا گیا تو ان عدالتوں پر مسلمانوں کا اعتماد بحال ہو سکتا ہے۔ وکلمۃ اللہ ھی العلیا۔

# عربی علوم وفنون

## اور جدید مغربی ادب

—— شمیم الحسن امانت اللہ

علم و ادب کا سرمایہ رکھنے والی قومیں جہاں جاتی ہیں وہاں اپنے علمی اثرات، ثقافت کے نقوش اور تہذیب و تمدن کے ایسے روشن منارے چھوڑ جاتی ہیں جن سے دنیا ہمیشہ رہنمائی حاصل کرتی رہتی ہے۔ اسی طرح عرب قوم اگر ایک طرف جرأت و شجاعت، ہمت و استقلال اور عزم و ثبات کا پیکر تھی تو دوسری طرف علوم و فنون، حکمت و معرفت اور تہذیب و تمدن کی عظیم دولت سے مالا مال بھی تھی، اس قوم نے جن جن مقامات پر فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑے وہاں علوم و فنون کے دریا بھی بہا دیئے۔ چنانچہ اپنی فتوحات کے دائرہ کو وسیع کرتے ہوئے عربوں نے جب اندلس کو فتح کیا تو اسے عربی ثقافت اور علوم و فنون کا مرکز بنا دیا۔ اور پھر یورپ نے دل کھول کر اس گہوارۂ علم سے استفادہ کیا۔ یورپ قرون وسطیٰ میں نہ صرف فلسفہ و ادب بلکہ دیگر تمام علوم و فنون میں عربوں سے بہت پیچھے تھا۔ لیکن عربوں کے انھیں ذخیروں سے استفادہ کر کے آج وہ اپنا سر فلسفہ اور ادب کے میدان میں بھی بلند کر رہا ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر اب وہ علم و فن کے میدان میں دنیا کی قیادت کا دعویدار بھی ہو گیا ہے۔ حالانکہ حقیقی مطالعہ کرنے والوں اور اصحاب علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ان کے بیشتر علوم عربوں ہی کے مرہون منت ہیں [illegible] ہو یا حکمت، فلسفہ ہو یا منطق، کیمیائی علوم ہوں یا ریاضیات کے اعلیٰ مسائل [illegible] ہو یا فن تعمیر، صنعت ہو یا تجارت، الغرض تمام علوم و فنون [illegible] ہیں۔

اہل یورپ کو قدیم یونانی فلسفہ [illegible]

عربی فلسفہ کے لاطینی زبان میں منتقل ہونے سے پہلے یورپ یونانی فلسفہ سے بالکل ناآشنا تھا۔ اسی طرح یورپ کو مختلف علوم سے متعارف کرانے میں اندلس اور صقلیہ کے علماء کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ صقلیہ نے جو عربوں کے ۱۳۰ سالہ دورِ حکومت میں علم و فضل کا گہوارہ رہ چکا ہے اپنے علوم و فنون کی بارش سے پورے یورپ کو خوب خوب سیراب کیا اور یہ اسی گلشنِ علم و ادب کی خوشبو ہے جس نے آج تک یورپ کی فضا کو معطر کر رکھا ہے۔

خود نورمانڈی بادشاہوں نے عرب علماء اور دوسرے مترجمین کی مدد سے بہت سی عربی کتابوں کا لاطینی زبانوں میں ترجمہ کروایا، چنانچہ روجر ثانی نے ۱۱۵۰ء میں مشہور جغرافیہ داں ابو عبداللہ محمد بن الادریسی کو پورے آباد علاقوں کا عربی زبان میں جغرافیہ تیار کرنے کا کام سپرد کیا تھا۔

اندلس اور صقلیہ کے علاوہ صلیبی جنگوں کے زمانے میں یورپ کو مصر، سوریا اور فلسطین نے بھی تہذیب و تمدن کے بہت سے خزانے دیئے ہیں۔

یورپ عربی حضارت اور ثقافت سے جس قدر متاثر ہوا ہے اس کا موجودہ دور میں پوری طرح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس کے کئی وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ یورپ کی تاریخ میں قرونِ وسطیٰ کا زمانہ ایام و ظلمات کی تاریکی اس طرح گھرا ہوا ہے کہ اصل حقیقت کا پتہ لگانا ہی مشکل ہو گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اندلس میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک طویل جنگ کے بعد جب اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا تو وہاں کی فضا عربوں کے خلاف نفرت و تعصب اور بغض و حسد کے زہر سے پوری طرح مسموم ہو چکی تھی، اور جس نے عربی اثرات کو نیست و نابود کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

اور تیسری وجہ جو نہایت اہم اور ناقابلِ تردید ہے وہ یہ کہ یورپ نے ہمیشہ مذہبی اختلافات کے سبب اصل [illegible] کو چھپایا ہے۔ یورپ کے تمام مورخین [illegible] [illegible] یورپ کے ادب پر گہرا

چھوڑتا ہے۔ جسے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل یا بُرہان کی ضرورت نہیں۔ خود [illegible] لاطینی زبانوں میں منتقل کیا جانا اس کا ایک بیّن ثبوت ہے اسی لئے ابوالعلاء المعری [illegible] اور ڈانٹے کے بہت سے اشعار میں کافی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے۔ ابوالعلاء [illegible] کی کتاب رسالۃ الغفران اور کومیڈیا مقدسہ میں بھی بہت سی جگہوں پر ہم خیالی پائی جاتی ہے مثال کے طور پر اطالوی شاعر۔ ڈانٹے، جہنم میں اپنے گشت کے دوران چند ایسے شعراء سے ملاقات کرتا ہے۔ جو حضرت مسیح کی ولادت سے پہلے ہی مر چکے تھے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ ابوالعلاء المعری امرؤ القیس، نابغہ اور دیگر جاہلی شعراء سے جہنم میں ملاقات کرتا ہے

اسی طرح یورپ کی شاعری میں اگر کہیں قافیہ کا استعمال نظر آتا ہے تو یہ عربی شاعری کی نقل ہے کیونکہ قدیم یورپی شاعری اور خصوصاً یونانی اور لاطینی زبانوں کی شاعری میں قافیہ بندی اور وزن کا برقرار رکھنا سرے سے ہی مفقود ہے۔ عربی شاعری کی اصناف میں نظموں، قومی ترانوں، قصوں اور گانوں نے اپنے اثرات اور بھی زیادہ چھوڑے ہیں کیونکہ اندلس کے اہلِ طرب یورپ کے شہروں میں جاتے اور موسیقی کے آلات ان کے ساتھ ہوتے جہاں جاتے محفلیں جم جاتیں اور ہر طرف ان کے گانوں کا چرچا ہو جاتا۔ ان کی موسیقی کی دھوم مچ جاتی، زبان کی شیرینی، چنگ و رباب کی دھن لوگوں کو اپنا سر دھننے پر مجبور کر دیتے۔ اسی کے نتیجے میں گیارہویں اور بارہویں صدی میں یورپ میں پیدا ہونے والے شعراء میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو اشعار کو گا کر پڑھا کرتا تھا۔ اور ان کے پڑھنے کا طریقہ عربوں کے لہجے سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ ان شعراء کو یورپ میں شعراء طروبادور کہا جاتا تھا لفظ طروبادور کے بارے میں مستشرق ریبرا کا خیال ہے کہ یہ لفظ عربی کے لفظ طرب سے مشتق ہے۔ یہ طروبادور ایسے اشعار کہتے تھے۔ جو معنی کے لحاظ سے نسیب سے متعلق ہوتے ہیں جو عربی شاعری کی اہم صنف ہے شعراء طروبادور کے اشعار اور اوزان و قوافی اندلس کے قومی ترانوں سے بہت حد تک مشابہ ہوتے تھے جو ایک عرصہ تک اسپین میں معروف رہے۔

... یورپ میں بہت سے ایسے قصے لکھے گئے جو یا تو عربی قصوں سے ماخوذ ہیں یا جن میں عشق و محبت کی داستانوں میں اہل یورپ نے عربوں کی عزم، حوصلہ، قسمیں جن کے مذہبی اور سماجی عقیدوں کا انتخاب کر کے عربی ناول نگاری سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

عربی ناول نگاری نے فرانسیسی ادب کو خاص طور سے متاثر کیا ہے۔ اس لئے کہ اس زمانے میں فرانسیسی زبان میں بہت سے ایسے قصے لکھے گئے جن میں عربی قصہ نگاری کا رنگ پوری طرح غالب تھا۔ مثال کے طور پر قصہ اوکاسین اور نکولیت کو لیجئے جہاں عربی رنگ پوری طرح واضح ہے۔ نیز اس میں ہیرو کا نام صرف تھوڑی سی تحریف کے بعد قاسم کے بجائے اوکاسین رکھ دیا گیا ہے۔

قرون وسطیٰ میں عربی زبان کے جن قصوں کا ترجمہ لاطینی زبانوں میں ہوا ان میں کلیلہ و دمنہ خاص طور سے قابل ذکر ہے، جس کی وجہ سے یہ قصے سارے یورپ میں مشہور ہو گئے اور اور حقیقت تو یہ ہے کہ کتاب کلیلہ و دمنہ نے پورے یورپ میں حیوانوں اور چڑیوں سے متعلق ادب کی بنیاد ڈالی۔

اسی طرح ۱۷۰۴ء میں جب پہلی بار الف لیلہ و لیلہ کا ترجمہ لاطینی زبانوں میں شائع ہوا تو بہت شہرت سے سارے یورپ میں پھیل گیا اور فکر و فن کے حلقے میں اس قدر مقبول ہوا کہ اس کے بعد متعدد مشرقی زبانوں سے بہت سے قصوں کے ترجمے یورپی زبانوں میں کئے گئے حتیٰ کہ یورپ کے بہت سے ادبا نے مشرقی اور عربی اسلوب کو اپنی ناولوں میں جگہ دینا شروع کر دیا، چنانچہ مستشرق (جب) نے اپنی کتاب "تراث الاسلام" میں لکھا ہے کہ "میں یہ کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا کہ اگر الف لیلہ و لیلہ نہ ہوتی تو ڈانیل ڈیفو کا شہرہ آفاق ناول "رابنسن کروسو" ہرگز وجود میں نہیں آ سکتا تھا، اور نہ ہی سوئفٹ کا سفر نامہ گلیور بھی اس قدر مقبول ہوتا۔" ......

قسط ۲

# جسٹس بشیر احمد صاحب سعید

## حیات، شخصیت اور سیرت

از: محمد یوسف کوکن، پرنسپل، جمالیہ عربی کالج مدراس ۱۴

آپ نے ۱۹۴۷ء میں سیلون کا سفر کیا، اور وہاں سے ملایا گئے پھر ۱۹۴۸ء میں برما کا سفر کیا اور ساڑھے آٹھ لاکھ روپیہ نیو کالج کے لئے جمع کیا پھر ۱۹۵۸ء میں مشرقی آفریقہ گئے اور مختلف ملکوں کا دورہ کیا اور سوڈان انڈیا ایجوکیشن ٹرسٹ اور اس کے تحت بنائے ہوئے مدراس کے کالج کے لئے بہت سا روپیہ جمع کیا، پھر ۱۹۵۹ء میں قاہرہ تشریف لے گئے اور وہاں کے وزیر تعلیم اور وزیر اوقاف اور مفتی امیر الحسینی سے ملاقات کی پھر انور السادات سے بھی ملے، اور شیخ الازہر سے بھی ملاقات کی، سفیر ہند آر، کے نہرو نے وزیر داخلہ ہند کو تار بھیجا کہ یہاں بھی روپیہ وصول کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، پھر وہ قاہرہ سے یروشلم، بیروت دمشق، بغداد، بصرہ گئے، یروشلم میں بہت سے مقدس مقامات دیکھے، عراق میں کربلا کی زیارت کی اور شیخ عبد القادر جیلانی کے مزار پر بھی حاضر ہوئے، بصرہ سے کویت بحرین اور قطر کے مختلف شیوخ سے ملاقات کی اور ہر جگہ عورتوں کی کالج کے لئے روپیہ وصول کیا، قطر میں شاہی مہمان رہے شاہ قطر نے ایک لاکھ روپیہ عنایت کیا، بیروت سے کراچی ہوتے ہوئے ۲ر فروری ۱۹۵۹ء کو مدراس پہنچے، مئی جون ۱۹۵۹ء میں فریضۂ حج ادا کیا، شاہ فیصل سے ملاقات کی اور انہیں توجہ دلائی کہ ہندوستانی عربی طلبہ کو سعودی مملکت کی یونیورسٹیوں میں مزید عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی گنجائش پیدا کی جائے شاہ فیصل نے کہا ہم ضرور اس کا انتظام کریں گے،

اسی سال کے اواخر میں انھوں نے ملیشیا کا دورہ کیا اور بہت سا روپیہ جمع کیا ۱۹۷۰ء میں ملائیشیا گئے اور مختلف انجمنوں کا دورہ کیا اور مختلف حضرات سے ملے، مونٹریال میں مشہور مستشرق پروفیسر کانٹ ویل اسمتھ سے ملے، اور اس کے منعقد کئے ہوئے مشاعرے میں شرکت کی، انھوں نے وہ نظمیں سنائیں جو انھیں یاد تھیں، انھوں نے بفلو یونیورسٹی دیکھی اور نیاگرا آبشار بھی دیکھا کارنل یونیورسٹی میں ہوم سائنس ڈیپارٹمنٹ دیکھا نیویارک میں یو۔ این۔ او اسمبلی کے ایک اجلاس میں حاضر ہوئے، مسٹر شیریں مالکوپر سابق سفیر امریکہ دہلی سے بھی ملاقات کی، واشنگٹن میں سابق سفیر امریکہ دہلی مسٹر چیسٹر بولس سے ملاقات کی،

امریکہ سے وہ لندن آئے اور ووکنگ مسجد دیکھی اور نماز پڑھی لندن یونیورسٹی کے رجسٹرار سے تعلیمی معاملات پر گفتگو کی، لندن سے پیرس اور برلن ہوتے ہوئے جنیوا آئے، فادر جیروم ڈی سوزا سابق پرنسپل لیولا کالج مدراس کے توسط سے پوپ سے ملاقات کی، وہاں سے بیروت پہونچے اور وہاں سے فروری ۱۹۷۱ء میں کراچی آئے پھر ۱۵ فروری کو بمبئی پہونچے، پھر مدراس آئے۔

مارچ ۱۲ اپریل ۱۹۷۱ء کو مارشیس گئے، اور مختلف لوگوں سے ملے، انھوں نے وزیر اعظم مسٹر رام غلام سے بھی ملاقات کی،

نومبر ۱۹۷۲ء میں شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کی دعوت پر مجمع البحوث الاسلامیہ، قاہرہ کی آٹھویں کانفرنس میں شریک ہوئے، انوار السادات سے بھی ملے وزیر اوقاف شیخ متولی شعراوی سے بھی ملاقات کی اور جدہ، مکہ، ریاض، قطر، کویت، بمبئی ہوتے ہوئے دسمبر ۱۹۷۲ء میں مدراس پہونچے۔

ستمبر ۱۹۷۸ء میں وہ کناڈا گئے اور مختلف شہروں کا دورہ کیا اور پھر لندن ہوتے ہوئے دبئی پہونچے اور وہاں کے شیوخ سے ملاقات کی، شیخ سیف احمد الغریر کو کالج

کے اندر دس منزلہ عمارت کے افتتاح کی صدارت کی، مگر مدراس ...
نے پھر دو مرتبہ کناڈا کا سفر کیا، دوسری مرتبہ ان کے واپس پہنچنے سے پہلے ...
اسٹرائک شروع ہو گئی، جس کی وجہ سے ان کا دل ٹوٹ گیا، اس کالج کو ...
بنانے کا عزم بھی ختم ہو گیا۔ گذشتہ سات آٹھ سال سے وہ حکومت تامل ناڈو سے کالج
کے لئے کوئی مالی امداد قبول نہیں کر رہے تھے، اساتذہ اور طلبہ کی اسٹرائک کی وجہ
سے حکومت وقت کے بعض قوانین ماننے پڑے، اس وقت سے استانیاں حکومت سے
تنخواہ حاصل کر رہی ہیں۔

وہ عمر بھر قانونی مسائل پر ایرادات اور تبصرے لکھتے رہے اور مختلف تعلیمی
کانفرنسوں کی صدارت کی، ان کے خطبے قانونی اور تعلیمی معلومات کا بیش بہا خزانہ
ہیں۔ اگر ان کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو آئندہ نسل کی ترقی میں بہت مدد و معاون
ثابت ہوں گے، انھوں نے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی ترقی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں چھوڑا ہے
جس پر انھوں نے وضاحت کے ساتھ گفتگو نہ کی ہو۔ جب حکومت تامل ناڈو نے
پرائیوٹ کالجوں کے اختیارات میں مداخلت کرنی شروع کی تو ان کے کرتا دھرتا جن
میں سے اکثر ہندو اور عیسائی تھے، جسٹس صاحب مرحوم سے مشورہ کیا اور پھر ایک جمعیت
۱۹۵۸ - ۱۹۵۹ء میں اسوسیشن آف مینیجمنٹس آف پرائیوٹ کالجس کے نام سے
بنائی جس کے پہلے صدر مدراس ہائی کورٹ کے مشہور بیرسٹر مسٹر وی، ایل، ایتھراج مقرر
ہوئے ان کی وفات کے بعد جسٹس صاحب اس کے صدر ہوئے تو انھوں نے حکومت وقت
اور مدراس یونیورسٹی کی بے جا دخل اندازی پر سخت تنقید کی، اسی وجہ سے مدراس
یونیورسٹی اور حکومت وقت آگے نہیں بڑھ سکیں، اور مداخلت کرنی چھوڑ دی مگر اب بھی
رہ رہ کر یہ مسائل اٹھ رہے ہیں، حکومت تامل ناڈو چاہتی ہے کہ ایس، آئی، ای، ٹی، ویمنس
کالج کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لے، جسٹس صاحب سند ملی کی کلاس کے خلاف سپریم کورٹ
دہلی میں رٹ پٹیشن داخل کی جا چکی اب ان کی وفات کے بعد کچھ کہا نہیں جا سکتا کیا ہوگا۔

# مسلم پرسنل لا اور حضرت مفکر ملت کی یاد

(از جناب محمد ظہیر صدیقی [illegible] پریس [illegible])

قوموں اور ملکوں کی تاریخ کے سینہ میں ایسے بہت سے واقعات محفوظ ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کسی قوم کسی ملت اور کسی ملک کے افراد کو اس وقت تک کسی اہم بلند اور عظیم مقصد میں کامیابی نصیب نہیں ہوگی جب تک ان کے اندر اتحاد و اتفاق یگانگت اور اجتماعیت کے وہ جذبات پیدا نہیں ہوگئے جو کامیابی کی منزل سربلندی کے درجہ اور خوشحالی کے مقام بلند تک پہونچنے کے لئے ضروری ہے، تاریخ صاف صاف اعلان کرتی ہے کہ ہر عروج کی بنیاد اتحاد و اتفاق کی طاقت و برکت رہی ہے اور ہر زوال کے پیچھے آپس کے انتشار و اختلاف کے سیاہ تاریک اور مہیب ظلمتیں موجود رہی ہیں

جب جب کسی قوم اور کسی ملت کے افراد نے اپنے آپ کو اتحاد و اتفاق کی لڑی میں پرو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیا اور باہمی تفریق سے اپنے آپ کو بچا لیا تو وہ آہن و فولاد کی دیواروں کو شکست دینے پہاڑوں کو مسخر کرنے طوفانوں کا مقابلہ کرنے اور سیلاب و طلاطم کا رخ پھیرنے کے قابل ہوگئے گویا قرآن عزیز کے ارشاد مقدس " واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا " کا عملی نمونہ جس قوم نے اپنے آپ کو بنا لیا اور اللہ پر ایمان کامل کے ساتھ میدان عمل میں قدم رکھا تو یہ دنیا و زمین و آسمان یہ در و دیوار یہ فضائیں ان کی کامیابی پر فخر کرنے اور دوست اور دشمن ان کی شاندار فتوحات کے لئے خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہوگئے عزت و سربلندی، طاقت و سرخروئی عظمت و شوکت ان کے قدم چومنے پر مجبور ہوگئی

[illegible] کے اندر دس منزلہ عمارت کے افتتاح کا مخالفت کی، کیونکہ اس زمانے [illegible]
نے پھر دوسری مرتبہ کناڈا کا سفر کیا، دوسری مرتبہ ان کے واپس ہونے سے پہلے [illegible]
اسٹرائک شروع ہوگئی، جس کی وجہ سے ان کا دل ٹوٹ گیا، اس کالج کو صدی [illegible]
بنانے کا عزم بھی ختم ہو گیا اور تقریباً سات آٹھ سال سے وہ حکومت تامل ناڈو سے کالج
کے لئے کوئی مالی امداد قبول نہیں کر رہے تھے، اساتذہ اور طلبہ کی اسٹرائک کی وجہ
سے حکومت وقت کے بعض قوانین ماننے پڑے، اس وقت سے استانیاں حکومت سے
تنخواہ حاصل کر رہی ہیں۔

وہ عمر بھر قانونی مسائل پر اداریات اور تبصرے کرتے رہے اور مختلف تعلیمی [illegible]
کانفرنسوں کی صدارت کی، ان کے خطبے قانونی اور تعلیمی معلومات کا بیش بہا خزانہ
ہیں، اگر ان کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو آئندہ نسل کی ترقی میں بہت مدد و معاون
ثابت ہوں گے، انھوں نے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی ترقی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں چھوڑا؟
جس پر انھوں نے وضاحت کے ساتھ گفتگو نہ کی ہو۔ جب حکومت تامل ناڈو نے
پرائیوٹ کالجوں کے اختیارات میں مداخلت کرنی شروع کی تو ان کے کتنا دوستوں
میں سے اکثر ہندو اور عیسائی تھے، جسٹس صاحب مرحوم سے مشورہ کیا اور پھر ایک جمعیت
۱۹۵۸ - ۱۹۵۹ء میں اسوسیشن آف مینجمنٹس آف پرائیوٹ کالجس کے نام سے
بنائی جس کے پہلے صدر مدراس ہائی کورٹ کے مشہور بیرسٹر وی، ایل، ایتھی راج منتخب
ہوئے، ان کی وفات کے بعد جسٹس صاحب اس کے صدر ہوئے تو انھوں نے حکومت وقت
اور مدراس یونیورسٹی کی بے جا دخل اندازی پر سخت تنقید کی، اسکی وجہ سے مدراس
یونیورسٹی اور حکومت وقت آگے نہیں بڑھ سکیں یا مداخلت کرنا چھوڑ دی مگر اب بھی
یہ مسائل اٹھ رہے ہیں، حکومت تامل ناڈو چاہتی ہے کہ ایس، آئی، اے، ٹی، کالج
کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لے، جسٹس صاحب نے دہلی کی عدالت میں اس کے خلاف [illegible]
دہلی میں رٹ پٹیشن داخل کی جا چکی اب ان کی وفات کے بعد کچھ کہا نہیں جا سکتا کیا ہو گا۔

# مسلم پرسنل لا

## اور حضرت مفکر ملت کی یاد

(از جناب محمد ظہیر صدیقی اللہ آباد مرتب پرنس پریس)

قوموں اور ملکوں کی تاریخ کے سینہ میں ایسے بہت سے واقعات محفوظ ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کسی قوم کسی ملت اور کسی ملک کے افراد کو اس وقت تک کسی اہم بلند اور عظیم مقصد میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی جب تک ان کے اندر اتحاد و اتفاق یگانگت اور اجتماعیت کے وہ جذبات پیدا نہیں ہو گئے جو کامیابی کی منزل سربلندی کے درجہ اور خوشحالی کے مقام بلند تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے، تاریخ صاف صاف اعلان کرتی ہے کہ ہر عروج کی بنیاد اتحاد و اتفاق کی طاقت و برکت رہی ہے اور ہر زوال کے پیچھے آپس کے انتشار و اختلاف کے سیاہ تاریک اور مہیب ظلمتیں موجود رہی ہیں

جب جب کسی قوم اور کسی ملت کے افراد نے اپنے آپ کو اتحاد و اتفاق کی لڑی میں پرو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیا اور باہمی تفریق سے اپنے آپ کو بچا لیا تو وہ آہن و فولاد کی دیواروں کو شکست دینے پہاڑوں کو مسخر کرنے طوفانوں کا مقابلہ کرنے اور سیلاب و تلاطم کا رخ پھیرنے کے قابل ہو گئے گویا قرآن عزیز کے ارشاد مقدس "واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا" کا عملی نمونہ جس قوم نے اپنے آپ کو بنا لیا اور اللہ پر ایمان کامل کے ساتھ میدان عمل میں قدم رکھا تو یہ دنیا و زمین و آسمان یہ در و دیوار یہ فضائیں ان کی کامیابی پر فخر کرنے اور دوست اور دشمن ان کی شاندار فتوحات کے لئے خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو گئے عزت و سربلندی، طاقت و سرفرازی عظمت و شوکت ان کے قدم چومنے پر مجبور ہو گئی

وقت کے مغرور سیرم فرعونوں کی اکڑی ہوئی گردنیں خم ہوئیں یا ٹوٹ گئیں اور جب بھی وہ
وانتشار کی تباہ کن ہوائیں چلیں اور یہ آپس میں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوئے
اختلافات بغض و عناد کے زہریلے جراثیم ان میں پیدا ہوئے تو عزت و سربلندی عروج و عظمت
حکومت و شوکت کی فلک بوس دیواریں اور سربفلک محل زمین بوس ہو گئے۔ ان کی جگہ
ذلت و رسوائی اور پستی و تنزلی کی نحوست سامانیاں کچھ اس طرح ان پر مسلط ہو گئیں
کہ تاریخ میں عبرت و نصیحت کے دردناک باب کا اضافہ ہو گیا اور دنیا کی کمزور سے کمزور
پست سے پست قوم ان پر غالب آگئی۔

یہ وہ صاف و شفاف اور نکھری ہوئی سچائی ہے جس سے انکار کرنا کسی بھی انصاف
پسند انسان کے لئے ممکن نہیں ہے گزشتہ دنوں مسلم مطلقہ خواتین کے حقوق کے
بل کی ترتیب اس کی تکمیل اور پھر پارلیمنٹ کے ایوانوں میں حشر خیز طوفان آمیز ماحول
اور پر شور فضاؤں کے اندر اس کی عظیم الشان طریقہ پر کامیابی و منظوری نے اس
جیتی جاگتی حقیقت کو اور بھی نمایاں کر دیا ہے کہ اتحاد میں کامیابی و برکت ہے۔ اور اختلاف
وافتراق میں تباہی و ہلاکت ہے۔

اس بل کی منظوری نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ اگر حقائق کو دلائل کے ساتھ پیش کیا
جائے اور معقولیت و حقیقت پسندی کو جذبات پر غالب رکھا جائے تو مسائل کی الجھی ہوئی
گتھیاں سلجھ جاتی ہیں اور لیل و نہار کی گردشیں ان کے سامنے تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو
جاتی ہیں۔ (جاری)

سنہ ۱۹۵۴ء حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ مسلم [illegible]۔ اسلامی [illegible]
تاریخ صقلیہ، تاریخ ملت جلد ہفتم

سنہ ۱۹۵۵ء اسلام کا اقتصادی نظام، تاریخ ادبیات ایران، تاریخ علم فقہ، تاریخ ملت حصہ نہم [illegible]
تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی

سنہ ۱۹۵۶ء ترجمان السنہ جلد ثالث۔ اسلام کا نظام حکومت [illegible]
سیاسی معلومات جلد دوم، خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

سنہ ۱۹۵۷ء لغات القرآن جلد پنجم، صدیق اکبرؓ [illegible]

سنہ ۱۹۵۸ء لغات القرآن جلد ششم، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، تاریخ گجرات [illegible] سیاسی معلومات [illegible]

سنہ ۱۹۵۹ء حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، جنگ آزادی [illegible]

سنہ ۱۹۶۰ء تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۹۔ ۳۰۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط
امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام۔

سنہ ۱۹۶۱ء تفسیر مظہری اردو جلد اول، مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، اسلامی کتب خانے [illegible]
تاریخ ہند پر نئی روشنی

سنہ ۱۹۶۲ء تفسیر مظہری اردو جلد دوم۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں، معارف الآثار۔
نیل سے فرات تک

سنہ ۱۹۶۳ء تفسیر مظہری اردو جلد سوم، تاریخ [illegible] ضلع بجنور۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی اول

سنہ ۱۹۶۴ء تفسیر مظہری اردو جلد چہارم، حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط، عرب و ہند عہد رسالت میں۔
ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں۔

سنہ ۱۹۶۵ء ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اول۔ تاریخی مقالات
لادینی دور کا تاریخی پس منظر، ایشیا میں آخری نوآبادیات

سنہ ۱۹۶۶ء تفسیر مظہری اردو جلد پنجم، [illegible]۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔

سنہ ۱۹۶۷ء ترجمان السنہ جلد چہارم، تفسیر مظہری اردو جلد ششم، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ

سنہ ۱۹۶۸ء تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم، تین تذکرے۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات
اسلامی ہند کی عظمت رفتہ۔

سنہ ۱۹۶۹ء تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم، تاریخ الفخری، حیات ذاکر حسین۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر

سنہ ۱۹۷۰ء حیات عبدالحی، تفسیر مظہری اردو جلد نہم، مآثر و معارف، احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت

سنہ ۱۹۷۱ء تفسیر مظہری اردو جلد دہم، بیماری اور اس کا روحانی علاج۔ خلافت راشدہ اور ہندوستان

سنہ ۱۹۷۲ء فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، انتخاب الترغیب والترہیب۔ [illegible]
[illegible] میں قدیم ہندوستان

. No. ... (DN) 281 PHONE : 262815
D. ...-57
Subs. 40/- Per Copy Rs. 3-50
BURHAN (Monthly)
4136, Urdu Bazar, Jama Masjid, Delhi-1100..



[redacted]



عمید الرحمٰن عثمانی پرنٹر پبلشر نے جمال پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

بیادگار حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ



ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ



# بُرہان

نگرانِ اعلیٰ حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینی

مُدیرِ اعزازی
قاضی اطہر مُبارکپوری

مُرتّب
جمیل مہدی

# مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

**سنہ ۱۹۳۹ء** اسلام میں غلامی کی حقیقت - اسلام کا اقتصادی نظام - قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ - تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام - سوشلزم کی بنیادی حقیقت -

**سنہ ۱۹۴۰ء** غلامانِ اسلام - اخلاق و فلسفۂ اخلاق - فہم قرآن - تاریخ ملت حصہ اول "نبی عربی صلعم" صراط مستقیم (انگریزی)

**سنہ ۱۹۴۱ء** قصص القرآن جلد اول - وحی الٰہی - جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول -

**سنہ ۱۹۴۲ء** قصص القرآن جلد دوم - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات) مسلمانوں کا عروج و زوال - تاریخ ملت حصہ دوم "خلافت راشدہ" -

**سنہ ۱۹۴۳ء** مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد اول - اسلام کا نظام حکومت - سرمایہ - تاریخ ملت حصہ سوم "خلافت بنی امیہ"

**سنہ ۱۹۴۴ء** قصص القرآن جلد سوم - لغات القرآن جلد دوم - مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (کامل)

**سنہ ۱۹۴۵ء** قصص القرآن جلد چہارم - قرآن اور تصوف - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں بیسیوں اضافے کئے گئے)

**سنہ ۱۹۴۶ء** ترجمان السنہ جلد اول - خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ - جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو -

**سنہ ۱۹۴۷ء** مسلمانوں کا نظم مملکت - مسلمانوں کا عروج و زوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم - حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی -

**سنہ ۱۹۴۸ء** ترجمان السنہ جلد دوم - تاریخ ملت حصہ چہارم "خلافت ہسپانیہ" - تاریخ ملت حصہ پنجم "خلافت عباسیہ اول"

**سنہ ۱۹۴۹ء** قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل) تاریخ ملت حصہ ششم "خلافت عباسیہ دوم" بصائر -

**سنہ ۱۹۵۰ء** تاریخ ملت حصہ ہفتم "تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ" - تدوین قرآن - اسلام کا نظام مساجد - اشاعت اسلام یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا -

**سنہ ۱۹۵۱ء** لغات القرآن جلد چہارم - عرب اور اسلام - تاریخ ملت حصہ ہشتم "خلافت عثمانیہ" - بارہ رجال شاہ -

**سنہ ۱۹۵۲ء** تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر - فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول (جس کو ازسرِ نو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے - کتابت حدیث -

**سنہ ۱۹۵۳ء** تاریخ مشائخ چشت - قرآن اور تعمیر سیرت - مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ -

# برہان

مدیر مسئول: عمید الرحمٰن عثمانی

جلد نمبر ۹۶ — ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۶ھ مطابق اگست سنہ ۱۹۸۶ء — شمارہ نمبر ۲



عمید الرحمٰن عثمانی پرنٹر پبلشر نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

# نظرات

۱۰ اگست کو ہندوستان کے سابق کمانڈر انچیف ارون کمار شریدت ویدیہ کو پونے چھاؤنی کے علاقے میں چار نامعلوم بندوقچیوں نے اس وقت گولی مار کر ہلاک کر دیا جبکہ وہ قیاس کیا جاتا ہے کہ دوپہر کا کھانا کھانے کیلئے گھر واپس لوٹ رہے تھے جنرل ویدیہ کا شمار فوج کے قابل ترین جنرلوں میں ہوتا تھا اور وہ محاذ جنگ پر بھی پہلے ۱۹۶۵ء اور پھر ۱۹۷۱ء کی جنگ میں شاندار خدمات انجام دے رہے تھے، اور دونوں بار انھیں فوجی اعزاز سے سرفراز کیا گیا تھا، پہلی بار وہ اس بکتر بند بٹالین کے کمانڈر تھے جس نے امریکن پیٹن ٹینکوں سے مسلح پاکستانی فوج کو شکست دینے کا کارنامہ انجام دیا تھا دوسری بار انھوں نے ۔ بتایا جاتا ہے کہ ۔ سیاچن برف زار پر قبضہ کرنے میں غیر معمولی اہلیت کا مظاہرہ کیا تھا جسے واپس لینے کیلئے پاکستانی فوج آج تک ناکام کوشش کر رہی ہے جنرل ویدیہ اپنی مدت ملازمت کے آخری ڈھائی برسوں میں ہندوستان کی بری فوج کے کمانڈر انچیف مقرر کیئے گئے اور کسی بھی فوجی کے لئے یہ سب سے بڑا اعزاز مانا جاتا ہے اس سب سے بڑے عہدہ سے وہ گذشتہ ۶ ماہ پہلے ریٹائر ہوئے تھے اور اس وقت ریٹائرمنٹ کی پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے ان کی فوجی زندگی کا سب سے بڑا اور اہم واقعہ ۔ محاذ جنگ سے بھی زیادہ نازک اور فیصلہ کن واقعہ ۔ امرتسر کے سنہری گردوارہ پر وہ فوجی کاروائی تھی جسے آپریشن بلیو اسٹار کے نام سے موسوم کیا گیا، خود جنرل ویدیہ نے اس فوجی کاروائی کے بعد جس میں سکھ انتہا پسند لیڈر سنت بھنڈراں والے اور سابق فوجی کمانڈر رلم شبھیگ سنگھ

جو ان سکھوں کے ہاتھوں فوج کے ہاتھوں ہلاک ہوئے اور سنہری گردوارہ کا ایک بڑا حصہ منہدم ہو گیا تھا۔ اپنی فوجی زندگی کا مشکل ترین مرحلہ قرار دیا تھا علاوہ کہا تھا کہ اس فوجی کارروائی کا فیصلہ ان کی فوجی زندگی کا مشکل ترین مرحلہ ثابت ہوا۔"

---

سنہری گردوارہ پر آپریشن بلیو اسٹار پر اگرچہ جنرل ویدیہ کی فوجی سربراہی کی مدت میں عمل کیا گیا لیکن موقع پر اس کارروائی کی کمان لیفٹننٹ جنرل سندرجی کے ہاتھ میں تھی جو آج کل ہندوستان کی بری فوج کے کمانڈر انچیف ہیں۔ اس اعتبار سے آپریشن بلیو اسٹار کے سلسلے میں جنرل ویدیہ کی ذمہ داری رہی تھی، اور انھیں براہ راست نہیں بلکہ بالواسطہ ہی اس کارروائی کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے لیکن ان کی اصل شہرت اور سکھ انتہا پسندوں میں ان کے خلاف ناگواری اور غم و غصہ کا سبب ان کا وہ طرز عمل بنا جو انھوں نے آپریشن بلیو اسٹار کے بعد سنہری گردوارہ پر حملے سے جوش میں آئے ہوئے ان سکھ فوجیوں کے خلاف اختیار کیا جو بغاوت کر کے فوج سے نکل گئے، اور جنھوں نے مختلف چھاؤنیوں سے بھاگ کر امرتسر کی طرف فوجی مارچ شروع کر دیا۔

جنرل ویدیہ کے حکم پر ان بھگوڑے سکھ نوجوانوں کے خلاف جن میں زیادہ تر تعداد زیر تربیت فوجیوں یعنی رنگروٹوں کی تھی، فوجی کارروائی کی گئی، اور انھیں مختلف ریاستوں سے گرفتار کر کے کورٹ مارشل کے سپرد کیا گیا، اس فوجی بغاوت کی ناکامی اور بھگوڑوں کی گرفتاری کے بعد جب سیاسی دباؤ کے تحت ان کے ساتھ نرم سلوک کرنے کا سوال سامنے آیا تو جنرل ویدیہ نے نہ صرف اس تجویز کی مخالفت کی، بلکہ فوجی معاملات میں سیاستدانوں کی مداخلت کے امکان کو پوری طرح مسترد کر دیا انھوں نے ایک فوجی سربراہ کی حیثیت سے فوجی نظم و ضبط کو سختی کے ساتھ برقرار رکھنے کا موقف اپنایا، اور صاف طور پر فوجی نظم و ضبط کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف کارروائی کو کورٹ مارشل کے دائرہ

اختیار کا مسئلہ بتاتے ہوئے فوجی عدالتوں کے اختیار میں کسی بھی قسم کی مداخلت کرنے سے انکار کر دیا۔

جنرل ویدیہ کا یہی سخت موقف اور یہی بے لچک طرزِ عمل انتہا پسند سکھوں میں ان کے خلاف نہ صرف غم و غصہ بلکہ نفرت و انتقام کے جذبات پیدا کرنے کا سبب بنا اور اس کے بعد انھیں گمنام دھمکی آمیز خطوط ملنے کا سلسلہ شروع ہوا، یہ سلسلہ ان کے ریٹائر ہونے کے بعد بھی جاری رہا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سلسلہ کا آخری گمنام خط خالصتان حامیوں کی طرف سے انھیں قاتلانہ حملے سے صرف دو دن پہلے موصول ہوا تھا جس کے بعد ان کے حفاظتی اقدامات اور زیادہ سخت کر دیے گئے تھے۔

---

جنرل ویدیہ کے قاتلوں کا یقینی طور پر ان سطروں کی تحریر تک تشخص نہیں کیا جا سکا اسلئے حتمی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کی ہلاکت ضروری سکھ انتہا پسندوں کے ہاتھوں ہی میں آئی ہے، لیکن جہاں تک ظاہری علامات کا سوال ہے اس سلسلے میں دہشت پسند سکھ تحریکوں کے ملوث ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور ظاہری علائم اور قیاسات بھی اسی کے حق میں اشارہ کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ انکی ہلاکت کے بعد ایک خفیہ دہشت پسند تنظیم خالصتان کمانڈو فورس ـــ نے انکی ہلاکت کی ذمہ داری قبول کی ہے اور خفیہ پولیس کے حلقے اس مفروضے پر زبردست چھان بین میں لگے ہوئے ہیں کہ جنرل ویدیہ کے قتل میں اس خالصتان دہشت پسند جتھا کا ہاتھ ہو سکتا ہے یہ خطرناک دہشت پسند پنجاب سے اس وقت سے غائب بتایا جاتا ہے جبکہ اس نے چھ پولیس والوں کو بیک وقت قتل کر کے انکی تحویل سے تین خطرناک دہشت پسندوں کو چھڑا لیا ہے، خفیہ پولیس کا خیال ہے کہ پنجاب میں دہشت پسندوں کے خلاف زبردست مہم کے نتیجہ میں پونا۔ اس طرح کے خوفناک دہشت پسندوں کے لئے جا کے امن ہو سکے

[illegible] ممکن ہے کہ انھوں نے پونا میں قیام کرکے جنرل ویدیہ کے قتل کا منصوبہ تیار کرلیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان تین خوف ناک دہشت پسندوں نے سکھ دیو سنگھ عرف سپاہی سمیت اس منصوبہ میں حصّہ لیا ہو، جنھیں جنداں نے ۵ راپریل کو جالندھر کے ڈسٹرکٹ کورٹ کی عدالت کے احاطہ میں ۶ ر پولیس والوں کو گولی مار کر چھڑا لیا تھا،

اگرچہ ابتدائی خبروں میں صراحت کے ساتھ اس بات کو ظاہر کردیا گیا تھا کہ عینی شاہدین کی شہادت کے مطابق جن چار حملہ آوروں نے جنرل ویدیہ کی کار پر گولیاں چلاکر انھیں ہلاک کیا ان میں سے کسی کے ڈاڑھی نہیں تھی لیکن یہ کوئی ایسا یقینی ثبوت نہیں جو اس بات کا فیصلہ کرسکے کہ ان کے قاتل سکھ نہیں تھے بلکہ اس قیاس کو تقویت پہونچانے والی ایک بات ہوسکتی ہے، کہ انھوں نے پولیس اور عام لوگوں کے شبہات سے محفوظ رہنے کے لئے ڈاڑھیاں منڈادی ہوں، لیکن اسی کے ساتھ اور بہت سے امکانات کو نظر انداز کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا، جو شورش اور ہنگاموں کے زمانہ میں معاملات ومسائل میں قدرتی طور پر شامل ہوجاتے ہیں، اس صورت میں کہ شکوک وشبہات کے لئے ایک خاص گروہ یا شخص موجود ہو کتنے ہی اندرونی اور بیرونی عناصر کے لئے آسان ہوجاتا ہے کہ وہ حالات کو مزید خراب اور پیچیدہ بنانے کیلئے ایک ایسے کام میں ملوث ہوجائیں جس میں انکی طرف خیال تک جانے کی گنجائش کم سے کم رہ جائے۔

---

بہرحال اب یہ بات تو مستقبل بعید کی ہے کم از کم فوری طور پر اس بات کی کوئی امید نہیں ہے کہ جنرل ویدیہ کی ہلاکت کا عقدہ اس طور پر حل کرلیا جائے کہ کسی کو اصل قاتلوں کے تشخص اور شناخت کے بارے میں کوئی شک باقی نہ رہ جائے فی الحال تو یہی کہا جاسکتا ہے، جنرل ویدیہ کا قتل ۔ سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کے بعد دوسرے درجہ پر ایک بہت بڑا ۔ بہت اہم واقعہ ہے اور اس اعتبار سے اس کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

کیونکہ ایسے فوجی جنرل کے قتل سے تعلق رکھتا ہے جو اپنے فرائض منصبی سے سبکدوش ہو کر پرامن اور خاموش زندگی بسر کر رہا تھا، اور جس کا کوئی تعلق سیاست یا فوج کی کسی سرگرمی سے باقی نہ رہا تھا، اس کے ساتھ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ جنرل ویدیہ کے قتل سے فوج کی مستعدی، اہلیت اور حفاظتی انتظامات کی شہرت کو زبردست اور ناقابل تلافی صدمہ پہنچا ہے۔ جو جنرل ویدیہ کی سلامتی کی پوری طرح ذمہ دار تھی، اور جس پر اپنے سابق سربراہ کے تحفظ کی ذمہ داری کا فرض بالشرکت غیرے عائد ہوتا تھا۔

---

جنرل ویدیہ کے قتل کا واقعہ اس لحاظ سے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ فوجی چھاؤنی کی حدود میں ہی پیش آیا۔ ظاہر ہے کہ اس بارے میں فوج کے پاس اس طرح کی کوئی معذرت موجود نہیں ہے کہ اسے اپنے سابق سربراہ کی زندگی کو لاحق خطرہ کی خبر نہیں تھی یا وہ اسکے وقت اور امکانات سے ناواقف تھی، انکی ہلاکت کے بعد اب تک جو تفصیلات سامنے آسکی ہیں ان سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے کہ جنرل ویدیہ کے تحفظ اور سلامتی کے انتظامات ہر ممکن خطرے کو پیش نظر رکھ کر کیے گئے تھے، بلکہ وقتاً فوقتاً ان کا جائزہ بھی لیا جاتا تھا۔ پونے کے فوجی مرکز کے اعلیٰ افسروں کا اعتراف ہے کہ جنرل ویدیہ کے حفاظتی انتظامات کا آخری بار جائزہ ۸ راگست کو لیا گیا تھا اور مقامی کمانڈر نے ان کے ساتھ ملاقات کر کے ان انتظامات پر ان سے تبادلہ خیال بھی کیا تھا۔ ان ہی فوجی حلقوں کی اطلاع کے مطابق جنرل ویدیہ کیلئے دن میں ایک مسلح محافظ اور رات کے لیے دو محافظوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن جب وقت موعود آیا تو کسی محافظ کی ایک نہ چلی۔ ان پر حملہ کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ حملے کے وقت جنرل ویدیہ خود کار چلا رہے تھے، ان کی بیوی ان کے برابر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی تھیں، اور محافظ پچھلی سیٹ پر بٹھایا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ گولی لگنے کے بعد جنرل ویدیہ کے ہاتھ اسٹیرنگ پکڑے رہ گئے اور ان کا

سامنے کا دروازہ بے قابو ہو کر ڈگمگاتی ہوئی سڑک کے دوسری طرف چلی گئی احساس اچانک اور غیر متوقع صورت حال سے محافظ کو نہ صرف فائر کرنے کا موقع نہیں مل سکا بلکہ حملہ آوروں کو بھی فرار ہونے کا پورا موقع مل گیا۔

---

جنرل ویدیہ کی ہلاکت کے اس واقعہ نے جو کئی لحاظ سے غیر معمولی تھا ہندوستان کی بین الاقوامی ساکھ کو بھی بڑا صدمہ پہونچایا ہے کیونکہ اس واقعہ کی بدولت انتظامیہ اور خفیہ پولیس کے ساتھ فوج کے ناقص انتظام کا بھی ثبوت پہلی بار دنیا کے سامنے آیا۔ جنرل ویدیہ گاندھی جی اور سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کے بعد ہندوستان کی تیسری ممتاز ترین شخصیت ہیں جو تشدد اور دہشت انگیزی کی بھینٹ چڑھ گئی۔ اور اندرا گاندھی کے بعد دوسری بڑی شخصیت ہیں جو بظاہر پنجاب کے اندر پیدا ہونے والے اس تشدد آمیز ماحول کے سبب اپنی قیمتی زندگی سے محروم ہو گئی، جو جون ۱۹۸۴ء کے سنہری گردوارے پر فوجی کارروائی کے بعد پیدا ہوا تھا، اور جس کو ختم کرنے کی کوئی کوشش ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جنرل ویدیہ کے قتل کے اثرات بھی غیر معمولی انداز میں مرتب ہوئے مثال کے طور پر آزادی کے بعد پہلی بار، پارلیمنٹ کا اجلاس کسی ایسی شخصیت کی تعزیت کے بعد ملتوی ہوا جو کسی ایوان کی ممبر نہیں تھی۔

---

ان کی ہلاکت کے واقعہ سے دہشت پسندوں کی عام گرفتاری کی مہم کے ذریعہ دہشت پسندوں کی اٹھائی ہوئی شورش کے خاتمہ کی توقع کو بھی نہ صرف صدمہ پہونچا ہے بلکہ اس کے پنجاب سے باہر دوسری ریاستوں تک وسیع ہو جانے کا بھی خطرہ پیدا ہو گیا ہے جو بجائے خود اس تشویش ناک صورت حال کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ دہشت پسندی اور تشدد کا خاتمہ صرف انتظامی کارروائیوں کے ذریعہ ممکن نہیں ہے پنجاب کے

ڈائرکٹر جنرل پولیس مسٹر سیریونے کی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ انتظامی سطح پر جو کچھ بھی ممکن ہے وہ تو ہم کر رہے ہیں لیکن اس سلسلے میں سیاست دانوں کو بھی کچھ کرنا چاہئے تیسرا اور آخری نتیجہ جو اس قیمتی زندگی کے ضائع ہونے کی شکل میں نکلا ہے وہ یہ ہے کہ سیاست دانوں کے غلط اقدامات قوموں اور ملکوں کو ایسی بحرانی صورت میں مبتلا کرتے ہیں کہ ان پر قابو پانے میں برسوں اور قرنوں کی مدت لگ جاتی ہے اور یہ کہ کوئی قوم مکمل مایوسی کی حالت میں عاقبت اندیشی کے ہر تقاضے کو نظر انداز کرنے پر تیار ہو جائے تو پھر کوئی بڑی سے بڑی تادیب اور ردعمل کا خوف بھی اسے من مانے کام کرنے سے نہیں روک سکتا۔

# مسلم پرسنل لا

## اور حضرت مفکر ملت کی یاد

از جناب محمد اطہر صدیقی انڈو عرب پریس فیچرس۔

اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ اس بل کی منظوری سے فرقہ پرستوں تنگ نظر سیاسی طالع آزماؤں اور مسلمانوں سے قلبی بیر رکھنے والوں نیز ہندوستان کی جمہوری قدر، سیکولرزم کی حلقوں اور ان اعلیٰ اقدار و روایات کے دشمنوں کو زبردست، ذلت ناک اور عبرتناک شکست ہوئی ہے۔ جو ہمارے ملک کی شان کو ساری دنیا میں سربلند کرنے والی ہیں۔

ہم پورے خلوص کے ساتھ وزیر اعظم راجیو گاندھی، ان کے رفیق کار شری اشوک سین (وزیر قانون حکومت ہند) اور ان تمام حضرات کی خدمت میں ہدیۂ تشکر و تبریک پیش کرتے ہیں جن کے منصفانہ اور عدل پرور ذہن و فکر اس بل کی منظوری میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں، اسی طرح ہندوستانی مسلمان، نوجوان سماجی و دینی کارکن اور مسلم جماعتوں کے ذمہ دار بھی قابل مبارکباد ہیں جن کے دل کی دھڑکنیں ایک طرف ان کو اپنے اتحاد کا بھرپور مگر پر ہوش مظاہرہ کرنے اور دوسری طرف بارگاہ رب قدیر و کارساز میں دست دعا بلند کرنے پہ مجبور کیے ہوئے تھیں اور جن کے طرز عمل نے یہ ثابت کر کے دکھا دیا کہ وہ اپنے اعمال کے اعتبار سے چاہے دین و مذہب کی تعلیمات کے پورا پورا نمونہ معلوم نہ ہوتے ہوں مگر ان کے دل و دماغ روح اور فکر و شعور اور جذبات اسلامی پوری طرح زندہ و تابندہ ہیں اور دین و شریعت کی حفاظت کے لئے وہ ہر قربانی دینے کیلئے تیار ہیں۔

ہم مسلمانوں کو یہ بات بھی ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ ایک مخصوص طبقہ نے ملک میں

لیکن فضا پیدا کر دی تھی جس میں عوامی ہلکے سے [illegible] جذبات [illegible]
سامنے رکھ کر کوئی حل تلاش کرانا اور کوئی قابل فیصلہ کرنا بچوں کا کھیل یا معمولی کام نہیں
گیا تھا۔ بلکہ یہ ایک طرح سے ایک خوفناک بلاخیز بطور طلاطم خیز موجوں کا سینہ چیر کر اس
کشتی کو ساحل تک پہونچانا تھا جس سے ملک کا مستقبل بھی وابستہ تھا اور مسلمانوں کے مذہبی
جذبات کی ترجمانی کا امکانات ہی جس میں سرے سے آ گئی حقیقت یہ ہے کہ اس ایک فیصلے نے
بہت سی مہلک و مایوس کن غلط فہمیوں کے تانے بانے بکھیر کے رکھ دیئے ہیں۔ اور ملک
کی جمہوری و سیکولر قدروں کا چہرہ نکھر گیا ہے۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم کو یہ بات بھی پوری طرح یاد رکھنی چاہئے کہ اس
کامیابی میں دوسری باتوں کے علاوہ یہ حقیقت بھی شامل ہے کہ مسلم رہنماؤں بالخصوص مفکر
ملت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی (صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)
نے جہاں ایک طرف ساری کوششوں ظاہری دوڑ دھوپ، بھاگ دوڑ میں کوئی کسر نہیں
چھوڑی اور ملک میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک مسلمانوں میں بیداری کی ایک ایسی لہر
دوڑا دی جس کی مثال گذشتہ تیس سال میں ملنی مشکل ہے وہیں یہ حقیقت ہے
اور شاید بہت کم لوگ اس سے واقف ہوں گے کہ حضرت علی میاں دامت برکاتہم نے
اس سلسلہ میں دعاؤں کا بھی ایک خاص اہتمام فرمایا تھا اشرف کے خصوصی بندوں اور اولیاء اللہ
کا بھی حصہ ہوتا ہے سفر و حضر میں ذکر و شغل کے حلقوں اور دعاؤں کی مجلسوں کے انعقاد
میں کسی قسم کی ادنیٰ سی کوتاہی نہ آنے دینا اور خود اپنے طور پر ایک بزرگ ہر نیک جانے
اور مخلص فرد ملت سے دعاؤں کی خاص درخواست کرنا ایک مبارک و مسعود و قابل
تقلید معاملہ ہے اور حق یہ ہے کہ کامیابی کے لئے یہی سب سے بڑا اور مضبوط سہارا ہے
اس طرح مسلمانوں نے بھی جگہ جگہ دعاؤں کا خاص اہتمام کیا مساجد میں نمازوں کے
بعد اور بعض جگہ خصوصی طور پر آیت کریمہ کے ختم پڑھ کر دعائیں مانگیں حدیث شریف

عظیم پیمانہ کا غایت مناسب نہ ہوگا کا بر و بزرگوں کی ہمت سے اس مسئلہ کا
عالم معروف کو بھی حق تعالیٰ نے دیوبند کی تمام مساجد میں ختم آیت کریمہ کرانے اور ختم
خواجگان کی پابندی کرنے کی توفیق اپنے کرم خاص سے عطا فرمائی جن لوگوں نے اس پروگرام
میں شرکت کی اور دلسوزی کے ساتھ حصہ لیا اللہ تعالیٰ ان کو بھی اجر عظیم عطا فرمائے
آمین۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت مفکر ملت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ ہماری ملی قیادت
کے آسمان پر اس آفتاب درخشاں کی حیثیت رکھتے ہیں جس سے گھٹا ٹوپ اندھیاروں
میں روشنی اور اجالا نظر آتا تھا،

ان کی فکر و بصیرت کے سامنے اکثر و بیشتر رہنماؤں کی بصیرت ماند پڑ جاتی
تھی، مگر ان کے اخلاق کریمانہ، وسعت ظرف اور ان کے قلب و ذہن کی کشادگی بھی
کسی کو یہ محسوس ہی نہ ہونے دیتی تھی کہ حضرت مفتی صاحب کی نظر میں ان کا مقام و مرتبہ
کس طرح فروتر ہے یہ وہ خصوصیت تھی کہ جس نے ملت کی صفوں میں پھیلے ہوئے
انتشار و افتراق کو ختم کر کے تمام مسلم جماعتوں اور ان کے ذمہ داروں کے درمیان باہمی
یگانگت و اخوت اور ایک دوسرے کی پاسداری و برداشت کا وہ جوہر تاباں پیدا کرنے کی
کوشش کی جس نے اختلاف و انشقاق کی ظلمتوں کو آپس کی رواداری و مروت کی روشنی میں
بدل دیا، اور ملت اسلامیہ کا ایک متحدہ و مشترکہ پلیٹ فارم وجود میں آگیا جو ہزاروں آندھیوں
اور طوفانوں کے مقابلہ پر قائم رہا۔

آج جبکہ ملت اسلامیہ ہند کو اللہ رب العالمین نے کامیابی و کامرانی سے ہمکنار فرمایا
ہے تو بجا طور پر ملت کا ہر فرد بھی خواہ مسرور و شاداں ہے مگر یہ حقیقت ناقابل انکار
ہے کہ حضرت مفکر ملت نے اتفاق و اتحاد کی جو اسپرٹ پیدا کی اور اس کے لئے جو محنت
اور مخلصانہ جدوجہد فرمائی وہ ہماری ملی تاریخ کا ایک جلی عنوان ہے جو ماضی کی روشنی

سے حال کو سنوارنے اور مستقبل کو تابناک بنانے کا ایک عزم ہے جو مفکر ملت حضرت مفکر ملت جیسے سراپا اخلاص عالم دین رہنما و سیاسی مفکر امت حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے افکار عمل و تجربہ پر قائم ہے۔

آج فتح و کامرانی کے شادیانے بجائے جانے کی گھڑی میں حضرت مفکر ملت قدس سرہ العزیز کی پُر خلوص تاریخ ساز خدمات کے نقوش تاباں ذہن و فکر افق پر جگمگا رہے ہیں۔

حضرت مفکر ملت مولانا عتیق الرحمن صاحب عثمانی قدس سرہ کو ہم سے رخصت ہوئے دو سال ہو چکے ہیں۔ ۱۲ مئی ۱۹۸۴ء کو علم و شریعت اخلاق و شرافت فکر و بصیرت دانش مندی و بصیرت تدبر و تفکر کا ایک آفتاب ضوفشاں ملک و ملت کی قیادت کے آسمان کا ماہتاب درخشاں غروب ہو گیا تھا جس کی پُر نور کرنوں سے گذشتہ سال تک ملت اسلامیہ ہند کی بے لوث خدمات کی دنیا جگمگاتی رہی اور جس کی مخلصانہ رہنمائی علم و حکمت، دین و شریعت تصنیف و تالیف اور اسلام کی ترویج و اشاعت کی کھیتیوں کو سیراب کرتی رہی اور ہر ہر قدم پر ملت کی صفوں میں اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرتی رہی۔

بلا شک و شبہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملت اسلامیہ ہند کے الجھتے بکھرتے آپس میں الجھتے اور ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے فرقوں اور باہمی چپقلش اور اختلافات کی دلدل میں پھنسی ہوئی جماعتوں کو اتحاد و اتفاق کا ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے مسلسل لگاتار اور انتھک جدوجہد کی مجلس مشاورت اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کی کشتی کو ساحل مراد تک پہونچایا۔

قدرتی طور پر اس موقع پر حضرت مفکر ملت اور دوسرے عمائدین امت کی یاد دل کے دروازے پر دستک دیتی سنائی دیتی ہے جنہوں نے مسلم پرسنل لاء کے مسئلے میں سب سے پہلے دو ٹوک بے لاگ اور واشگاف الفاظ میں یہ بات واضح کر دی تھی

مسلمانوں کے پرسنل لاء میں اس قسم کی تبدیلی ہرگز برداشت نہیں کی جاسکتی۔

اب سے پندرہ سولہ سال پہلے حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی قدس سرہٗ سے ہندوستان ٹائمز کے ایک نمائندہ نے مختلف ملی مسائل پر ایک انٹرویو لیا تھا اس انٹرویو کے دوران پہلی مرتبہ یہ سوال سامنے آیا تھا کہ بوہرہ برادری کے مذہبی معاملات و رسوم کے سلسلہ میں حکومت ـــ تارکنڈے کمیشن ـــ قائم کر رہی ہے۔ جو اس طبقہ کے مذہبی معاملات پر تحقیق و تفتیش کر کے کوئی رائے دے گا، اور فیصلہ کرے گا،

حضرت مفتی صاحب سے انٹرویو لینے والے اس نمائندہ نے سوال کیا کہ اس کمیشن کے سلسلے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ حضرت مفتی صاحب نے برجستہ اور صاف و بے لاگ الفاظ میں فرمایا کہ مسلک و مشرب کا اختلاف چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو مگر یہ بات کسی صورت پسند و برداشت نہیں کی جائے گی کہ مسلم پرسنل لاء میں کسی بھی طریقہ اور کسی بھی عنوان سے مداخلت کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی جائے، بعض لوگ اس وقت اس مسئلہ کی نزاکت کو سمجھنے سے قاصر رہے لیکن جلد ہی ان کو اندازہ ہو گیا کہ حضرت مفتی صاحب کی فہم و فراست، دور اندیشی اور اصابت رائے نے کتنی گہرائی سے مسئلہ کی اہمیت و نزاکت کو بھانپ لیا تھا، اور اس پر سخت احتجاج کیا تھا،

اسی طرح جنوری ۷۲ء میں حضرت مفتی صاحبؒ نے آل انڈیا ریڈیو پر مسلم پرسنل لاء کے موضوع سے دو تقریریں فرمائیں جن میں اس اہم مسئلہ کی تمام تفصیلات کو نہایت دانشمندانہ طریقہ پر ـــ ایک پختہ کار صاحب طرز اور فن خطابت کے ماہر کی حیثیت سے چند سطروں میں سمیٹ کر بیان کرتے ہوئے صاف صاف اعلان فرما دیا تھا کہ مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

ملت کے سواد اعظم اور علمائے کرام کے بڑے طبقہ، جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے

دائمی احکام کی بات ہے اور چند حقیقی مسائل کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ
مسلم پرسنل شریعت اسلامی کا اہم جزء بلکہ اس کی روح ہے اس کے بیشتر
مسائل کے احکام پر مبنی ہے یہ احکام قطعی ہیں اور قیامت تک کوئی
کسی اقتدار کو بھی ان میں کسی قسم کی تبدیلی اور ترمیم نہیں ہو سکتی اگر ایسا اقدام کیا جائیگا تو وہ دین
مذہب میں مداخلت بیجا کے ہم معنی ہو گا۔

پھر فرماتے ہیں کہ —— صاف بات یہ ہے کہ جہاں تک مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا
تعلق ہے اس میں کوئی ایسی راہ (تبدیلی کی) تلاش کرنا ایک جستجوئے ناکام کے
علاوہ کچھ نہیں ہے۔ مسلم پرسنل لا کی وسعتوں کو اس سمندر سے تشبیہ دی جاسکتی ہے
جس کا کنارہ نظر نہ آتا ہو، اس بحر ناپیدا کنار سے چند قطروں یعنی چند گنے چنے مسائل
کو لیکر پرسنل لا میں تبدیلی یا ترمیم کا عنوان دینا مضحکہ خیز تو ہو سکتا ہے حقیقت پر مبنی
نہیں ہو سکتا۔

ان چند جملوں میں مسئلہ کی جو روح سمٹ آئی ہے اور تاریخ نے جس طرح ان
جملوں کی صداقت کی گواہی دی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

اسی طرح مارچ سنہ ۷۲ء میں بھی یہ حضرت مفتی صاحبؒ کا ہی دم، خم فکر و عمل اور
جذبہ تھا کہ جس نے دار العلوم دیوبند

ایک نمائندہ اجتماع مسلم قائدین، علماء، دانشوروں، ماہرین قانون کا منعقد
ہوا خوب یاد ہے کہ اس اجتماع میں حضرت مفتی صاحبؒ نے علمائے کرام کو انکی ذمہ داری
کا احساس دلاتے ہوئے یاد دلایا تھا کہ مسلم پرسنل لا میں حکومت کی طرف سے کسی ترمیم
کو تو ہم برداشت نہ کریں گے لیکن مسلم معاشرہ میں جہل و ناواقفیت کی بنا پر جو مسائل
پیش آنے لگے ہیں ان کی اصلاح بھی تو صرف ہماری ہی ذمہ داری ہے۔
دہلی اجتماع —— تاریخ ساز عہد آفریں اور مسلمانان ہند کے جذبات کی

[illegible] ہوا تھا — کہ اس کے بعد ان ہی بزرگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے مسئلہ پر مسلمانوں کے مختلف مسلکوں اور نقاطِ نظر رکھنے والے گروہوں جماعتوں کے ذمہ داروں، دینی و علمی اداروں، مفکروں، ماہرین قانون اور دیگر اہل فکر اصحاب کا ایک ایسا نمائندہ عظیم کنونشن بمبئی میں منعقد کیا جائے جس میں سب ہی مسلم مسلکوں اور جماعتوں کو دعوت دی جائے،

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے یہ اجتماع بمبئی میں منعقد ہوا، حضرت مفتی صاحبؒ اور حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رح، مولانا سید منت اللہ رحمانی مدظلہٗ نے اپنی سوجھ بوجھ وسعت فکر و قلب، شبانہ روز محنت اور ناقابل فراموش جذبات اخلاص کے ساتھ اس کنونشن کو کامیاب اور موثر ترین بنایا۔ اس کو مسلمانوں کا ایک ایسا مضبوط پائیدار اور مستحکم اتحاد کی حیثیت دینے میں اپنا خون دل و جگر صرف کر دیا۔ اور پوری ملت کو جسدِ واحد کی شکل میں پیش کر کے وہ عظیم کارنامہ انجام دیا جسکو تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی،

اس زمانہ میں اس کنونشن پر ایک معروف اخباری نمائندہ نے یہ تاریخی تبصرہ کیا تھا — کہ ان تین دنوں کی (جب یہ کنونشن بمبئی میں منعقد ہو رہا ہے۔) خصوصیت یہ ہے کہ ہندوستان کا ہر سرکردہ مسلمان ان دنوں میں بمبئی میں موجود ہے — بہرحال چوپاٹی کے میدان میں پچاس لاکھ انسانوں کا جم غفیر یہ معلوم کرنے کیلئے بیچین تھا کہ اس کے اکابر اور رہنما کیا فیصلہ کرتے ہیں — اس تاریخ ساز موقع پر حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی نے اس اجتماع میں جو تقریر کی وہ بھی تاریخ کا ایک شاہکار بن گئی تھی — حضرت مفتی صاحب نے فرمایا تھا کہ:

در یہ لاکھوں مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ مسلمان دین و شریعت اور مسلم پرسنل لا میں کسی قسم کی تبدیلی کو

پھر [illegible] برداشت [illegible] حکومت کے دور میں [illegible]

کہ اس عظیم بے مثال اجتماع کے دل کی دھڑکنیں کیا کہہ رہی ہیں۔

جہاں تک ہمارے پریس ---- نام و نہاد قومی پریس کا تعلق ہے تو کل صبح آپ دیکھیں گے۔ کہ اس کی کوئی خبر نہیں آئے گی۔ بلکہ اس اجتماع سے الگ ایک بند کمرے میں جو چند آدمی۔ چند نام نہاد مسلمان۔ حمید دلوائی کی ٹولی جو تنگ کر رہا ہے اس کی خبر شائع ہو گی۔

حضرت مفتی صاحب نے پورے جوش ایمانی کے ساتھ اعلان کیا تھا کہ حالات چاہے کچھ ہوں اور ہمیں چاہے کتنی ہی قربانیاں دینی پڑیں لیکن کسی طرح کی کوئی تبدیلی دین و شریعت میں برداشت نہیں کی جائیگی۔

اس موقع پر کی گئی تقریر میں حضرت مفتی صاحبؒ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ کس طرح حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ اسی طرح قومی پریس کا وہ رویہ جس کی طرف حضرت مفتی صاحب نے ایک پیش گوئی کے طور پر اشارہ کر دیا تھا آج اس کا کردار اسی پرسنل لا کے بارے میں جیسا کچھ رہا ہے وہ اس ملک کی جمہوریت، نیک نامی اور سیکولرزم کے دامن پر ایک سیاہ بدنما اور رسوا کن داغ ہے،

اس تاریخ ساز اجتماع میں حضرت مفتی صاحب نے اپنے دیگر رفقائے گرامی سے ملکر اتحاد ملی کا جو ایک عظیم الشان مرکز قائم کرایا تھا اتحاد کی جو اسپرٹ قائم کر دی تھی اور زندگی کے آخری سانس تک وہ جس طرح مسلمانوں میں، مسلم جماعتوں میں جس طرح اتحاد فکر و عمل کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے حق یہ ہے کہ ان کے انتقال کے دس سال بعد ---- مسلمانوں نے جس ملی اتحاد کا ثبوت دیا اور اس مسلم پرسنل لا لیڈر نے جس طرح دانش مندی بالغ البصیرت اور ہوش مندی کے ساتھ پرسنل لا کی مہم کو کامیابی کی منزل

ک ہو چکا اس سے یقیناً حضرت مفکر ملتؒ اور حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب جیسے بزرگوں کی روحیں جنت میں خوشی سے پھولے نہ سما رہی ہوں گی۔

اپنے اسلاف و اکابر کی یاد اور ان کے نقوش قدم اور ان کے افکار و تجربات کی تجلیوں اور ضیا باریوں سے اپنے فکر و شعور اور اعمال و کردار کو منور کرنا اور سینوں کو ان سے معمور کرنا اگر کوئی اہمیت رکھتا ہے اور اگر اس ناقابل انکار سچائی سے بخوبی واقف ہیں کہ جو قوم اپنے بزرگوں، اسلاف کرام اور قومی ہیروؤں کو انکی عظیم الشان خدمات کو بھلا دینے کا جرم عظیم کرتی ہے وہ اس دنیا میں عزت و سرخروئی اور عظمت و سربلندی کے ساتھ زندہ رہنے کے حق سے محروم کر دی جاتی ہے، تو ہم آپ سے پوری دلسوزی و دردمندی کے ساتھ گذارش کریں گے کہ حضرت مفکر ملت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہم اللہ کے لئے ایصال ثواب کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔ اور ان کے چھوڑے ہوئے مشن اور تحریکوں کو بڑی سے بڑی قربانی دیکر زندہ و تابندہ رکھنے کی کوشش فرمائیں۔

امید کہ یہ گذارش صدا بصحرا ثابت نہ ہوگی۔

# مولانا اکبرآبادی مرحوم اور برہان

مسعود انور علوی کاکوروی

بعض چیزیں اللہ تعالیٰ نے لازم و ملزوم پیدا کی ہیں۔ برہان کا نام آتا تھا تو ساتھ ہی مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم کا تصور ابھرتا تھا گویا وہ اور ماہنامہ برہان ایک جزو لاینفک تھے یہ لگتا تھا کہ وہ برہان سے اور برہان ان سے الگ ہی نہیں ہو سکتے۔

برہان کا سب سے پہلا پرچہ جولائی ۱۹۳۸ء / جمادی الاول ۱۳۵۷ھ میں ندوۃ المصنفین دہلی سے جس کی تشکیل "اعیان ثلاثہ" کے ہاتھوں ہوئی جاری ہوا۔ اعیان ثلاثہ میں پہلا نام مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی، دوسرا نام مولانا سعید احمد اکبرآبادی اور تیسرا نام مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہم اللہ کا تھا۔

ماہنامہ برہان نے جولائی ۱۹۳۸ء سے آج تک جس قدر تاریخی، تہذیبی اور علمی و ادبی موضوعات پر متنوع مضامین شائع کیے وہ آپ اپنی نظیر ہیں۔ مولانا اکبرآبادی مرحوم کو برہان سے جیسا کچھ ربط و ضبط بلکہ قلبی لگاؤ اور عشق تھا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ مرحوم باوجود اپنی گوناگوں مصروفیتوں، شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی کی صدارت [illegible] [illegible] [illegible]

کی ادارت بعض اہم مجبوریوں اور بیرون ملک قیام کے باعث نہ کر سکے، مجھے خوب یاد ہے کہ علی گڑھ کے دوران قیام اکثر و بیشتر دماغی الجھنیں، پریشانیاں اور بیماریاں حائل ہونے کے باوجود برہان کے نظرات اور اس کی ادارت کے فرائض بڑی خوبی سے انجام دیتے رہے۔

مولانا نے برہان کے ذریعہ ملک و ملت کی جس طرح بے لوث خدمت کی وہ ناقابل انکار ہے۔ یہاں کا گراں مایہ احسان ہے کہ انھوں نے وقت کی نبض پہچان کر سیاسی معاشی، اقتصادی، اسلامی، ملکی و ملی مسائل، فرقہ پرستی، اقلیت، مسلمانوں میں ملی شعور کے فقدان، مسئلہ تعلیم، وقتی امور اور مستقل معاملات پر بڑے دلنشیں اور سلجھے ہوئے انداز میں قلم اٹھایا۔ نہ صرف نظرات بلکہ شئون علمیہ اور نقد و تبصرہ کے عنوانات سے بھی اپنی علمی بصیرت اور وسعتِ معلومات کے بے شمار نمونے پیش کیے۔ تاریخی گتھیوں کو سلجھایا، سیاسی ادبی و لسانی مسائل پر خود بحث و تمحیص کی اور دوسروں کو دعوت دی، اکثر یہ ہوا کہ نظرات میں کچھ لکھا اور بعد میں حقائق اس سے مختلف نکلے تو بڑی فراخدلی سے اپنے سابقہ خیالات کی تردید کی اور رجوع کیا۔ یہ معمولی چیز نہیں بلکہ ان کی عظمت کی دلیل ہے۔ انھوں نے تنہا ہی برہان کی تن من دھن سے خدمت نہ کی، بلکہ دوسروں خصوصاً نوآموز اور مبتدیوں کو بھی دعوت دی۔ ان کی ہمت افزائی کی بلکہ بعض اوقات انھیں انگلی پکڑ کر چلایا اور ان میں خود اعتمادی پیدا کی۔

مولانا نے اپنے سیکڑوں ملنے والوں، جاننے والوں، ارباب حل و عقد، سیاست داں

---

مولانا مرحوم کے حالات زندگی اور علمی کارناموں سے متعلق راقم احقر کا مقالہ "مولانا اکبرآبادی مرحوم۔ من نگر شمع چو رفتم بزم برہم ساختم" انشاء اللہ کسی قریبی شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

علامہ رشا ہیر کی وفات پر جس طرح اپنے رشحات قلم سے اپنے قلبی [illegible] احساسات کا اظہار کیا وہ بھی آپ اپنی نظیر ہے، بعض مقامات پر [illegible] ذہن رسا کی جدت طرازی، اسلوب کی ندرت بیانی قابل صد تحسین ہے۔

برہان کا پہلا شمارہ بہتر صفحات پر مشتمل تھا صرف ستمبر، اکتوبر یا نومبر ... کے شماروں کی ضخامت گھٹ کر بائیس صفحات ہو گئی تھی، ورنہ عموماً بہتر ... اور بہتر صفحات ہی رہے۔ قارئین برہان بخوبی جانتے ہیں کہ مولانا مرحوم نے اخیر وقت تک برہان کے معیار کو حتی الوسع گرنے نہ دیا۔

راقم احقر نے اس مقالہ میں اس بات کی ادنیٰ کوشش کی ہے کہ برہان میں شائع شدہ ان کی تحریروں، خواہ وہ اہم مسائل پر نظرات ہوں یا مقالات سبھی کی حتی الوسع ایک فہرست مرتب ہو جائے یہ ادعا تو نہیں ہے کہ مطبوعہ یا سب سبھی جمع ہو گئے ہیں مگر سوا چند شماروں کے جو دستیاب نہ ہو سکے تقریباً تمام تحریروں کی فہرست پیش ہے۔ وفیات بھی سوا ایک دو کے سبھی ان ہی کے قلم کی ہیں۔ بعض نظرات اپنی دانست میں کچھ زیادہ اہم نہ ہونے کی بنا پر نظر انداز کر دیے ہیں۔ نقد و تبصرہ کے عموماً صرف وہی عنوانات لیے ہیں جن پر مستقل مقالہ ہے۔

۱: مسلمانوں کے تعلقات غیر قوموں کے ساتھ —— برہان کا پہلا مضمون ۱/۲، ۳ اگست ستمبر ۱۹۳۸ قرون اولیٰ میں۔

۲: تفہیم قرآن (ن) نظرات ۱/۳، ۶، ۲/۲، ۵، ۶

۳: عدم تشدد یا صبر (ن) ۶/۲

۴: واردھا اسکیم اور ودھیا مندر اسکیم (ن) ۲/۱

۵: عربی زبان کی ترویج و اشاعت ۶/۴

۶: اسباب عروج و زوال اُمت ۸/۱، ۲

۷: حضرت عبداللہ بن مبارک ۴/۴

۸: ابو محفوظ معروف بن فیروز الکرخی ۴/۴

۹: قبۃ الصخرہ، پہلی صدی ہجری کی سب سے زیادہ خوبصورت عمارت ۲/۵

۱۰: لاہور میں اسلامی جماعت کی تشکیل حکومت الٰہی کے قیام کے لیے۔ ن ۱/۸

۱۱: نظرات ۸ر کے جواب میں مولانا منظور نعمانی نے جو کچھ لکھا اس کا جواب — ۳/۸

۱۲: نیاز فتحپوری کے دس سوالات کے جوابات (ن) ۴/۵

۱۳: وحی الٰہی ۵/۵، ۶، ۶/۱- ۵

۱۴: پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کے علمی رجحانات ۳/۹ - ۴

۱۵: ہندوستان میں تعلیمی مشکلیں اور ان کا حل۔ ۱/۱۲

۱۶: علمائے کرام سے خطاب ن ۴/۲ - ۶

۱۷: فرقہ وارانہ فسادات ۱۷/۵، ۱۸/۱

۱۸: موجودہ فسادات اور اسلام ۶/۱۸

۱۹: مدارس عربیہ کے لئے ایک لمحہ فکریہ ۳۲/۱، ۳۲/۳، ۳۴/۲

۲۰: عربی مدارس، نصاب تعلیم ۱۸/۳، ۴

۲۱: علی گڑھ، دیوبند، ندوہ، جامعہ (ن) ۵۲/۱

۲۲: آچاریہ کرپلانی کا بیان اور ہندو مسلمان (ن) ۵/۲۰

۲۳: تقسیم، مسلمانوں کی پچھلی سیاست اور جمعیۃ العلماء (ن) ۴/۲۰

۲۴: زبان، ہندو مسلم کلچر، ہندوستان - ن ۱/۲۲

۲۵: دھلی کی تباہی۔ ۱/۲۰ - ۲

۲۶: ہندوستان اور اسلام — ن ۶/۲۳

۴۸: مولانا عبیداللہ سندھی - ایک تبصرہ پر تبصرہ ۳/۱۲-۶۷ء/۱۴/۱/۴

۴۹: نگار فتنہ گر (ن) ۲/۵

۵۰: حالی اور پیروی مغربی ۲۰۱/۱۷

۵۱: ہندی ادب کی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ (تلخیص) ۳/۲۵

۵۲: ابوالکلام آزاد اور صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی کے تعلقات۔ ۳/۲۵

۵۳: اقبال کی کہانی، مؤلف ظہیر الدین جامعی پر تبصرہ ۲/۳۰

۵۴: رسالہ طلوع اسلام اور پرویز صاحب پر اعتراضات (ن) ۱/۹

۵۵: مولانا مودودی کے فتوی کا جائزہ (ن) ۳/۲۷

۵۶: گائے کی قربانی (ن) ۴/۲۵

۵۷: مسئلہ قربانی اور مسلمان (ن) ۶/۲۵

۵۸: جدید سائنس قدیم فلسفہ کے نسبت اسلام سے زیادہ قریب ہے۔ (ن) ۲-۳/۲۸

۵۹: ہندوستان اور پاکستان (ن) ۱/۲۵

۶۰: ہم کہاں ہیں ؟ (ن) ۳/۲۴

۶۱: مسلمان اور پاکستان۔ " ۵/۲۵

۶۲: ٹنڈن جی ہندو کلچر مسلمان اور بھارت (ن) ۶/۲۴

۶۳: مسلمان پر عذاب، ہندو سکھ لوٹ " ۱/۲۳

۶۴: پاکستانی گورنمنٹ کی اسلامی حیثیت اور اس میں غیر مسلموں کا درجہ و مقام۔ ۵/۲۴

۶۵: جمعیۃ العلماء کے سالانہ اجلاس حیدرآباد کے موقع پر جمعیۃ کو مشورے (ن) ۴/۲۶

۶۶ جمعیۃ کے اجلاس کے بعد ۶/۳۳

۶۷: جمعیۃ کے طریق کار پر تنقید۔ مسلمانوں کے لئے کیا کرنا چاہیے۔ ۴/۲۷

۶۸: دہلی کی تباہی۔ ۲۰-۱/۲۰

۶۹: پیہم سجود پائے صنم پر دم وداع مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں (ن) ۶/۳۴

۷۰: بہار و بنگال کے مسلمانوں میں ہندوانہ شادی کی رسوم (ن) ۱/۳۱

۷۱: مسلمانوں میں ملی شعور کا فقدان (ن) ۶/۳۶

۷۲: اسلامی جمہوریہ پاکستان کا اعلان۔ مارچ ۵۶ء میں (ن) ۴/۳۶

۷۳: جمعیۃ العلماء ہند کے زیر قیادت بمبئی میں دینی تعلیمی کنونشن (ن) ۲/۳۴

۷۴: اسلامی جماعت ہند میں تیزی کے سے پھیل رہی ہے اس کا سبب (ن) ۵/۳۸

۷۵: علی گڑھ (ن) ۶/۳۷

۷۶: ہندوستان کے فسادات (ن) ۵/۴۴

۷۷: مسلمان کیا کریں؟ (ن) ۳/۴۳

۷۸:۔ مسلمانان ہند ۱/۴۴

۷۹: دیوبند (ن) ۱/۴۵

۸۰: ایک انگریزی روزنامے کی ملی منشور (ن) ۲/۴۳

۸۱: اقبال کا ایک شعر اور اس کا مفہوم ۵/۲۱

۸۲:۔ اردو جیت رہی ہے (ن) ۳/۴۱

۸۳: اردو پر مولانا حفظ الرحمٰن کی تقریر، پارلیمنٹ چراغ پا ۴/۲۳

۸۴:۔ اردو ہندوستان میں ۳/۲۳

۸۵: پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ سے متعلق اپنی تقریری (ن) ۲/۲۲

۸۶: مالک بن نویرہؓ اور خالد بن الولیدؓ ۱/۲۷

# وفیات

اقبال
اکبر شاہ خاں
سید سراج احمد رشیدی
۱/۱ جولائی ۲۸ ۱۹ء — نظرات کے کالم میں

شوکت علی مرحوم — ۶/۱
سعید انصاری — ۶/۵
سید شاہ سلیمان — ۴/۶
ابو المحاسن محمد سجاد بہاری — ۶/۵
احسن مارہروی — ۴/۵
معین الدین اجمیری — ۳/۴
۱- مصطفیٰ کمال — ۶/۱
۱- ٹالسن — ۵/۲
۱- مولانا اشرف علی تھانوی — ۲/۶
۱۱- طفیل احمد منگلوری — ۵/۱۲
۱۴- علامہ طنطاوی جوہری — ۳/۴
۱۵- مولانا عبید اللہ سندھی — ۳/۱۲
۱۶- فرحت اللہ بیگ — ۵/۱۱
۱۷- محمد میاں منصور — ۵/۱۶
۱۸- امیر شریعت شاہ محی الدین قادری، — ۱/۱۸
۱۹- گاندھی جی، آہ لعل شب چراغ ہند — ۳/۱۱
۲۰- محمود شیرانی — ۵/۱۱

۲۱- مولانا الیاس کاندھلوی ۹/۱۸
۲۲- محمد علی جناح ۴/۲۱
۲۳- مولانا شبیر احمد عثمانی ۱/۲۴
۲۴- تاجور نجیب آبادی ۲/۲۶
۲۵- ڈاکٹر ابرار حسین والد مولانا اکبر آبادی
والدہ مفتی عتیق الرحمن ۲/۲۹
۲۶- مولانا حسرت موہانی ۶/۲۶
۲۷- سیماب اکبر آبادی ۲/۲۶
۲۸- مولانا سید سلیمان ندوی ۶/۲۱
۲۹- مولانا حبیب الرحمن شروانی ۳/۲۵
۳۰- حبیب الرحمن لدھیانوی ۳/۲۷
۳۱- مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی ۲/۲۱
۳۲- آصف علی ۵/۳۰
۳۳- سید ابوالنظر رضوی ۵/۳۶
۳۴- ابن سعود ۶/۳۱
۳۵- مولانا اسلم جیراجپوری ۱/۳۶
۳۶- بشیر الدین اٹاوی ۱/۳۷
۳۷- شانتی سروپ بھٹناگر ۲/۳۴
۳۸- شفیق الرحمن قدوائی ۶/۳۰
۳۹- رفیع احمد قدوائی ۹/۳۳
۴۰- خواجہ حسن نظامی ۲/۳۵

۴۱- مولانا حسین احمد مدنی [illegible]
۴۲ اقبال سہیل ۱/۲۵
۴۳ مولانا اعزاز علی ۴/۲۳
۴۴ مولانا آزاد سبحانی ۲/۲۹
۴۵ ابوالکلام آزاد ۲/۴۰
۴۶ اے کیمن بنگال چیمبر آف کامرس ۴/۲۳
۴۷ مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری ۱/۲۸
۴۸- یعقوب الرحمن عثمانی ۵/۲۸
۴۹- نہال سیوہاروی ۱/۲۸
۵۰- تحریکات مولانا مناظر احسن گیلانی ۱/۳۷
۵۱- عبدالسلام ندوی
۵۲- عطاء اللہ شاہ بخاری ″/ ۴/۴۸
۵۳ عبداللہ یوسف علی ۱/۳۲
۵۴ مفتی عبداللطیف سہارنپوری ۳/۳۳
۵۵ لیاقت علی خاں ۵/۲۷
۵۶ کشن پرشاد کول ۲/۳۴
۵۷- قاضی عبدالغفار ۲/۳۶
۵۸- شاہ حلیم عطا ۵/۳۵
۵۹ عبدالرحمن ۳/۳۳
۶۰- عبدالحق مدنی ۶/۳۵
۶۱- ضیاء الدین احمد ۵/۲۸

| | |
|---|---|
| ۱۰۴ - پرویز شاہدی | ۲/۶۱ |
| ۱۰۵ - مظفر خاں یوسفی | ۲/۶۱ |
| ۱۰۸ - لقاء اللہ عثمانی | ۲/۶۲ |
| ۱۰۹ - مفتی محمود احمد نانوتوی<br>۱۱۱ - قاری حفظ الرحمٰن | ۲/۶۲ |
| ۱۱۳ - ڈاکٹر ذاکر حسین | ۵/۶۲ |
| ۱۱۵ مولانا رسول خاں (استاد) | ۵/۶۷ |
| ۱۱۷ ڈاکٹر سید عبداللطیف<br>۱۱۹ غلام رسول مہر | ۶/۶۷ |
| ۱۲۱ - خواجہ غلام السیدین<br>۱۲۳ - احتشام الحسن کاندھلوی<br>۱۲۵ - مولانا عبدالباری حادی | ۱/۶۸ |
| ۱۲۷ - الحاج مولانا محمد اسماعیل<br>۱۲۹ مولانا سید فخرالدین احمد | ۵/۶۸ |
| ۱۳۱ عبدالستار صدیقی | ۳/۶۹ |
| ۱۳۳ پروفیسر سید احتشام حسین | ۴/۶۹ |
| ۱۳۵ - سید عبدالرحمٰن صاحب<br>۱۳۷ - عبداللطیف نعمانی<br>۱۳۹ عبدالقیوم انصاری<br>۱۴۱ - غلام احمد فرقت کاکوروی<br>۱۴۳ - مولانا عبدالصمد رحمانی | ۲/۷۰ |

| | |
|---|---|
| ۱۰۶ - پروفیسر [illegible] | [illegible] |
| ۱۰۷ - مفتی انتظام اللہ شہابی | |
| ۱۱۰ - اسرار احمد<br>۱۱۲ - قاری محمد یوسف<br>۱۱۴ رشید حسن صدیقی | ۲/۶۶ |
| ۱۱۶ - ڈاکٹر سید محمود<br>۱۱۸ - اسد اللہ کاظمی | ۴/۶۷ |
| ۱۲۰ - شاہ فیصل | ۵/۷۲ |
| ۱۲۲ ڈاکٹر عبدالعلیم وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی | ۳/۷۲ |
| ۱۲۴ - ڈاکٹر زبیر صدیقی | ۴/۷۲ |
| ۱۲۶ سید مہدی حسن شاہ جہاں پوری | ۵/۷۲ |
| ۱۲۸ - شیخ علال الفاسی المراکشی | ۶/۷۳ |
| ۱۳۰ - سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین | ۲/۷۳ |
| ۱۳۲ - مولانا شاہد فاخری | ۴/۷۵ |
| ۱۳۴ - مولانا سید محمد میاں<br>۱۳۶ - آغا شورش کاشمیری | ۵/۷۵ |
| ۱۳۸ - ڈاکٹر میر ولی الدین<br>۱۴۰ - مولانا اسمٰعیل سنبھلی | [illegible] |
| ۱۴۲ - شاہ معین الدین [illegible]<br>۱۴۴ - [illegible] | [illegible] |

مولانا اکبر آبادی مرحوم نہ صرف ایک بلند پایہ عالم اور نکتہ سنج ادیب تھے بلکہ شاعر بھی تھے مگر بقول خود کے کہ ایک مرتبہ اپنے ابتدائی دور میں جب کہ میرے ارزاں قسم کے مضامین و مقالات پنجاب کے بعض ادبی رسالوں میں شائع ہوتے تھے، ایک نظم کی نسبت خیال ہوا کہ معارف جیسے معیاری رسالہ کے معیار کے لائق ہے مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کی خدمت میں ارسال کر دی، مولانا نے یہ نظم واپس کرتے ہوئے بڑی

محبت اور شفقت کے ساتھ تحریر فرمایا ہو آپ اس نظم نویسی کے چکر میں کہاں پھنس گئے ہیں
مرتبے سے گری ہوئی چیز ہے۔ کچھ محنت کیجیے، اور مقالہ نویسی پر توجہ کیجیے۔ قوم کو آپ سے
اسی کی توقع ہو سکتی ہے۔ اور یہی ہونی چاہیے۔"

مولانا موصوف پر اس خط کا یہ ردعمل ہوا کہ بقول ان کے میں نے مولانا کے گرامی نامے
کے جواب میں یہ شعر لکھ دیا۔

کون ہوں، کیا ہوں، کہاں ہوں، سب حقیقت کھل گئی
تو نے وہ ٹھوکر لگائی چشم علت کھل گئی

راقم احقر کی نظر سے مذکورہ بالا شماروں میں مولانا مرحوم کی چار غزلیں جولائی ۱۹۳۱ء
نومبر ۳۲ء، دسمبر ۵۲ء، اگست ۵۷ء گذریں۔

مندرجہ بالا فہرست چونکہ مختلف اوقات میں نقل کی گئی اسلئے تسلسل قائم نہ رہ سکا
یہی صورت وفیات کی کھلا رہی۔

# ڈاکٹر نورالنبی مرحوم

(حمید نسیم رفیع آبادی، ایم، اے، علی گڈھ)

ڈاکٹر نورالنبی صاحب، ۸ جنوری ۱۹۸۳ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے، مرحوم ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کو بہار میں پیدا ہوئے، انھوں نے ۱۹۵۲ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے بی، اے آنرس (فلسفہ) میں کیا، اور ۱۹۵۴ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم، اے کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا، ۱۹۵۸ء میں موصوف نے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ ہی سے ڈاکٹر ظفر الدین مرحوم کی نگرانی میں P.H.D کی ڈگری حاصل کی، اس کے بعد مسلم یونیورسٹی میں ۱۹۵۵ء میں لکچرر مقرر ہوئے، ڈاکٹر صاحب نے Visiting professor کی حیثیت سے اولڈ ڈومینین، نارفاک (Norfolk، old Dominion) شکاگو ڈیاب (Deals) اور مسلم کمیونٹی سینٹر شکاگو (امریکہ) میں لیکچر دیئے، مرحوم نے فلسفہ اور مذہب سے متعلق کم و بیش ۲۲ کانفرنسوں میں شمولیت فرمائی جو ہندوستان اور بیرونی ممالک مختلف جگہوں پر منعقد ہوئیں۔ ڈاکٹر صاحب کے چالیس سے زیادہ مقالات مختلف فلسفیانہ، مذہبی، دینیاتی اور صوفیانہ موضوعات پر ہندوستان اور دنیا کے مشہور علمی رسالوں میں چھپے، آپ کی تین باقاعدہ کتابیں ہیں، ان کی کتاب —— علمی حلقوں میں خاصی مقبول ہوئی۔ مرحوم حال ہی میں امریکہ میں کئی کانفرنسوں میں شمولیت کی غرض سے تشریف لے گئے تھے، وہاں ہی ان کے بائیں پاؤں میں زخم ہوگیا، اور ذیابیطس

(حاشیہ: [illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible])

کے مرض میں پہلے ہی سے مبتلا ہونے کی وجہ سے اس زخم نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور آخر کار وہی ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا آخری زخم ثابت ہوا۔

نور النبی صاحب کا منصوبہ تھا کہ وہ مسلم فلسفہ اور اسلامی تصوف کے اصلی ماخذ تک رسائی کے ذریعے مسلمانوں کے عظیم علمی کاموں اور کارناموں کی از سر نو تفتیش کا گرانبار کام انجام دیں۔ اس سلسلے میں آپ نے مختلف موضوعات جیسے ارسطو اور ابن رشد، شاہ ولی اللہ دہلوی، مجدد الف ثانی، شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی، گیسو دراز، بابا فرید صاحبؒ، محمد جائسی وغیرہ جیسی اہم اور عہد ساز شخصیتوں اور ان کے فلسفوں اور تعلیمات کو اپنی صحیح اور اصل صورت میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے کام کا آغاز بھی کرایا تھا۔ اس کے علاوہ مرحوم کے پیش نظر غزالی کی "تہافۃ الفلاسفہ" کے تنقیدی جائزے اور ابن عربی کے فلسفہ "وحدۃ الوجود" پر کام کے بھی منصوبے تھے کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ لوگوں نے ابن عربی کو غلط انداز سے سمجھنے کی کوشش کی ہے وہ کہتے تھے کہ اگر ان کے فلسفہ کے اصل ماخذ سے مدد لے کر جائزہ لیا جائے تو ان کے متعلق شکوک و شبہات دور ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ابن رشد کی کتاب "فصل المقال" کا اردو میں ترجمہ کرایا، اس پروجیکٹ کے لیے U.G.C نے گرانٹ بھی منظور کر لی تھی ۔ مگر نہ معلوم قدرت کو کیا منظور تھا کہ ڈاکٹر نور النبی صاحب صرف ۵۲ سال کی عمر میں ان تمام اہم منصوبوں کو ادھورا چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم بہت سارے محاسن حسنہ کا مجسمہ تھے، سب سے بڑی خوبی جو ان میں تھی وہ یہ تھی کہ ان کو اپنے مذہب، اپنی تہذیب اور اپنے شاندار علمی ورثے کی عظمت کا احساس اور اس کے احیاء کا جذبہ تھا وہ مغرب کے فلسفہ اور علوم جدیدہ میں اس کی ترقی سے مرعوب نہیں تھے، یہی وجہ ہے کہ فلسفہ پڑھنے اور پڑھانے کے باوجود انھوں نے کبھی بھی مذہب اور تصوف کے موضوع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا بلکہ ہر موقع پر فلسفہ کی مدد سے مذہب کو جاندار انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتے رہے

مغرب کے اندھے مقلد نہ تھے، بلکہ اس کے برعکس ان کو اپنے مذہب، اپنی تہذیب اور اپنے اسلاف کے کارناموں کے ساتھ ایک والہانہ لگاؤ تھا، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے حکمت اور فلسفہ کے ان سرچشموں کا کھوج لگانا شروع کیا تھا جو ہمارے مسلمان حکماء اور صوفیا نے بڑی کاوش اور محنت سے فراہم کیے ہیں۔ نور النبی صاحب مرحوم ان لوگوں کی طرح نہیں تھے جو احساس کمتری میں مبتلا ہو کر اپنے ماضی اور مذہب سے کنارہ کش ہو کر مغرب سے بلند ہونے والی ہر آواز پر فریفتہ ہوتے اور بقول سارتر (Sartre) ان مرعوب دانشوروں کی طرح نہ تھے جو اپنے لوگوں کو پیرس، لندن اور ایمسٹرڈم (Amsterdam) سے بلند ہونے والی آواز (PARATHERHWD) اور "THENIN" پر "PARATHEN" "Mood-THERHWD" کی صدائے بازگشت دیتے۔ اس کے برعکس ان کو یقین تھا کہ مسلمان فلسفیوں، حکما، اطبا اور صوفیا کے کارنامے بذات خود اتنے دقیع اور قابل قدر ہیں کہ یہ ہم کو مغرب کے تمام ملحدانہ اور مادہ پرستانہ فلسفوں سے نہ صرف بے نیاز کر سکتے ہیں بلکہ ہماری ہر جہت ترقی اور کامیابی کے محرک بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر مرحوم کا یہ بھی ادعا تھا کہ موجودہ علوم و فنون اور فلسفہ میں مغرب نے جو ترقی کی ہے اس کی بنیاد سب سے پہلے مسلمانوں نے ہی رکھی تھی اور مغرب نے اسی بنیاد پر اپنے علمی کارناموں کو مرتب کیا۔ مگر اپنے اولین معلمین مسلمانوں کے بجائے ساری علمی ترقی کا سہرا اپنے سر باندھنا چاہا۔ یہی وجہ تھی کہ نور النبی صاحب چاہتے تھے کہ مسلم فلسفہ اور دوسرے علوم کو اپنے بنیادی ماخذ (ORIGINLS OURLES) سے حاصل کر کے تحقیق و تفتیش کے بعد دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ مسلمان مرعوبیت اور احساس کمتری سے نکل کر اپنے تہذیبی اور مذہبی ورثے کو نہ صرف محفوظ رکھ سکیں بلکہ اس کو اور ترقی بھی دے سکیں۔

مرحوم ڈاکٹر صاحب دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں پر ہونے والی [illegible] اور مظالم کی خبریں سن کر بے چین ہو جاتے تھے، اور وہ باقاعدہ دنیا کے حالات اور خصوصاً مسلمانوں کے حالات سے مکمل آگہی رکھتے تھے، اور جب کبھی ان کو موقع ملتا کہ وہ ان حالات پر تبصرہ کریں تو ان کے دلسوزی اور ہمدردی میں ڈوبے ہوئے الفاظ سامعین کے دلوں کو چھو جاتے تھے، اور ان میں خود بخود کچھ کرنے کا جذبہ بیدار ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مرحوم غریبوں، مسکینوں اور [illegible] گرے پڑے طبقے کے ساتھ بہت ہمدردی رکھتے تھے، اور ان کے دکھ درد میں برابر کے شریک حال رہا کرتے تھے نہ صرف خود انکی مدد کرتے بلکہ اپنے سے وابستہ گوناگوں قسم کے لوگوں اور شاگردوں کو بھی ان کی مدد کرنے پر ابھارتے تھے۔ اپنے شاگردوں کی مدد کرنا ان کی پڑھائی اور دیگر کاموں کے متعلق ان کو مشورے دینا اور رہنمائی کرنا، اور ان کے ساتھ انکی اخلاقی و دینی لحاظ سے تربیت کرنا اور انکی صلاحیتوں کو نشوونما دینا ڈاکٹر صاحب کی بہت ساری خوبیوں میں سے چند نمایاں خوبیاں تھیں مرحوم اس شعر کے حرف بہ حرف مصداق تھے:

؎ درغم دیگر بسوز و دیگران راهم بسوز،

محنت اور عمل مرحوم کی زندگی کے دو مستقل اصول تھے وہ نہ صرف اس پر خود کاربند رہتے تھے بلکہ اپنے ساتھ کام کرنے والے تمام لوگوں کو بھی اچھی زیورات سے آراستہ کرنے کے لئے کوشاں رہتے تھے،

اسلام کے ساتھ نور النبی صاحب کو والہانہ عقیدت تھی، چنانچہ اسلام مخالف حلقوں اور مغرب زدہ اور مارکسسٹ مسلمانوں کی طرف سے [illegible] کا مرحوم مسکت جواب دیتے تھے، اپنے شاگردوں کو ہر وقت [illegible] کے ساتھ چمٹے رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے [illegible] افزائی کرتے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات [illegible]

محبت اور عشق تھا عشق رسول نے آپ کو اتنا گرویدہ بنادیا تھا کہ جیسا ہی کسی کی طرف سے رسول اللہؐ یا صحابۂ رسولؐ کے بارے میں کسی معمولی قسم کا اعتراض یا انکی شان میں سوئے ادب کا اظہار ہوا دیکھتے تو بے چین ہو جاتے تھے اور گرجتی ہوئی آواز میں معترض پر برستے تھے چنانچہ اپنے مرض الموت میں ڈاکٹر صاحب مرحوم راقم اور حیات عالم کو بار بار زیارۃ قبر النبیؐ سے متعلق احادیث تلاش کرنے کے لیے کہتے اور جب ہم نے ان کو "من زار قبری وجبت له شفاعتی" والی حدیث سنائی تب جاکے ان کو اطمینان ہوا۔

آخر میں ڈاکٹر نور النبی مرحوم کے متعلق صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اسلاف کی ایک یادگار تھے، ان کے علمی اور عملی منصوبے اتنے عظیم اور اہم تھے کہ جیسے وہ اسلامی فلسفہ اور تصوف کی از سر نو تدوین و تجدید کرنا چاہتے ہوں۔ اگرچہ مرحوم اب ہم میں موجود نہیں ہیں۔ مگر اس کے باوجود ۵۲ سال کی مصروف ترین زندگی گزار کر انھوں نے کام کرنے والوں کے لیے نمونہ اور مثال قائم کر دی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو اپنی رحمتوں سے نوازے اور ان کے ادھورے چھوڑے ہوئے مفید علمی کاموں کو آگے بڑھانے کا جذبہ ہمارے دلوں میں پیدا کرے ؎

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ تیری نگہبانی کرے

# ایڈز "AIDS"

(عارضہ "نقصان مناعت" (شبق وغلمہ") کا

# قدیم یونانی تصور

## قرآن حکیم اور میڈیکل سائنس کی روشنی میں

¹ اقبال احمد قاسمی، ایم، ڈی (علم الادویہ)

**تعارف مرض** ایڈز "AIDS" ایک نہایت ہی بھیانک صورت حال کا نام ہے۔ جو لوگ اپنے آپ کو دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب فرد تصور کرتے ہیں آج وہی لوگ اس مہلک بیماری کا شکار اور عتاب خداوندی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ انہیں امریکہ اور یورپ کے علاوہ وہ اقوام بھی شامل ہیں جو ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

قدیم یونانی حکماء اور عرب اطباء نے اس طرح کی بیماریوں کے خطرات سے انسانیت کو بہت پہلے ہی خبردار کر دیا تھا ان کی کتابوں اور طبی تصانیف میں جگہ جگہ اس کا

---

¹ اقبال احمد قاسمی، سی ۸ ۲/ میڈیکل کالونی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ
PIN 202001 (یوپی)

ذکر ہے اس کو اطبار نے مشتق ظلمہ کا نام دیا تھا۔ قرآن پاک میں بھی اس طرح کی متعدد آیات ملتی ہیں جن میں انسانیت کو اس مہلک مرض سے بچنے اور بچانے کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔

**قرآن حکیم میں اس کا ذکر**

ولما جاءت رسلنا لوطا سیئ بهم وضاق بهم ذرعا وقال هذا يوم عصيب ۔ وجاءه قومه يهرعون اليه ومن قبل كانوا يعملون السيات قال يا قوم هؤلاء بناتي هن اطهر لكم فاتقوا الله ولا تخزون في ضيفي اليس منكم رجل رشيد ۔ (سورۃ هود۔ آیات ۷۷ - ۷۸-

— ونجيناه ولوطا الى الارض التي باركنا فيها للعالمين ۔
(سورۃ انبیاء ایت ۷۱)

— ولوطا اتيناه حكما وعلما ونجينه من القرية التي كانت تعمل الخبئث انهم كانوا قوم سوء فاسقين ۔ وادخلناه في رحمتنا انه من الصلحين ۔ (سورۃ انبیاء ایت ۷۴ - ۷۵-

اذ نجينه واهله اجمعين ۔ الا عجوزا في الغابرين ۔
(سورۃ صفت ایت ۱۳۴ - ۱۳۵)

قال ان هؤلاء ضيفي فلا تفضحون ۔ واتقوا الله ولا تخزون قال هؤلاء بناتي ان كنتم فاعلين ۔

(سورۃ الحجر آیت ۶۸، ۶۹، ۷۱-

— اذ قال لهم اخوهم لوط الا تتقون ۔ انى لكم رسول امين ۔ اتاتون الذكران من العالمين ۔ وتذرون ما خلق لكم ربكم من ازواجكم بل انتم قوم عادون ۔
(سورۃ الشعراء آیت ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۶)

— رب نجنی واہلی مما یعملون. فنجینہ واہلہ اجمعین الا عجوزا فی الغابرین، ثم دمرنا الاخرین -

(سورۃ الشعراء، آیات ۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲)

— ولوطا اذ قال لقومہ انکم لتاتون الفاحشۃ الآیۃ ائنکم لتاتون الرجال وتقطعون السبیل الآیۃ انا مہلکوا اہل ہذہ القریۃ ان اہلہا کانوا ظالمین۔

(سورۃ العنکبوت، آیات ۲۸، ۲۹-۳۱)

ان کے علاوہ دیگر بہت سی آیات ملتی ہیں جن میں اس طرح کی جنسی بے راہ روی اور فطرت کے اصولوں کی خلاف ورزی کی ممانعت کی گئی ہے اور بنی نوع انسان کو ہلاکت سے بچنے کے لئے ہدایت کے راستے دکھائے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک زندگی کے تمام شعبوں کے لئے ایک مکمل لائحہ عمل اور نظام حیات ہے۔ ہم جنس جیسے شنیع کام سے اگر انسانوں کو روکا گیا ہے تو اس کے پیچھے یقیناً کوئی بہت بڑا سربستہ راز تھا جس میں انسان کی فلاح اور بنی نوع انسان کی بھلائی پوشیدہ تھی، نوم ویقظہ، اکل وشرب اور طہارت ونجاست کے جہاں تمام تر اصول اس دائرۃ المعارف میں بیان کیے گئے ہیں وہیں پر جملہ طرح کی بیماریوں اور ہمہ نوعی مضرتوں سے انسان کو محفوظ رہنے کے لئے ایک مکمل ضابطہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

جدید تحقیقات اور سائنسی ترقیات نے رفتہ رفتہ ان تمام قرآنی تعلیمات کو محقق ثابت کر دیا ہے جنھیں اب سے کم وبیش ڈیڑھ ہزار سال پہلے خدا نے اپنے برگزیدہ نبی کے ذریعہ سے انسانوں کے سامنے صرف پیش ہی نہیں کیا تھا بلکہ "لعلکم تتفکرون" اور "فاعتبروا یا اولی الابصار" جیسے واضح الفاظ میں دعوت فکر بھی دی تھی۔ عورتوں کو چھوڑ کر کسی سے جنسی ملاپ کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف [illegible]

حامل کے باعث انسان کسی بھی مرض کا شکار ہو سکتا ہے کیونکہ ایڈز میں انسانوں کی قوت مدافعت و مناعت ختم ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے کینسر اور دیگر جلدی امراض بھی ہو سکتے ہیں۔

## اطبائے قدیم کے نظریات

یہ بیماری آج کی کوئی نئی دریافت نہیں بلکہ ابوبکر محمد بن زکریا رازی کے استاذ اور طبی دنیا میں اپنے دور کے ایک اہم ستون، ابوالحسن علی بن زین الطبری نے اپنی مایۂ ناز کتاب فردوس الحکمۃ میں پانچویں مقالہ کے چھٹے اور ساتویں باب میں صفحہ ۱۱۱ و ۱۱۲ پر ایڈز کے سلسلہ میں بڑے واضح الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے۔ انھوں نے ایڈز کے مریض کا علاج، احتیاطی تدابیر پرہیز اور دوسرے پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا ہے۔ طبری لکھتے ہیں :

| | |
|---|---|
| من تأذی بالشبق والغلمۃ | جس کو شبق وغلمہ (ایڈز) کی شکایت ہو اس کو |
| فلیتشاغل عنہ بالنظر فی الآداب | بدفعلی سے باز رہنا چاہئے۔ اور کم از کم اخلاقی |
| وغیرھا ویغتذی بکل شی بارد | اصولوں کے پیش نظر اس سے احتراز کرنا چاہئے |
| ویتباعد من النساء او یشد | ایسے مریض کو بارد یابس غذاؤں کا استعمال |
| علی ظہرہ صحیفۃ من رصاص | کرنا چاہئے، اور عورتوں سے مجامعت نہ کرے |

چنانچہ جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جنسی ملاپ کرنے والوں میں اسّی فیصدی ۸۰٪ کو ایڈز کی شکایت ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح کے مردوں کے رابطہ میں آنے والی عورتوں میں بھی تعدیہ کے نتیجہ میں یہ بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔

داؤد الانطاکی کی مایۂ ناز تالیف "النزھۃ المبتھجۃ فی تشحیذ الاذھان وتعدیل الامزجۃ" میں بھی بڑی تفصیل کے ساتھ اس مہلک مرض کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سے حاصل شدہ معلومات ہمارے لئے اور بھی دلچسپی کا سبب اس لئے ہیں کہ مصنف نے شیخ الرئیس ابن سینا کا قول نقل کرتے ہوئے "جماع غلمان" کا نقص اور اس کی مضرتیں بیان کی ہیں۔ کتاب الباب الثالث فی

کیفیۃ الغایۃ وھو الجماع" میں تحریر ہے۔

قال الشیخ ویستنبط مما ذکرہ عدم الجماع بالحائض والآئسۃ والطفلۃ وغیر ذلک) فساد الجماع فی الادبار فانها لم تخلق بشھوۃ بل تحتاج الی عنف الحرکۃ ولم تستفرغ الماء فتسقط بالوجہ الاول القوۃ وتوجب بالثانی فساد البدن بما بقی من الماء ولھذا یسقط قبل من انھا موفرۃ للقوی مقوۃ استفراغھا المنی ۔

شیخ کا قول ہے کہ مذکورہ بالا باتوں (حائضہ آئسہ اور بچی سے جماع نہ کرنا) کی روشنی میں جماع غلمان کی خرابی مستنبط ہو جاتی ہے کیونکہ انسان کی دبر شہوت کی تکمیل کے لئے نہیں بنائی گئی ہے بلکہ اس میں تو زبردستی کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جسکی وجہ سے منی کا مکمل طور پر اخراج بھی نہیں ہو پاتا لہٰذا زبردستی کرنے کے نتیجہ میں (انسان کی) قوت زائل ـــ و ساقط ہو جاتی ہے اور استفراغ کلی نہ ہونے کی وجہ سے فساد بدن لاحق ہوگا کیونکہ مادہ منویہ خارج نہیں ہو سکا لہٰذا اس سے وہ تصور باطل ہو جائیگا جس میں اس کو صرف منی خارج ہونیکی وجہ سے مزید قوی خیال کیا گیا ہے۔

. . .

. . .

چونکہ یہ ایک غیر طبعی فعل ہے اور اکمال شہوت کے باوجود منی کا اخراج نہیں ہوتا اسی لئے قوت (مناعت) ساقط و باطل ہو جاتی ہے اور بدن میں فساد و امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ ایک انوکھی بات یہ بھی ہے کہ قدیم اطبا میں کچھ لوگ ہم جنسی کو انسان کی قوت و طاقت میں اضافہ کا باعث تصور کرتے تھے، کیونکہ اس میں ان کے نزدیک استفراغ منی ہوتا تھا۔ لیکن شیخ الرئیس ابن سینا نے اسکی پرزور مخالفت کرتے ہوئے مزید لکھا ہے کہ مذکورہ وجوہات کی روشنی میں وہ تصور اور نظریہ باطل ہو جاتا ہے جس میں تصور کیا گیا ہے کہ ہم جنسی

مزید موجب فوت ہے۔

حکیم حیدر علی خان اپنی فارسی تصنیف "تسہیل العلاج" میں شعبۂ دوم در جماع کے ذیل میں رقمطراز ہیں:

و جماع غلمان از بسکہ استفراغ غیر طبعی است اگرچہ اخراج منی قلیل بود ولیکن ضعف آرد، مضر باشد۔

لڑکوں سے جماع کرنا چونکہ ایک غیر طبعی استفراغ ہے باوجود کہ اس میں اخراج منی کم ہوتا ہے لیکن یہ ضعف پیدا کرتا ہے اور اس طرح کا فعل مضر صحت ہے۔

لڑکوں کے ساتھ جماع کرنے سے ضعف لاحق ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک غیر فطری عمل ہے اور قدرت نے غیر طبعی افعال کے ارتکاب سے منع کیا ہے ورنہ اس کے برے نتائج سامنے آئیں گے، جس سے انسان کو اپنی صحت اور اپنی جان بچانی مشکل ہو جائیگی۔

علی بن زین الطبری نے اس موضوع کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ اور اپنی کتاب "الایضاح عن السمن والھزال"[1] میں "جماع فی الادبار" سے ایک باب بھی قائم کیا ہے۔

## جدید تحقیقات اور قدیم نظریات سے ان کا تعلق

ابتک کی تحقیقات کے مطابق صرف امریکہ میں تقریبا ۱۷۰۵۱ افراد اس مرض کا شکار ہو چکے ہیں[2] ابھی یہ چیز تحقیق طلب ہے کہ اس میں

---

[1] ہمارے محدود وسائل اور ذرائع کے مطابق ہندوستان کے مشہور کتابخانوں میں (بھی) اس کے نسخے نہیں ملتے۔ (اقبال احمد قاسمی)

[2] دنیا بھر میں ایڈس کے مریضوں کی تعداد ۲۰ ہزار ۸۸ ہوگئی ہے عالمی صحت تنظیم کے مطابق ۵۷ میں سے ۴۲ ممالک نے رپورٹ دی ہے کہ انکے یہاں ایڈس کا کوئی مریض نہیں ہے (اقبال احمد قاسمی)

کون سے جراثیم اثرانداز ہوتے ہیں۔ ان ملکوں میں جہاں ہم جنسی عام ہو یا اسفال کو فعل کیا جاتا ہو وہاں اس مرض کے بہت تیزی سے پھیلنے کے امکانات ہوتے ہیں لوطی کا پیسہ شکار مفعول ہوتا ہے اس سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم جنسی کی وبا کو ختم کیا جائے جس کی تائید علی بن زین الطبری کے قول "فیشتاغل عنه بالنظر فی الآداب وغیرها"، سے ہوتی ہے۔

ایڈز کی دریافت سب سے پہلے امریکہ میں اس وقت ہوئی جب ایک امریکی سائنسداں نے HUMAN·T·CELL.LEUKAEMIA·VIRUS دریافت کیا، اس فیروس کو LAV VIRUS بھی کہتے ہیں۔ جو رقیق مادوں کے ذریعہ جسم انسانی میں داخل ہو جاتا ہے، مادۂ منویہ اس طرح کے فیروس کے جسم میں پھیلنے کا سب سے اہم سبب بنتا ہے، یہ فیروس۔ آنسو، خون، مادۂ منویہ، اور لعاب دہن میں پایا جاتا ہے۔

چونکہ اس میں انسان کی قوت مناعت جو ایک قدرتی عطیہ ہے کمزور یا ختم ہو جاتی ہے اور طبیعت کا مدافعانہ عمل ضعیف پڑ جاتا ہے اسلئے جسم انسانی میں تعدیہ کو قبول کرنے کی استعداد بڑھ جاتی ہے اور انسان میں ضعف، بطلانِ عمل اور تعطل آجاتا ہے نیز اس میں تھکاوٹ اور فعلی نقص بھی ہو سکتا ہے چنانچہ جس نظریہ کو حکیم حیدر علی خاں نے پیش کیا ہے اور جس ضعف کی طرف ان کا اشارہ ہے یا جس کو ابن سینا نے سقوط قوت کا نام دیا ہے اس کو ہم دوسرے الفاظ میں نقصان اور ضعف مناعت سے تعبیر کریں تو بات اور بھی واضح ہو جائے گی۔

اس مرض کے فیروس کٹی ہوئی جلد اور غشاء مخاطی وغیرہ کے راستے بہت جلد اپنا تعدیہ پھیلاتا ہے۔ اگر مائیں اس مرض میں مبتلا ہوں تو ان کے نوزائیدہ بچوں میں بھی اس کا تعدیہ پایا جائے گا، جو خون کے ذریعہ ان بچوں میں آجاتا ہے ساتھ ہی منوی کے

ذریعہ اس فیروس کا نقل و حمل زیادہ عام ہے۔ فرانس میں بعض سائنسداں جسم انسانی میں
وری قوت مناعت کو قائم رکھنے اور اس کو مستحکم بنانے کے لئے تحقیقات کر رہے ہیں نیز
مغربی دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی اسی طرح کی احتیاطی تدابیر اور تدارک کے واسطے
تلاش کیے جا رہے ہیں۔

**ایک ضروری تشریح** اس موقع پر دو قرآنی الفاظ کی تشریح کرنا چاہوں گا، ایک لفظ "خبیث"، اور دوسرا لفظ "طاہر" — "جماع غلمان"
کو قرآن حکیم میں لفظ "خبیث" کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور جدید تحقیقات سے یہ بات
واضح ہے کہ اس فعل کے نتیجہ میں کینسر (سرطان) ہو جاتا ہے۔ اور کینسر کی انتہائی ردی قسم
"سرطان خبیث" سے تعبیر کی جاتی ہے جبکہ دوسری طرف "جماع بالنسا" کیلئے "ھن اطہر لکم"
کا لفظ قرآن میں آیا ہے" اور طہر طہارت یا تطہیر کا قرآنی مفہوم یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ
مباشرت بے خطر اور بے ضرر ہی نہیں بلکہ ہر قسم کے تعدیہ (1NFECTiONS)
سے محفوظ رہنے کی ضمانت بھی ہے۔

**علاج** طبی و علمی میں سرد و خشک تدابیر کو اختیار کرنے کی سفارش کی گئی ہے نیز دافع
تعفن کی بھی ہدایت ملتی ہے چنانچہ ان حالات میں اطباء نے جن دواؤں
کے استعمال کی طرف رہنمائی کی ہے ان میں اکثر ادویہ محلل اورام مقوی و محرک اعصاب نہ
دافع تعفن ہیں۔ ابن الطبری نے تخم سنبھالو (فنجنکشت) اور تخم سداب کا سفوف پھانکنے
کی ہدایت کی ہے۔ نیز تخم کاہو اور تخم شہدانہ ۴، ۴ گرام کا استعمال مفید بتایا گیا ہے۔

**احتیاطی تدابیر:-** اس فعل کریہہ سے باز رہا جائے، اس بیماری کی دریافت کو ابھی
چند ہی سال گذرے ہیں چنانچہ اس سے تحفظ کے لئے امریکی ممالک
میں اب مریضوں کو خون چڑھانے سے پہلے وائرس H.T.L.V.3 کی جانچ کرائی
جاتی ہے اس کا خیال رکھا جائے کہ مریض کے استعمال میں آنے والی خام اشیاء علیحدہ رکھی

چاہییں۔ استعمال میں آنے والی تمام چیزوں کو کچھ مدت تک گرم پانی میں اُبال کر پاک صاف کیا جائے کہ عدویٰ کا اندیشہ نہ رہے۔ مریض کی جسمانی صفائی و پاکیزگی کا پورا خیال رکھا جائے۔
غذا :- مریض کو محرکِ اعصاب، مسمنِ بدن اور مقوی اعصاب غذائیں دیں۔

---

## مآخذ


(۱) القرآن الحکیم :-

پارہ ۱۲، سورہ ہود، آیت ۷۷، ۷۸، ۰

پارہ ۱۴، سورۃ الحجر آیت ۶۸، ۶۹، ۷۱،

پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء آیت ۷۱، ۷۴، ۷۵

پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲،

پارہ ۲۰ سورۃ العنکبوت آیت ۲۸، ۲۹، ۳۱، ۳۲،

پارہ ۲۳، سورۃ صٰفٰت آیت ۱۳۴، ۱۳۵،

(۲) فردوس الحکمۃ :-

علی بن سہل ربن الطبری، المقالۃ الخامسۃ الباب السادس والسابع صفحہ ۱۱۱ - ۱۱۳، مطبع آفتاب برلن - سن اشاعت، ۱۹۲۸ء

(۳) النزہۃ المبہجۃ فی تشحیذ الاذہان وتعدیل الامزجۃ (مخطوطہ) داؤد بن عمر الانطاکی، الطبیب الضریر باب فی کیفیۃ الغایۃ معالجۃ ورق ۱۷ -

(۴) تسہیل العلاج :- حکیم حیدر علی خاں، شعبہ دوم در جماع، صفحہ ۲۲، ۲۴، مطبع مصطفائی ۱۳۰۹ھ ...

# ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ ۔ ایک صاحب طرز انشا پرداز

محمد علاء الدین، استاذ، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ

## جاحظ کی خلقت، ہیئت اور حالات زندگی

جاحظ کا پورا نام ابوعثمان عمرو بن بحر بن محبوب ہے ۱۵۵ھ میں بصرہ میں عدم سے عالم فانی میں چشم کشا ہوا، اور وہیں نشو ونما پائی ۔ ان دنوں بصرہ گہوارۂ علم اور گلزار ادب بنا ہوا تھا۔ اس عالمانہ فضا میں جاحظ نے اصمعی اور ابوعبیدہ جیسے علامۂ وقت کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا جو آسمان لغت و روایت اور تنقید و تبصرہ کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ابواسحاق معتزلی سے علم کلام حاصل کیا۔ ان کے علاوہ عرب کے بہت سے انشا پردازوں اور مترجموں سے استفادۂ علمی کیا۔ مطالعۂ کتب کا شوق اس کو جنون کی حد تک تھا۔ اپنی اس علمی تشنگی کو بجھانے کے لئے وہ محرروں اور کاغذ فروشوں کی دکانیں کرایہ پر لے لیتا اور رغرق مطالعہ رہتا ۔ جو کتاب اس کے ہاتھ لگ جاتی اس کا رس چوس لیتا۔ اسی وجہ سے وہ مختلف علوم وفنون کا رازداں اور انشاء میں طرزِ جدید کا موجد اور قابل تقلید بن گیا۔

جاحظ کی صورت ایسی تھی کہ شریر بچوں کو خاموش کرنے کے لئے اس کی تصویر پیش کی جا سکتی ہے۔ بدشکل چہرہ، بے ڈول جسم اور ابھری ہوئی بدنما آنکھیں اس کی

صورت وہیئت کا نمونہ ہیں۔ بد وضع ابھری ہوئی آنکھوں نے ہی اس کو اوائل عمر سے جاحظ (ابھری ہوئی آنکھوں والا) بنا دیا تھا۔ اور یہ جاحظیت اس کی شناخت پر اس طرح چھا گئی کہ خواص کو بھی اس کے اسم اصلی کی واقفیت کے لیے بڑی دیدہ ریزی کرنی پڑتی ہے۔۔۔۔ عبدالرحمن طاہر سورتی نے استاذ احمد حسن زیات کی کتاب تاریخ ادب عرب کے ترجمہ میں صفحہ ۳۶۱ پر ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ جس سے جاحظ کی ہیئت کذائی پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اور اس کی بدشکلی کے مکروہ خدوخال واضح ہو جاتے ہیں۔

"کہتے ہیں خلیفہ متوکل نے جب اس کے علم وفہم کی تعریفیں سنیں تو اسے اپنے لڑکے کا اتالیق بنانے کے لئے سرمن رای (بغداد کے قریب ایک شہر ہے) میں اپنے پاس بلوایا۔ مگر جب اس کی مکروہ شکل دیکھی تو اسے دس ہزار درہم دے کر واپس کر دیا"

جاحظ کی زندگی کا اکثر حصہ فارغ البالی اور عیش وعشرت میں گذرا۔ چونکہ وہ اپنے فاضلانہ مضامین اور رسائل وخطوط کی وجہ سے مقبول خواص تھا۔ مگر مامون، معتصم واثق اور متوکل کے عہد میں معاشی مجبوری اسے بار بار بغداد لے گئی۔ زندگی کے آخری حصہ میں وہ فالج کا شکار ہو گیا۔ جو دن بدن بڑھتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ ۲۵۵ھ میں وہ اسی مرض کی وجہ سے اپنی حیات کے سویں سال میں داعیٔ اجل کو لبیک کہنے پر مجبور ہو گیا۔

**جاحظ کا مسلک** ابو اسحاق نظام معتزلی سے تدرس کی وجہ سے وہ اعتزال کے سانچے میں ڈھل گیا تھا۔ وہ مسلک معتزلہ کی حمایت میں تقاریر کرتا اور مضامین لکھتا۔ اور رفتہ رفتہ وہ اس معاملہ میں شدت پسند بنتا چلا گیا۔ وہ مسلکاً اور اعتقاداً صرف عصمت انبیاء کا قائل تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ صحابہؓ وتابعین وغیرہم کو عام انسانوں کی طرح سمجھتا تھا اور ان

کے عقل و کمال کے ساتھ ان میں نقائص و شہوات و نفسانیت کا وجود بھی اس کے مسلک میں شامل تھا۔

**جاحظ کا ادبی نظریہ**

کتاب علم الادب، مقالات لمشاهير العرب على الجزء الاولى من علم الادب، جمع الاب لويس شيخو اليسوعي، بيروت ۱۸۸۶ء کے صفحہ ۲۱۵ پر "البحث السابع في خواص الكلام الحرعن ابن الحنو والزمانى" کے عنوان کے تحت منقول جاحظ کا درج ذیل قول اس کے ادبی نظریہ کی مکمل وضاحت کرتا ہے۔

"قال الجاحظ ان المعنى اذا كان شريفاً وكان اللفظ بليغاً وكان صحيح الطبع بعيداً من الاستكراه منزهاً عن الاختلال مصوناً عن التكلف صنع في القلب صنيع الغيث في التربة الكريمة ومتى فصلت الكلمة عن هذه الشريطة ونفذت من قائلها على هذه الصفة كساها الله من التوفيق ومنحها من التاييد ما لا يمتنع من تعظيمها به صدور الجبابرة ولا يذهل عن فهمها معه عقول الجهلة۔"

جاحظ کے مندرجہ بالا قول سے اس نظریہ کی وضاحت ہوتی ہے۔ کہ وہ ناقص ادب کو کوڑا دان کی خوراک سمجھتا تھا۔ اور وہ صرف ادب برائے ادب کا قائل نہیں تھا بلکہ ادب برائے زندگی کا حامی تھا۔ چونکہ ادب برائے ادب اپنے تمام اوصاف کے ساتھ صرف ذہنی اور دماغی فرحت و بشاشت اور سکون و اطمینان کا باعث بن سکتا ہے، دل کو متاثر نہیں کر سکتا۔ یہ خصوصیت صرف ادب برائے زندگی میں پائی جاتی ہے جاحظ ادیب کو ادیب بننے کے لئے نہ صرف قارئین کے قلوب میں اترنے کا قائل ہے بلکہ اپنے ادبی اثرات سے وہ ادیب کو ایسی شمع افروزی کی دعوت دیتا ہے جو قارئین میں انقلاب صالح برپا کر دے۔ صنع في القلب

البحث فی العربیة الکریمة۔

**اس کے حاسدین**

جاحظ اپنی ادبی بلاغت وفصاحت، زورِ قلم، سلاست وروانی اور مضامین مختلف النوع کے اختراع کے باعث معززین وسلاطینِ وقت کی نگاہوں میں محبوب ومقبول بن گیا تھا۔ اس کا یہ قدر وقیمت اور عزت وعظمت معاصرین کی نظروں میں کھٹکنے لگی۔ اور وہ جاحظ کو ذلیل ورسوا کرنے کے لئے طرح طرح کے مکر وفریب کرنے لگے۔ جاحظ کو اس کا احساس تھا۔ چنانچہ وہ "المحاسن والاضداد" کے مقدمہ اولیٰ میں اپنے حاسدین کے حرکات قبیحہ اور حسد وڈاہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"انی ربما الفت الکتاب المحکم المتقن فی الدین والفقه والرسائل والسیرة والخطب والخراج والاحکام وسائر فنون الحکمة وانسبه الی نفسی فیتواطأ علی الطعن فیه جماعة من اهل العلم بالحسد المرکب فیهم وهم یعرفون براعته وفصاحته"

اس نے آگے چل کر بڑے مزے کی بات یہ کہی ہے کہ امرائے وقت کی نظروں میں میری کتابوں کے سقوط کی صرف کوشش ہی نہیں کی جاتی ہے بلکہ حاسدین میری تالیف وتصنیف کو میرے متقدمین جیسے ابن مقفع اور خلیل وغیرہ کے نام موسوم کرکے میری مساعی کو رائیگاں اور مجھے ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش سے بھی باز نہیں آتے ہیں۔

"البیان والتبیین" کے محقق وشارح حسن سندوبی نے اسی کتاب کے صفحات پر اس قسم کی باتیں تحریر کی ہیں جس سے معاصرین کے بغض وعداوت کا پتہ چلتا ہے۔

"وقد یلمز بعضهم بانه کان کثیر الاستطرادات کبیر

التهافت على الاستشهادات، يحشد بها كتبه، ويفخم بها أسفاره ولولا هذا التكاف لأقل مما هي عليه۔

لیکن انہوں نے لامزین کے الزامات کو بے جا اور لغو قرار دیا ہے اور اسمعان کی کج فہمی پر محمول کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

"وليس الحال كذالك، ولا الأمر على ما ذهب اليه ذالك الامز ولكن هذا الحال ان دل على شيء فانما يدل على سعة اطلاع الجاحظ على تبحره في معارفه وعلى حقول صدره بشتى المسائل والمعلومات"

مگر استاذ احمد حسن زیات نے جاحظ کے کلام کے متعلق بدیع کا قول "جاحظ کے کلام میں اشارہ کا بُعد، عبارت کا قرب اور استعارہ کی قلت ہے" نقل کیا ہے اور فرمایا ہے "یہ فیصلہ اگرچہ سخت ہے، تاہم بہت جگہوں پر درست ثابت ہوتا ہے" (تاریخ ادب عربی از استاذ احمد حسن زیات ترجمہ عبدالرحمٰن طاہر سورتی صفحہ ۳۶۲)

## جاحظ کا علمی وادبی مرتبہ

جاحظ کا مرتبہ علمی وادبی اعتبار سے اتنا بلند ہے، جہاں تک تخیل کی رسائی ناممکن ہے۔ الفاظ اپنی وسعت کھو دیتے ہیں۔ ادباء کا زورِ قلم ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اس موڑ پر آکر سب لوگ اپنا قلم شکستہ، اپنے الفاظ تنگ، اپنا تصور وتخیل نارسا اور ذہن مفلوج پاتے ہیں چنانچہ استاذ [illegible] زیات نے عہد عباسی کے مختلف انشاپردازوں کے علمی و ادبی مرتبہ اور قابلیت کا تذکرہ اپنے مختلف الفاظ میں کیا ہے۔ مگر جاحظ کے علمی وادبی مرتبہ کے تعیین میں ان کا قلم تھرا گیا ہے۔ دماغ مفلوج اور ہاتھ شل ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور انھیں بے بس ہو کر کہنا پڑا ہے۔

"اس مختصر بیان اور کوتاہ قلم میں یہ قوت نہیں کہ وہ نابغۂ عرب اور مشرق

کے جاحظ کے ادبی مآثرات کو قارئین کے سامنے بیان کرنے کے ہمارے لئے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ "وفور علم، قوت استدلال، بحث کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہونے میں شدت اور کلام کے دلنشین اور بلیغ ہونے کے باعث وہ اپنے تمام ساتھیوں سے سبقت لے گیا تھا۔ وہ تمام علوم میں زبردست محقق عالم کی طرح سنجیدہ مضامین لکھتا رہا اور یہی سب سے پہلا عربی عالم ہے، جس نے سنجیدہ و مزاحیہ مضامین کی باہم آمیزش اور گفتگو کے موضوعات میں وسعت پیدا کی۔ بہت سی تصانیف چھوڑیں اور حیوانات و نباتات، اخلاقیات و اجتماعیات کے موضوع پر بہت کچھ لکھا۔" (تاریخ ادب عربی از احمد حسن زیات ترجمہ عبدالرحمن سورتی صفحہ ۳۶۱،۶۲)

ابن العمید جس کے متعلق لوگوں میں یہ مقولہ مشہور ہو گیا تھا کہ "انشاپردازی عبدالحمید سے شروع ہوئی اور ابن العمید پر ختم ہو گئی"۔ اس نے جاحظ کے علوِ مرتبت کو اپنے طرز میں اس طرح بیان کیا ہے۔

"کتب الجاحظ تعلم العقل اولاً والادب ثانیاً"

حسن سندوبی نے کہا ہے۔

"وھل وقفت عبقریۃ الجاحظ عند حد اتقان المعارف العامۃ والثقافات الشائعۃ علی تنوعھا حتی عھدہ؟ کلا فما کانت ھمتہ تعرف شیئاً من الحد ودنحلا لعرفان؟ من اجل ھذا عرض لکثیر من المسائل التی لم یفکر فیھا احد غیرہ وفتح للناس ابواباً کثیرۃ فی امور شتی لم یکن من تقدمہ من العلماء، والکتاب واھل الادب یحسبونھا مما یدخل فی صنوف الادب"۔ (البیان والتبیین صفحہ ۲۰۹)

اس کے آگے حسن سندوبی نے اس کی علویت پر طویل عبارت آرائی کی ہے ۔۔۔ سندوبی کی ایک عبارت سے جاحظ کی عبقریت اور وسعت نظری کی

وضاحت اس طرح ہوتی ہے کہ وہ اپنی جس فکر یا رائے کو ناقص سمجھتا تھا، اس کی تردید میں جھجک یا کسی قسم کا عار محسوس نہیں کرتا تھا۔

"وھو اول من وضع کتابا فی فکرۃ من الفکر اوفی مبادی من الأسماء ثم نقضہ بکتاب آخر، توسعاً منہ فی البلاغۃ وتفننا فی البراعۃ اورجوعا الی مظنۃ الحقیقۃ التی قد یکون استبھم علیہ سبلھا فی اول الامر وایثارا للصواب ولم یکن ھذا النوع من المؤلفات التی یراجع نفسہ فیھا۔ یعد وصف الاسفاہ والخل والاھواء"

(البیان والتبیین صفحہ ۹)

جاحظ کی تالیف "المحاسن والاضداد" (مطبعۃ المعاھد بجوار قسم الجمالیۃ بالقاھرۃ ۱۳۵۰ھ) کے TITLE PAGE پر اسے "امام اہل الادب" لکھا گیا ہے۔

حسن سندوبی نے "البیان والتبیین" میں "الجاحظ تحلیل ادبہ وعلمہ ونفسیتہ" کے تحت جاحظ پر جو فاضلانہ اور تفصیلی مضمون لکھا ہے اس سے جاحظ کی حیات کے ہر گوشہ پر روشنی پڑتی ہے۔ مگر اخیر میں چل کر انہوں نے بھی جاحظ کی رفعت مقام کی تعیین میں اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

"ھذا اما رتأینا من خصائص الجاحظ وھی بلاشک شذور من مزایاہ۔ امام الائمۃ بمالہ من صفات او استیعاب مالہ من مناقب وسمات، فامر فوق متناول الایدی والاقلام"

(البیان والتبیین صفحہ ۱۵)

## جاحظ کی اخلاقی پستی

ENVIORONMENT & HERIDITY (PSYCHOLOGISTS)

میں سے کون رجال سازی میں زیادہ موثر ہے، اس باب میں عہد قدیم سے اب

نمایاں ہوتے ہیں گرچہ وڈورتھ (WOODWORTH) نے ان کے درمیان جادۂ اعتدال پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، مگر PSYCHOLOGISTS کا ان سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے انسان کے جسمانی روحانی ارتقاء و انحطاط کا انحصار ماحول اور تعلیم دونوں پر ہے ـــــ مگر جاحظ علمی اور اخلاقی اعتبار سے ماحول کا پروردہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر بصرہ کی عالمانہ فضا نے اسے بے نظیر انشاپرداز بنا دیا تھا تو وہ بغداد کے عیش پرستانہ ماحول کی وجہ سے اخلاقی اعتبار سے نہایت پست بھی بن چکا تھا۔

حسن سندوبی نے جاحظ کی کتاب "البیان والتبیین" حققہ وشرحہ حسن السندوبی" میں اپنے مقالہ "الجاحظ تحلیل ادبہ وعلمہ ونفسیتہ" کے تحت جہاں معترضین کے الزامات کی تردید میں جاحظ کے تبحر معرفت وسعت معلومات اور حصول صدر کا سہارا لیا ہے اور اسے رأس مذہب فی العقائد کے ساتھ ساتھ رأس مذہب فی الادب بھی قرار دیا ہے وہاں انہوں نے اس میں اس کی اخلاقی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

"اما خصائصہ النفسیۃ ووجہات نظرتہ فی الحیاۃ فقد کان علی ما ظہر منہ میالا بطبعہ الی التحلیل من القیود التی تقف بامثالہ ونظرائہ من معاصریہ عند مقتضیات التقالید وموجبات العادات فہو لمیشأ اتخاذ زوجۃ تشارکہ باساء الحیاۃ وضراءہا مال الصرف الی اتخاذ الجواری والقیان یتسری منہن بما تطیب بہا نفسہ ویصبوا الیہا حسہ یمسکہا ما استقام امرہا معہ" (البیان والتبیین ص۱۱)

حسن سندوبی کے آئینہ میں جاحظ حتی الوسع لذات حیات فانیہ سے لطف و تمتع ہونے میں کوشاں نظر آتا ہے۔

"وكان الجاحظ يرى الاستمتاع بملاذ الحياة والضايبما الطبعي في ان ينال منها ما يمكن ان تصبو اليه اوسع النفوس البشرية املأ ها غاية۔" (البيان والتبيين صفحہ ۱۴۲)

مگر تاریخ ادب عربی از استاذ احمد حسن زیات ترجمہ عبد الرحمن طاہر سورتی، مؤسس انجمن ترقی عربی، پاکستان، ناشر غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۱ء کے صفحہ ۳۶۲ میں جاحظ کے اخلاق کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"جاحظ ظریف و مزاح تھا تو گر بیشتر مروجہ رسومات و آداب کی ہنسی اڑانے کا عادی تھا تاہم وہ نہایت سلیم الطبع، زندہ دل، شگفتہ مزاج، ظریف اور اپنے دوستوں کا سچا ہمدرد تھا۔"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ استاذ احمد حسن زیات جاحظ کی ادبی تابناکی میں اس کی اخلاقی تاریکی کو نہیں دیکھ سکے یا انھوں نے چشم پوشی کر کے طلبۂ ادب عربی سے جاحظ کے اس تاریک پہلو کو صیغۂ راز میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔ جب کہ حسن سندوبی جو اپنے مقالے میں جاحظ کے بڑے معتقد اور پکے وکیل نظر آتے ہیں اور انھوں نے مختلف مقامات پر اپنے دلائل کے ذریعہ جاحظ کے دامن کو داغ دار ہونے سے بچانے کی کوشش کی ہے۔ اپنے قلم کو درج بالا حقیقت کے انکشاف سے نہیں روک سکے۔ مگر یہ انھوں نے اس کی اخلاقی پستی کا سہرا ماحول کے سر باندھا ہے۔

"والحق ان عصر الجاحظ كان عصر الاستمتاع بكل ما تعلق به النفس الانسانية من اماني والمال، ومن خير وشر، ومن نقص وفضل ومن علم وجهل ومن استقامة واستهتار ومن نسك وفتك ومن تقية واسترسال ومن ايمان والحاد ومن خطل وسداد، فكانت

بغداد في ذلك العهد اشبه بلندن وباريس في عصرنا وجميع
دهما مجتمعة في هذا العصر فيها نزعات العقول ومزاج الاجماع
ومراد العيون، وشهوات النفوس. ظلمات القلوب غير ان الجاحظ كان
يتناول شهوات نفسه خزعات عقله ولذائذ قلبه في تعقل وقلما في
الاغراق۔

جاحظ کے صرف ذہنی استمتاع کا سبب اس کی نواترسی نہیں بلکہ تولیدی صلاحیت کا فقدان تھا جیسا کہ حسن سندوبی نے کہا ہے:

"وقد كان عقيما فلم يعرف انه ولد له ولد"

جاحظ کی سوانح عمری میں دقت بینی و دیدہ ریزی کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب تک وہ فارغ البال اور بغداد سے دور تھا۔ اس کے اندر اخلاقی دنیت بھی نہیں پائی جاتی تھی۔ مگر معاشی مجبوری کی وجہ سے بار بار بغداد جانے کی وجہ سے ایک تو وہ بغداد کی آب و ہوا سے متاثر ہوا نیز اپنے آلام و مصائب اور معاشی پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے وہ لذات فانی میں غرق ہوتا چلا گیا۔ اور مضطرب شہوات میں اطمینان و سکون کی جستجو میں وہ اخلاقی اعتبار سے پستی کا شکار ہو گیا۔

**جاحظ بحیثیت موجد**

انشا پردازی مظہر عقل و آئینہ فکر ہے۔ اس کے جامہ جسم میں احوال و کوائف وقت کا عکس جھلکتا ہے۔ یہ سیاست و صحافت سے متاثر ہوتی ہے۔ اور زمانہ کے حالات کے مطابق اس کا طرز بدلتا رہتا ہے۔ انشا پردازی کی اس نیرنگی میں بعض ایسی شخصیتیں بھی ابھری ہیں۔ جن کے رنگ میں خود کو رنگنا ادبا اپنے لئے باعث فخر و کمال سمجھتے ہیں۔ جن کا اپنا اسلوب ہوتا ہے۔ متقدمین سے الگ اپنا طرز بیان ہوتا ہے۔ اور جو ایک

راہ میں ایسی شمع افروزی کر جاتے ہیں جس کی روشنی میں متاخرین کی ضیاء قلم صفحۂ قرطاس پر کواکب و انجم کی شکل میں منتشر نظر آتی ہے۔

عربی آسمانِ صحافت و ادبیت پر جاحظ خورشید کی طرح طلوع ہوا اور اب تک غروب نہیں ہو سکا ہے۔ اسی کی درخشانیت کے سہارے اب تک کے عربی انشا پرداز راہِ ادبیت میں رواں دواں ہیں۔

عربی انشا پردازی میں جاحظ سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے متقدمین انشا پردازوں سے الگ طرزِ جدید کی بنا ڈالی۔ اور اس میں ایسی راہ ہموار کی جس پر چلنا متاخرین نے باعثِ سعادت سمجھا۔ اور جاحظ سے لے کر اب تک انشا پردازی میں کوئی ایسی کتاب عالمِ وجود میں نہیں آئی جو جاحظ کی مرہونِ منت نہ ہو۔ جاحظ کے بعد کی انشا پردازی کا مطالعہ کنندہ قاضی فاضل کے اس قول کی صداقت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے:

"ما منا معاشر الكتاب الا من دخل من كتب الجاحظ الحانة، وشن عليها الغارة، وخرج وعلى كتفه منها كارة"

عبدالرحمٰن بن خلدون نے "مقدمہ ابن خلدون" (المطبعۃ الازہریہ بجوار الازہر بمصر ۱۹۳۰ء) کے صفحہ ۴۸۹ پر "علم الادب" کے عنوان کے ضمن میں تحریر کیا ہے:

"وسمعنا من شيوخنا في مجالس التعليم ان اصول هذا الفن واركانه اربعة دواوين وهي ادب الكاتب لابن قتيبة وكتاب الكامل للمبرد وكتاب البيان والتبيين للجاحظ وكتاب النوادر لابي علي القالي البغدادي وما سوى هذه الاربعة فتبع لها وفروع عنها"

احمد حسن زیات نے عہدِ عباسی کے انشا پردازوں کو چار طبقوں میں تقسیم کیا ہے

اور دوسرے طبقے کا رئیس جاحظ کو قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

دوسرے طبقے کا رئیس جاحظ ہے عبارت کے آسان اور پُر شوکت ہونے میں اس کا اسلوب پہلے طبقہ سے زیادہ مشابہ ہے۔ لیکن اس طبقہ کے اسلوب کی خصوصیات میں ایک جملہ کو بہت سے مقفیٰ یا غیر مقفیٰ فقروں میں توڑنا الفاظ اور جملوں میں اطناب، بات میں بات نکالتے چلا جانا، پڑھنے والوں کی اکتاہٹ دور کرنے کے لئے سنجیدہ اور ٹھوس مضامین میں ہنسی مذاق کی آمیزش، مضمون کے تمام گوشوں کو اجاگر کرنا اور مطلب کو کھول کر بیان کرنا، عقل و منطق سے استدلال اور اثنائے عبارت میں دعائیہ جملے لانا ہیں۔ اس طبقہ میں قتیبہ، مبرد اور صولی ہیں الخ

(ترجمہ عبد الرحمٰن سورتی صفحہ ۲۳۶)

انہوں نے چوتھے طبقے کا سردار قاضی فاضل کو کہا ہے اور جاحظ کی انشا پردازی سے متاخرین کی اثر پذیری قاضی فاضل کے مذکورہ قول سے واضح ہو چکی ہے۔

جاحظ نے جادۂ انشا پردازی میں جدیدیت کے ساتھ ساتھ ادبی علویت کی ایسی شمع فروزاں کی جس کی ضیا پاشی سے ذرے آفتاب بنتے گئے اور خواص نے انشا پردازی کی کسوٹی جاحظ کی انشا پردازی کو قرار دیا۔

فیقال فی الاسالیب العربیۃ اذا کانت قد بلغت اعلیٰ طبقات البلاغۃ وأسمی منازل البیان ذکانت واضحۃ المعانی سھلۃ الالفاظ نقیۃ الکلمات «ھذہ عبارۃ جاحظیۃ» ویقال فی الرسالۃ جمعت صور الکلام الی التبسط فی المعانی وکانت کثیرۃ الافتنان متعددۃ فیھا الموضوعات بعضھا بذ واثب بعض، ینتقل فیھا القاری من فن الی فن ومن لون الی لون، ومن معنی مطلق الی معنی مبتکر «ھذا ادب جاحظی» (کتاب سندوبی البیان والتبیین صفحہ ۱۱)

آگے چل کر حسن سندوبی نے لکھا ہے =

"وما من کاتب منذ عهد الجاحظ الی الآن الا وللجاحظ فی عنقه منة محدودة او ید مبسوطة او نعمة سابغة"

استاذ حسن زیات نے جاحظ کے اختراع وایجاد کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"جاحظ انشا پردازی کو پرانے طریقے سے نکال کر اسے ایک نئے طرز اور جدید موضوع کی طرف لایا۔ اس نے خط نویسوں، مضمون نگاروں اور مصنفوں کے لئے انشا پردازی میں ایک نیا راستہ کھولا ہے۔ (ترجمہ عبدالرحمٰن سورتی صفحہ ۳۶۲)

اس طرح درج بالا مورخین وناقدین کے اقوال سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ جاحظ انشا پردازی میں ایک موجد کی حیثیت رکھتا ہے اور اب تک عرب انشا پرداز کبھی نہ کسی طرح اس کی اتباع پر مجبور رہیں۔

## جاحظ کی تصانیف

جاحظ کی تصانیف دو سو سے زائد ہیں۔ اور استاذ ابن العمید کا کہنا ہے "کتب الجاحظ تعلم العقل اولاد الادب ثانیاً"۔

مگر اس کی تصانیف میں سے صرف درج ذیل چار کتابیں مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔

کتاب البیان والتبیین، کتاب الحیوان، کتاب المحاسن والاضداد اور کتاب البخلاء۔

# اقبال کی شاعری میں عورت کا مقام

کمال جعفری

شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے ہر شعبۂ زندگی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کی شاعری انسانی معاشرہ کے لیے چراغِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یوں تو انہوں نے حیات کے مختلف مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے، لیکن بحیثیت مجموعی ان کی شاعری کا موضوع انسان ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کا پیغام مرد اور عورت کے لیے یکساں ہے۔ اُردو کے دیگر شعراء کرام نے عورتوں سے متعلق جو اندازِ فکر اختیار کیا ہے اس کے برعکس اقبال کی فکر دور رس بالکل مختلف ہے۔ دراصل اقبال نے قرآنِ پاک میں مذکور تعلیمِ نسواں کو عام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اقبال نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا کہ عورت ایک پاکیزہ صنف ہے۔ اگر بے پردگی اور بیجا آزادی عورتوں میں راہ پا جائے تو انسانی معاشرہ تباہ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے فرنگی معاشرت پر کھل کر تنقید کی ہے۔ اور عورتوں کی بے بسی کا ذمہ دار مرد کو ٹھہرایا ہے؟

قصورِ زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پروین
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

اقبال نے جب یورپ کا سفر کیا تو فرنگی معاشرے کا چشم دید مشاہدہ کیا۔ اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اہل مغرب نے عورتوں کے معاملے میں جو آزادانہ روش اختیار کی ہے اس کے اثرات انسانی معاشرہ کے لئے کتنے تباہ کن ہو سکتے ہیں۔ اقبال نے ہندوستان اور یورپ کی خواتین کا براہ راست موازنہ کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ ہندوستانی خواتین کو یورپ کی خواتین پر فوقیت حاصل ہے ؎

میں نے اے اقبال یورپ میں اسے ڈھونڈا عبث
بات جو ہندوستان کے ماہ وسیماؤں میں تھی

مذکورہ شعر میں بات کے اندر بے پناہ معنی اور وسعت پنہاں ہے، راقم الحروف کے خیال میں اقبال نے اس ایک لفظ بات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ہندوستانی خواتین شرم وحیا اور پاکیزگیٔ نفس کے اعتبار سے یورپ کی خواتین کے برعکس کچھ اور ہی خصوصیت رکھتی ہیں۔

دراصل اقبال ہندوستانی معاشرہ میں عورتوں کی ترقی اور فلاح کے خواہاں تھے۔ اقبال سے قبل ہماری قومی شاعری پیغام نسواں سے یکسر خالی تھی۔ ان کو اس بات کا بےحد افسوس ہے کہ ہندوستانی خواتین خواہ نئی ہو یا پرانی دونوں ہی قسم کی تعلیم سے ناآشنا ہیں اور پردہ سے بھی بیگانہ۔ اس سلسلے میں وہ قوم کی غفلت پر نہایت رنج کے ساتھ فرماتے ہیں۔ ؎

نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی
نسوانیتِ زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ اقبال کے مطابق عورتوں کو ہمارے سماج میں جائز

مقام عطا کیا جائے تو مغرب کی کورانہ تقلید سے ہم لڑکیوں کو نجات حاصل کر کے مردوں کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم برپا کر سکتی ہیں، جس کے نتیجہ میں سے ہمارا معاشرہ تہذیب و تمدن کا اعلیٰ نمونہ بن سکتا ہے۔ آج ہمارے معاشرہ کا حال کیا ہے جو ہمارے شاعر، فلسفی، افسانہ نویس اور صورت گر کے اعصاب پر عورت سوار ہے، اقبال معاشرے کی اس بے حسی کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ بے چاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

تاریخ ادب اردو کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ صدیوں سے ہمارے بیشمار شعراء محض گل و بلبل کی شاعری پر اپنا قیمتی سرمایۂ فکر ضائع کرتے چلے آرہے ہیں۔ ایسے شعراء کی اکثریت رہی ہے جنہوں نے محض لب و رخسار، کاکل و مژگان اور حسن کی بے جا تعریف میں اپنی عمر گنوا دی، حقیقت یہ ہے کہ آج تک اس بلا ئی سے اردو کا دامن پاک نہ ہو سکا۔ اقبال ہمارے پہلے شاعر تھے جنہوں نے سماج میں عورت کے رتبے کو پہچانا اور اس کی حیثیت متعین کر کے آنے والی نسلوں کے لئے ایک لائحۂ عمل مرتب کر دیا ہے

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا دُرِ مکنوں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے تعلیم نسواں پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور ایسی تعلیم

تعلیم کے ذریعہ نسوانیت کا خاتمہ ہوجائے، کبھی حمایت نہیں کی۔ اس سلسلے میں اقبال کا نقطۂ نظر بہت واضح ہے ۔

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

اقبال کے مندرجہ بالا اشعار کی روشنی میں دیکھا جائے تو ہمارے بگڑے ہوئے معاشرے کی تصویر صاف نظر آتی ہے۔ آج ہماری درسگاہوں کا حال کیا ہے؟ کو ایجوکیشن کے نام پر تعلیم کا جو حال ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں ہے جہاں تک فکرِ اقبال کا سوال ہے انہوں نے عورتوں کے مقام کا تعین اس خوش اسلوبی سے کیا ہے کہ ان سے پہلے غالباً کسی شاعر نے ایسا اندازِ فکر اختیار نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر عورتوں کو مردوں کے برابر آزادی مل جائے تو انسانی معاشرہ تباہ ہوجائے، اگر قدرت کو ایسا کرنا منظور ہوتا تو عورت کو ایک الگ صنف کی حیثیت نہ دی جاتی۔ ہاں عورتوں کے جو جائز حقوق ہیں انہیں بلاشبہ ملنا چاہئے۔ عورت بچوں کی پرورش کے علاوہ امورِ خانہ داری کی ذمہ داری قبول کرتی ہے وہ ہمارے گھروں کو پُر رونق بناتی ہے اور زندگی کے عملی میدان میں مردوں کا شانہ بشانہ ساتھ دیتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ میدانِ جنگ میں بھی عورتوں نے مردوں کا ساتھ دیا ہے اس سلسلے میں بطور مثال اقبال کی ایک نظم "فاطمہ بنتِ عبداللہ" کا ایک بند پیش کر رہا ہوں جس میں اقبال نے عرب کی ایک غیور خاتون فاطمہ کو دل کی گہرائیوں سے منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ جانباز اور جوان سال فاطمہ نے طرابلس کی جنگ ۱۹۱۲ء میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی میدانِ جنگ میں شہادت کا جام نوش

کہا تھا ؎

فاطمہ تو آبروئے ملتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی
غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر
ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی
اپنے صحرا میں ابھی آہو بہت پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

اقبال نے مغرب نواز جدید تعلیم اور بے پردگی کی ہمیشہ مخالفت کی۔ اقبال مشرقی علوم و فنون کے قائل ہیں۔ وہ مشرقی علوم کو مغربی علوم پر ترجیح دیتے ہیں۔ لہٰذا تعلیم نسواں سے متعلق اکبر الٰہ آبادی کے رنگ میں اپنے موقف کا اظہار اس طرح کرتے ہیں ؎

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِّ نظر
وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ

۱۹۵۴ء حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی ۔ العلم والعلماء ۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت
تاریخ صقلیہ ، تاریخ ملت جلد نہم

۱۹۵۵ء اسلام کا زرعی نظام ، تاریخ ادبیات ایران ، تاریخ علم فقہ ، تاریخ ملت حصہ دہم سلاطین ہند جلد
تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی

۱۹۵۶ء ترجمان السنہ جلد ثالث ، اسلام کا نظام حکومت طبع جدید مع اضافہ و ترتیب جدید ، [illegible]
سیاسی معلومات جلد دوم ، خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

۱۹۵۷ء لغات القرآن جلد پنجم ، صدیق اکبر ، تاریخ ملت حصہ یازدہم سلاطین ہند دوم ، انقلاب روس ، روس انقلاب کے بعد

۱۹۵۸ء لغات القرآن جلد ششم ، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ، تاریخ گجرات ، جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول

۱۹۵۹ء حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط ، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ، مصائب [illegible]

۱۹۶۰ء تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۹ ۔ ۳۰ ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط
امام غزالی کا فلسفۂ مذہب و اخلاق ۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام ۔

۱۹۶۱ء تفسیر مظہری اردو جلد اول ۔ مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط ۔ اسلامی کتب خانے ، عرب و ہند
تاریخ ہند پر نئی روشنی

۱۹۶۲ء تفسیر مظہری اردو جلد دوم ۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں ۔ معارف الآثار ۔
نیل سے فرات تک ۔

۱۹۶۳ء تفسیر مظہری اردو جلد سوم ۔ تاریخ [illegible] ضلع بجنور ۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی اول

۱۹۶۴ء تفسیر مظہری اردو جلد چہارم ۔ حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط ۔ عرب و ہند عہد رسالت میں ۔
ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں ۔

۱۹۶۵ء ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اول ۔ تاریخی مقالات
لادینی دور کا تاریخی پس منظر ۔ ایشیا میں آخری نو آبادیات

۱۹۶۶ء تفسیر مظہری اردو جلد پنجم ۔ رموز عشق ۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک ۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ۔

۱۹۶۷ء ترجمان السنہ جلد چہارم ۔ تفسیر مظہری اردو جلد ششم ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ

۱۹۶۸ء تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم ۔ تین تذکرے ۔ شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات
اسلامی ہند کی عظمت رفتہ ۔

۱۹۶۹ء تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم ۔ تاریخ الفخری ۔ حیات ذاکر حسین ۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر

۱۹۷۰ء حیات عبد الحی ۔ تفسیر مظہری اردو جلد نہم ۔ مآثر و معارف ۔ احکام شرعیہ میں حالات زمانہ کی رعایت

۱۹۷۱ء تفسیر مظہری اردو جلد دہم ۔ بیماری اور اس کا روحانی علاج ۔ خلافت راشدہ اور ہندوستان

۱۹۷۲ء فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ۔ انتخاب الترغیب والترہیب ۔ [illegible]
عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

gd. No. D (DN) 231 PHONE : 262815 AUGUST

No. 265—57 Subs. 40/- Per Copy Rs. 3-50

**BURHAN** (Monthly)

4136, Urdu Bazar, Jama Masjid, Delhi-110006.



عبیدالرحمٰن عثمانی پرنٹر پبلشر نے جمال پریس [illegible] چھپوا کر دفتر برہان [illegible] سے شائع کیا

۱۵

بیادگار حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

# برہان

نگرانِ اعلیٰ حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینی

مدیرِ اعزازی
قاضی اطہر مبارکپوری

مرتب
جمیل مہدی

# مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

**۱۹۳۹ء** اسلام میں غلامی کی حقیقت۔ اسلام کا اقتصادی نظام۔ قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ۔
تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام۔ سوشلزم کی بنیادی حقیقت۔

**۱۹۴۰ء** غلامانِ اسلام۔ اخلاق و فلسفۂ اخلاق۔ فہمِ قرآن۔ تاریخ ملت حصہ اول "نبی عربی صلعم"۔ صراطِ مستقیم (انگریزی)

**۱۹۴۱ء** قصص القرآن جلد اوّل۔ وحی الٰہی۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول۔

**۱۹۴۲ء** قصص القرآن جلد دوم۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات)
مسلمانوں کا عروج و زوال۔ تاریخ ملت حصہ دوم "خلافتِ راشدہ"۔

**۱۹۴۳ء** مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد اوّل۔ اسلام کا نظامِ حکومت۔ تاریخ ملت حصہ سوم "خلافتِ بنی امیہ"

**۱۹۴۴ء** قصص القرآن جلد سوم۔ لغات القرآن جلد دوم۔ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت (کامل)

**۱۹۴۵ء** قصص القرآن جلد چہارم۔ قرآن اور تصوف۔ اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے)

**۱۹۴۶ء** ترجمان السنہ جلد اول۔ خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ۔ جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو۔

**۱۹۴۷ء** مسلمانوں کا نظمِ مملکت۔ مسلمانوں کا عروج و زوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے
اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ۔

**۱۹۴۸ء** ترجمان السنہ جلد دوم۔ تاریخ ملت حصہ چہارم "خلافتِ ہسپانیہ"۔ تاریخ ملت حصہ پنجم "خلافتِ عباسیہ اول"

**۱۹۴۹ء** قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات۔ حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل)
تاریخ ملت حصہ ششم "خلافتِ عباسیہ دوم"۔ بصائر۔

**۱۹۵۰ء** تاریخ ملت حصہ ہفتم "تاریخ مصر و مغربِ اقصیٰ"۔ تدوینِ قرآن۔ اسلام کا نظامِ مساجد۔
اشاعتِ اسلام، یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا۔

**۱۹۵۱ء** لغات القرآن جلد چہارم۔ عرب اور اسلام۔ تاریخ ملت حصہ ہشتم "خلافتِ عثمانیہ"۔ جارج برنارڈ شا

**۱۹۵۲ء** تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر۔ فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول (جس کو
از سرِ نو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے)۔ کتابتِ حدیث۔

**۱۹۵۳ء** تاریخ مشائخ چشت۔ قرآن اور تعمیرِ سیرت۔ مسلمانوں کا فرقہ [illegible]

# برہان

مدیر مسئول: عمید الرحمٰن عثمانی

جلد نمبر ۹۸ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۶ء شمارہ نمبر ۳



عمید الرحمٰن عثمانی پرنٹر پبلشر نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

# نظرات

سالمیت کا تصور کوئی پرانا تصور نہیں ہے، ہندوستان کو متحد کرنے کا خیال سب سے پہلے اورنگ زیب کو آیا، اور اس نے اس مقصد کے لیے آخری ۲۵ سال دکن میں گذارے اوران ۲۵ برسوں میں اس کا مقابلہ دکن کی مسلم ریاستوں سے ہوتا رہا جو تقریباً سو برس سے خود مختار چلی آرہی تھیں، اورنگ زیب کی وفات تک اس کا قائم کردہ نظام پانچ چھ برس تک جوں کا توں قائم رہا، اس لیے اس کے جانشین بہادر شاہ اول کے عہدِ حکومت (۱۷۰۷ء سے ۱۷۱۲ء) تک کسی جگہ پتہ تک نہیں ہل سکا، اس نظام میں کمزوری اس وقت آئی جب مغل شاہی خاندان میں اقتدار کے لئے کشمکش شروع ہوئی اور تخت کا ہر دعویدار طاقت اور صوبیداروں اور سرداروں کی حمایت کا طلب گار ہوا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف مغلوں کے حکمراں خاندان بلکہ صوبیداروں اور وزیروں میں بھی گروہ بندی اور کشمکش کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو گیا جس نے طاقت ور صوبیداروں کی خود مختاری، اور حکمرانوں کے انتخاب میں مداخلت کا راستہ صاف کر دیا اسی کشمکش کے دور میں سید برادران، حسین علی اور [illegible] اتنے طاقتور ہو گئے کہ جس شہزادے کو چاہتے بادشاہ بنا دیتے [illegible] معزول کر دیتے لیکن سید برادران کا یہ اقتدار [illegible]

لے کر سلطنت کے گیارہ بارہ برسوں تک طوائف الملوکی کی حالت پیدا کرنے کے بعد دونوں بھائی بالآخر محمد شاہ کے زمانے میں قتل کر دیے گئے ۔

اگر نادر شاہ کا حملہ ہندوستان پر نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ مغل سلطنت محمد شاہ کے زمانے میں سنبھالا لے لیتی لیکن ۱۷۳۹ء میں دہلی کے قتل عام نے عظیم مغل حکمرانوں کے روایتی رعب و داب کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا اور صوبوں کی خود مختاری کے اس دور کو شروع کر دیا، جس کی بدولت عظیم مغل حکومت، بغیر ہاتھ پاؤں کے ایک جسد کی طرح ہو کر رہ گئی ۔

بنگال میں، جس میں آج کل کے بہار، اڑیسہ اور آسام کا علاقہ بھی شامل تھا، علی وردی خاں نے خود مختاری کا اعلان کیا تو دکن میں نظام نے، جن کی قلمرو میں آج کے کرالا، مدراس، اور مہاراشٹر کا بیشتر حصہ شامل تھا، دہلی کی مرکزی حکومت سے رشتہ توڑ لیا ۔ اودھ میں شجاع الدولہ کی حکومت، کانپور اور فتح پور سے لے کر بنارس تک پھیلی ہوئی تھی، خود مختار ہو گئی تو مغل حکمرانوں کے پاس فی الحقیقت دہلی کے سوا کوئی علاقہ ہی باقی نہ رہ گیا جس میں پنجاب شامل تھا ۔ ان علاقوں میں سکھوں کی شورش، اور باقی ماندہ علاقوں میں مرہٹوں کی تگ و تاز نے، ہندوستان کو ٹھیک ٹھیک اسی دور میں پہونچا دیا جو قطب الدین ایبک کی آمد سے پہلے موجود تھا، اور جس میں اتنی بے شمار حکومتوں میں یہ ملک تقسیم تھا کہ آج باوجود کوشش کے سبھی راجاؤں کا نام بھی مؤرخوں کے لیے معلوم کرنا ممکن نہیں رہا ہے ۔

---

مغل حکومت [illegible] کے دور میں جو خود مختار صوبیدار پیدا ہوئے

ان کے سامنے ملک کے اتحاد اور سالمیت کا کوئی تصور تھا، اس کا جواب مشکل ہی سے اثبات میں دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر صوبیدار نہ صرف اپنی حکومت کے تحفظ اور حدود کو برقرار رکھنے کی فکر سے مجبور نظر آتا تھا، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے صوبیدار کو زک پہنچانے اور موقع ہے تو اس کے علاقے کا کچھ حصہ ہتھیا لینے کا کوئی موقع ہاتھ سے دینے پر تیار نہیں ہوتا۔

اس افراتفری اور آپادھاپی کے دور میں انگریزوں کو اپنی قوت بڑھانے کا جو سنہری موقع ملا وہ اس زمانے کی سیاسی صورت حال میں بالکل قدرتی اور منطقی معلوم ہوتا ہے، اسی کشمکش اور خود غرضی، بلکہ صوبیداروں کے درمیان رشک و حسد کی کیفیات کی بدولت اورنگ زیب کی وفات کے صرف پچاس برس بعد، انگریزوں نے پلاسی کے میدان میں علی وردی خاں جیسے عظیم کمانڈر اور بے مثال منتظم اور طاقتور حکمراں کے جانشین سراج الدولہ کو ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں ایسی بے بسی کی حالت میں مبتلا کر کے، شکست دی کہ میر جعفر جیسے اس کے خاندان کے بزرگ افراد، اس کے طاقتور امیروں اور فوجی کمانڈروں کے ساتھ مل کر عین حالت جنگ میں اسے تنہا چھوڑ کر الگ جا کھڑے ہوتے۔ اور انگریزوں کی حمایت کے بل پر شجاع الدولہ نے روہیلوں کی بریلی کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

پلاسی کی لڑائی کے بعد ہندوستان کے حکمرانوں کو ایک اور سنہری موقع متحدہ ہندوستان کی تشکیل کا ملا جب کہ ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کا زور توڑ کر ہندوستان کو، اس زمانہ کی سب سے بڑی شورش اور بدنظمی سے محفوظ کر دیا۔ لیکن اس وقت بھی ہمیں، متحدہ ہندوستان کا کوئی تصور کسی حکمراں کے ذہن میں دکھائی نہیں دیتا کیونکہ اس کے اگلے ہی سال جب ۱۷۵۷ء کے باغی اور اس وقت کے بنگال کے حکمراں میر قاسم نے شاہ عالم اور شجاع الدولہ کی امداد اور تعاون کے یقین پر انگریزوں کے

بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کی آخری کوشش کی تو شجاع الدولہ نے انگریزوں کی صرف
اودھ کی حکمرانی پر قائم رہنے کی ضمانت پر، عین وقت پر بکسر کے میدان سے اپنی فوجیں
واپس بلالیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ عالم اور میر قاسم کو اس فیصلہ کن شکست سے دوچار
ہونا پڑا، جس کے نتیجہ میں میر قاسم تو سیاسی منظر سے اس طرح غائب ہوئے کہ آج تک ان کے
انجام کا پتہ نہیں چلا اور بکسر کے میدان میں شکست یافتہ شاہ عالم بے چارگی اور بے بسی کے عالم
میں انگریزوں کے وظیفہ خوار بن کر کٹھ پتلی حکمراں کی حیثیت پر اکتفا کرنے پر مجبور کر دیے گئے۔

---

اگر سچ پوچھئے تو ہندوستان سے مغل حکمران کا خاتمہ ۱۷۶۵ء میں اسی وقت ہوگیا تھا
جبکہ الہ آباد کے صلح نامہ کے ذریعہ شاہ عالم نے سیاسی اقتدار انگریزوں کے حوالے کرکے، ایک
وظیفہ خوار بادشاہ کی حیثیت سے لال قلعہ میں سکونت اختیار کرنے پر رضامندی دیدی تھی۔
اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ایک ایسا منطقی عمل تھا، جس کی بدولت مغلوں کی رسمی سربراہی
کی حیثیت رفتہ رفتہ مٹنے کا کام تکمیل تک پہونچا۔

۱۷۶۵ء کے ۳۰ سال بعد ہمیں، دور جنوب کی میسور حکومت کے دو حکمرانوں، حیدر علی
اور ٹیپو سلطان کی حکمت عملی اور فکر و نظر کے دائروں میں ملکی سالمیت کے دھندلے
تصور کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے، جنہوں نے انگریزی اقتدار کے خاتمہ کو پہلی ترجیح دیکر
ان کے خلاف ایک طویل مہم چلائی اور حیدر علی کی جنگی مہارت کے طفیل، چند دنوں
کے لیئے بظاہر ایسا محسوس بھی ہونے لگا کہ ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے دن ختم
ہونے کے قریب پہونچ گئے ہیں، لیکن حیدر علی کی زندگی نے وفا نہیں کی، اور ان کا
عین اس وقت انتقال ہوگیا جبکہ وہ مدراس اور ارکاٹ میں انگریزوں کو فیصلہ کن
شکستیں دیکر، اگلے محاذ کی طرف پیش قدمی کی تیاری کر رہے تھے۔ ان کے بعد ٹیپو
سلطان کی طرف سے افغانستان، ترکی کے حکمرانوں یہاں تک کہ فرانس کے حکمران

یورپ کے فاتح جنرل نپولین سے انگریزوں کے خلاف فوجی مدد کی درخواست کے ساتھ سفارتوں کی روانگی سے ایسا تاثر پیدا ہوتا ہے، جیسے انھوں نے پورے ہندوستان کی سالمیت کے تصور کے ساتھ اپنے عمل و کار کا دور رس نقشہ مرتب کر رکھا تھا لیکن اور کسی طریقے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ فی الواقع میسور کی حکومت کے تحفظ کے علاوہ پورے ملک کا مفاد ان کے مدنظر ہو۔ ان کی آخری تقریر سے بھی یہ مترشح نہیں ہوتا کہ انھوں نے میسور کے سوا متحدہ ہندوستان کے تصور پر اپنی جدوجہد کی بنیاد رکھی تھی۔ انھوں نے انگریزوں کے ساتھ سری رنگ پٹنم کے قلعہ کے باہر دست بدست جنگ میں شہید ہونے سے تھوڑی دیر پہلے اپنے اعیان حکومت کے سامنے، جن میں اُن کے غدار کمانڈر میر صادق، اور وزیر مالیات پورنیہ شامل تھے، آخری خطاب میں اپنے وفادار اور قابل ترین کمانڈر سید غفار کی شہادت کے بعد کہا تھا کہ

"سید غفار شہید ہو گیا ہے۔ سید غفار کبھی نہیں ڈرا وہ آخری دم تک وفادار رہا، سید قاسم اس کی جگہ سنبھال لے۔ ما بدولت کو معلوم ہو گیا ہے کہ غلطی کہاں ہوئی، اور سری رنگ پٹنم کا یہ قلعہ کیسے غداروں سے بھرا ہوا ہے۔ مگر افسوس یہ سب کچھ بعد از وقت ہے۔ میں تمہارے درمیان موجود نہیں ہوں گا، مگر اس غداری کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہو گا جبکہ تمہاری نسلیں اس ملک میں محتاج و ذلیل بن کر ایک ایک مٹھی چاول اور پیاز کی ایک ایک ڈلی کو ترسیں گی۔"

---

یہاں اس بات بلکہ اس نکتہ کو بھی پوری طرح ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ انگریزوں نے میسور کی آخری لڑائی سے زیادہ تیاریوں کے ساتھ [illegible] ہمارے پاس جو بھی تاریخی شہادتیں ہیں، ان [illegible] سے معلوم ہوتا ہے [illegible] پٹنم کے

محاصرہ کے وقت انھوں نے صرف اندر کے دغا بازوں اور غداروں کی اعانت اور آلہ کاروں کی تخریبی کارروائیوں پر بھروسہ کو ناکافی سمجھ کر، نظام حیدرآباد کے علاوہ شمال کی اودھ حکومت سے بھی باقاعدہ امداد طلب کی تھی، اور اودھ اور نظام کی باقاعدہ فوجیں ان کے ساتھ سری رنگا پٹنم کے محاصرہ میں شامل تھیں، ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان کی شہادت اور میسور حکومت کے خاتمہ کے بعد، اودھ حکومت کی طرف سے فوجی کمانڈر ہنری مارٹن، اور نظام حیدرآباد کی طرف سے میر عالم کی جو عزت افزائی ہوئی اور انھیں انعام واکرام سے جس طرح سرفراز کیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سالمیت کا تصور اس وقت کتنا کمزور اور معدوم ہو چکا تھا۔

ایک جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات کہنے میں حرج نہیں ہے کہ ہنری مارٹن نے انگریزوں اور اودھ حکومت سے ملی ہوئی انعامی رقم سے مارٹن پوروہ کی بستی بسائی، اور وہ لا مارٹینر اسکول قائم کیا جو آج ہندوستان بھر میں انگلش میڈیم کا ممتاز تعلیمی ادارہ سمجھا جاتا ہے اور میر عالم نے اپنی انعامی رقم سے تالاب میر عالم نام کا وہ تالاب تعمیر کردیا۔ جو کچھ دنوں پہلے تک حیدرآباد اور سکندرآباد کے جڑواں شہروں میں عوامی آب رسانی کا واحد ذریعہ تھا۔

جہاں تک انگریزی حکومت کے استحکام اور ہندوستان میں نوآبادیاتی نظام کے استقلال کا سوال ہے تو یہ کام میسور کی لڑائی کے نتیجہ میں پورا ہو چکا تھا، اس کے بعد کے جتنے واقعات ہیں، وہ پرانے نظام کی باقیات کے خاتمہ کے مقصد کے تحت کیے گئے، جہاں تک ۱۸۵۷ء کی عوامی جنگ آزادی کا سوال ہے، تو اس میں بھی متحدہ ہندوستان اور سالمیت کے تصور کے اظہار کی کوئی علامت موجود نہیں تھی، اوّل تو یہ ساری جدوجہد شمالی ہندوستان تک محدود تھی، راجستھان، پنجاب، اور جنوب کی ریاستوں میں اس جدوجہد کا کوئی اثر تھا، دکن کے علاقوں کا کوئی حکمراں اس جدوجہد

میں شریک تھا، اس کے برعکس پٹیالہ، نابھہ، کپورتھلہ، جے پور، جودھ پور، بھوپال، گوالیار بلکہ نیپال تک کی فوجوں نے اس بغاوت کو کچلنے میں پورا حصہ لیا۔ امدادی کے انگریزی فوج کے ساتھ گورکھوں، راجپوتوں، مرہٹوں، اور سکھ رجمنٹوں کی موجودگی کی داستانیں بھی ماضی قریب تک بڑے بوڑھوں کی زبان پر رہی ہیں۔

---

ان حقائق کی موجودگی میں، یہ بات شبہ سے بالاتر معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان کی سالمیت اور ایک ملک کا تصور، انگریزوں نے پیدا کیا، اور مغل دور میں صرف اورنگ زیب عالمگیر ایک ایسا بادشاہ تھا، جس نے ہندوستان کے سیاسی تشخص اور ایک ملک کے تصور پر کام کیا تھا اور اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کی جدوجہد میں اپنی زندگی کے آخری ۲۵ برس گذار دیے تھے، اور آخری عمر میں اس مقصد کو حاصل بھی کر لیا تھا۔ ان کے بعد ان کے جانشینوں میں، کوئی اس قابل نہ ہوا کہ اس تصور کو باقی رکھ سکتا۔

انگریزوں نے البتہ متحدہ ہندوستان کے تصور کو اپنی سیاسی اور سامراجی مصلحتوں سے اس طرح عملی جامہ پہنایا کہ اس کے ساتھ انتظامی سہولتوں کے لیے برما، سیلون اور عدن تک کو دہلی کے مرکزی انتظامیہ میں شامل کر رکھا تھا، اور انہوں نے ہی افغانستان، نیپال، چین اور روس کے متوقع حملوں، اور خطروں کے مقابلہ کے لیے شمالی مشرقی، اور شمالی مغربی ہندوستان کی سرحدیں متعین کی تھیں، اسی احتیاطی تدبیر کے سلسلے میں وہ مشہور میکموہن لائن بھی انہوں نے ہی مقرر کی تھی جو بعد میں ہند چین تنازعہ کا سبب بنی، اور آج تک چلی آرہی ہے۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے سیاسی تشخص متحدہ ملک اور سالمیت کا تصور بھی، ویسا ہی نیا اور انگریزوں کا قائم کردہ ایک تصور ہے، اور جمہوری نظام ہائی کورٹ، سپریم کورٹ، ڈاک تار کے نظام، اور ریلوے کی طرح ان چیزوں میں سے ہے جو انگریزوں سے نئے ہندوستان کو وراثت میں ملی تھیں۔

# غیر مسلم اور قرآن سے استفادہ[1]

(قاضی اطہر مبارکپوری)

اسلام کی تبلیغ واشاعت کے سلسلہ میں جو اہم عالمی مسائل درپیش ہیں، ان میں غیر مسلموں کے قرآن مجید چھونے، اس کو پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، ادھر پچھلی چند دہائیوں سے پوری دنیا خصوصاً یورپ اور افریقہ کے ممالک میں اسلام فہمی کے لیے براہ راست مطالعہ کا ذوق اور داعیہ بڑھ رہا ہے، اور اس کے اصل منبع وماخذ یعنی کتاب وسنت اور قدماء کی تصانیف سے اسلامی عقائد واعمال کی جستجو عام ہو رہی ہے کیونکہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ مستشرقین اور ان کے ہم ذوق اہل علم نے اسلام کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ خلاف واقعہ یا ناکافی ہے، اس صورتِ حال کے نتیجہ میں یورپ وغیرہ کی عام درسگاہوں بلکہ عربی زبان اور تحقیقات اسلامی کے مستقل شعبے کھل رہے ہیں، یہ بات بہت خوش آیند اور امید افزا ہے کہ خود غیر مسلموں میں اسلامی فہمی کا ذوق ان کو عربی زبان اور اسلامی علوم سے بہت قریب کر رہا ہے، ایسی حالت میں ہم مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ ان غیر مسلموں کی زیادہ سے زیادہ مدد کی جائے، اور اسلام فہمی کی راہ میں ان کے لئے آسانی پیدا کی جائے، خاص طور سے

---

[1] یہ مقالہ ہمدرد فونڈیشن پاکستان کے زیر اہتمام تیسری عالمی قرآن کانفرنس منعقدہ راولپنڈی میں ۲۴ نومبر ۱۹۸۵ء کو پڑھا گیا۔

ان کے پاس قرآن پہونچانے اور اس کو صحیح طور سے سمجھنے کا زیادہ سے زیادہ موقع فراہم کیا جائے ۔

کئی سال ہوئے بمبئی میں ہمارے پاس جنوبی افریقہ (جوہانسبرگ) سے اس سلسلہ میں لمبا چوڑا استفتاء آیا تھا جس میں یہی سوال تھا کہ ہمارے یہاں کے یورپین اور افریقن ہم سے قرآن مجید اور اس کا ترجمہ طلب کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے طور پر اسلام کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کریں ، ان میں اسلام فہمی کا شوق حد سے زیادہ ہے ، جب سے یہاں کے مسلمانوں میں دینی شعور بیدار ہوا ہے اور ان کی بستیوں میں اسلامی اور دینی فضا پیدا ہو رہی ہے غیر مسلموں میں یہ ذوق بڑھتا جا رہا ہے ، ایسی صورت میں ہم ان غیر مسلموں کو پورا قرآن یا اس کے اجزاء مع ترجمہ کے دے سکتے ہیں ، یا نہیں ؟ اس کے جواب میں ہم نے اس وقت لکھا کہ قرآن کا ترجمہ دیا جا سکتا ہے ، اور اسی وقت سے اس مسئلہ میں مزید تحقیق و تلاش جاری رہی ،

حالات کی تیز رفتاری اور ضرورت کی شدت نے بڑی حد تک قرآن کریم کو غیر مسلموں کے ہاتھ میں پہونچا دیا ہے اور وہ اپنے طور پر اس کو پڑھنے اور سمجھنے لگے ہیں ، ان کی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں عربی زبان کی تعلیم ہو رہی ہے اور دراسات اسلامیہ کا شعبہ قائم ہے ، ایسی حالت میں ضرورت ہے کہ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کیا جائے اور کتاب و سنّت اور سلف صالحین کے قول و فعل سے روشنی حاصل کی جائے ،

قرآن مجید کے ادب و احترام پر ہر مکلف مسلمان کا عقیدہ و عمل ہے ، [illegible] مسلک یہی ہے کہ محدث اور جنبی مسلمان اور غیر مسلم قرآن مجید کو [illegible] البتہ مُحدِث یعنی بے وضو مسلمان اس کو پڑھ سکتا ہے ،

اس سلسلہ میں سورۂ واقعہ کی یہ آیت قابل غور ہے [illegible] سلف کے مختلف اقوال ہیں ،

لا اقسم بمواقع النجوم ۰ وانہ لقسم لو تعلمون عظیم ۰ انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون ۰ لا یمسہ الا المطہرون ۰ تنزیل من رب العالمین ۰

سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ بڑی قسم ہے کہ یہ ایک مکرم قرآن ہے جو محفوظ کتاب میں ہے، اس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگانے پاتا ہے، یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔

جمہور صحابہؓ، تابعین اور سلف کا قول ہے کہ "لا یمسہ الا المطہرون" اس قرآن کے بارے میں ہے جو عند اللہ اور آسمان میں ہے، اور مطہرون سے مراد ملائکہ ہیں، یعنی اس آسمانی کتاب الٰہی کو صرف فرشتے ہاتھ لگاتے ہیں، سورۂ عبس کی ان آیات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

فمن شاء ذکرہ ۰ فی صحف مکرمۃ ۰ مرفوعۃ مطہرۃ ۰ بایدی سفرۃ ۰ کرام بررۃ ۰

سو جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے، وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو مکرم ہیں، رفیع المقام ہیں، مقدس ہیں، جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں کہ وہ مقرب نیک ہیں،

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم اور مجاہد، عکرمہ، ضحاک، سعید بن جبیر، ابو شعثاء جابر بن زید، ابو نہیک، ابو العالیہ، قتادہ، حماد بن سلمان، اسماعیل سدی، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

دوسرے علماء کا قول ہے کہ "لا یمسہ الا المطہرون" میں مطہرون سے مراد جنابت اور حدث سے [illegible] ہے کہ قرآن کو جنبی اور محدث ہاتھ نہ لگائے، ان کا کہنا ہے کہ [illegible] آیت میں اگرچہ خبر دی گئی ہے مگر اس کا مطلب و معنی طلب ہے اور قرآن کریم سے مراد مصحف ہے جو لکھا اور پڑھا جاتا ہے، صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
قرآن لے کر سفر کرنے سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ دشمن اس کو [illegible] رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے عامل حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو جو مکتوب [illegible]
اس میں درج تھا، ان لا یمس القرآن الا طاہر، یعنی قرآن کو صرف طاہر ہی [illegible]
ہاتھ لگائے، [1]

اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ سے بھی استدلال کیا
جاتا ہے، جس میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن سے کہا کہ جو کتاب تم لوگ پڑھ رہے تھے مجھے
دو، تو بہن نے کہا کہ "انک رجس وانہ لا یمسہ الا المطہرون، یعنی تم ناپاک ہو
اور اس کو پاک ہی لوگ ہاتھ لگاتے ہیں، فقم فاغتسل او توضأ فقام عمر [illegible]
الکتاب فقرأہ، یعنی تم اٹھو غسل یا وضو کرو، چنانچہ حضرت عمرؓ نے وضو کیا اور قرآن کو
دوسری روایت میں غسل کرنے کی تصریح بھی ملتی ہے، چنانچہ قاضی ابن عربی مالکی نے احکام
القرآن میں "فاغتسل واسلم" لکھا ہے [2]

حضرت سلمان فارسیؓ نے ایک مرتبہ بغیر وضو کے قرآن پڑھا مگر اس کو ہاتھ [illegible]
حضرت سعدؓ نے اپنے لڑکے کو قرآن چھونے کے لئے وضو کرنے کا حکم دیا، حضرت [illegible]
بھی یہی مروی ہے، اور امام حسن بصریؒ، امام نخعیؒ بغیر وضو کے مس قرآن کو مکروہ سمجھتے
فراءؒ نے سب سے الگ اور ظاہری معنی سے ہٹ کر کہا ہے آیت لا یمسہ
الا المطہرون، کا مطلب بیان کیا ہے کہ لا یجد طعمہ ونفعہ الا [illegible]

---

[1]: تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۹۸، [2]: احکام القرآن ابن العربی ج [illegible]
[3]: احکام القرآن جصاص ج ۳ ص ۵۱۱۔
[4]: تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۹۸۔

رآن کی جاشنی اور لذت اور اس کا نفع وہی شخص پائے گا جو اس پر ایمان لائے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی لذت وہی

سکتے ہیں جو گناہوں سے پاک صاف ہو، [illegible] گئی ہے، امام بخاری نے اس

[illegible] بتایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی لذت اس شخص نے

[illegible] اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اور دین اسلام کی حقانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

[illegible] پر راضی ہوا مگر یہ توجیہہ بغیر نقلی اور سمی دلائل کے [illegible]

قاضی ابوبکر احمد بن علی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ [illegible]

[illegible] ہیں کہ اگر آیت کو خبر پر محمول کیا جائے تو اولیٰ یہ ہے کہ [illegible]

[illegible] بیان ہے اور مطہرون سے مراد ملائکہ ہیں اور اگر آیت کو نہی پر محمول [illegible]

[illegible] صورت خبر ہے تو ہم سب کے بارے میں عام ہوگی، اور یہی اولیٰ [illegible]

[illegible] ہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کے پاس [illegible]

[illegible] کہ لایمس القرآن الا طاھر، تھا۔ اور یہ قول اسی آیت کی وجہ سے

[illegible] کیونکہ اس میں نہی کا احتمال ہے۔[2]

یہ ساری بحثیں مسلمان محدثین اور مفسرین کے مس قرآن کے بارے میں ہیں جو مکلف ہیں

[illegible] شرعی احکام لاگو ہوتے ہیں اسی کے ساتھ قرآن جہاں ھُدًی للمتقین ہے وہیں

[illegible] للناس، بھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین تک قرآن کی آواز

[illegible] پہنچانے میں جو جدوجہد فرمائی ہے اور اس راہ میں جو مصائب برداشت کیے ہیں ہماری

[illegible] سے پوشیدہ نہیں ہیں، دربار رسالت میں جو وفود دین فہمی کے لئے آئے ہیں ان

---

[1] احکام القرآن ابن العربی ج ۲ ص ۱۳۳۱۔

[2] احکام القرآن ج ۳ ص [illegible]۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے علاقہ میں قرآن لے کر سفر کرنے سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ دشمن اس کو پا جائے گا، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے عامل حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو جو مکتوب روانہ فرمایا تھا اس میں درج تھا۔ "ان لا یمس القرآن الا طاھر"، یعنی قرآن کو صرف طاہر پاک شخص ہاتھ لگائے، ؎۱

اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ سے بھی استدلال کیا جاتا ہے، جس میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن سے کہا کہ جو کتاب تم لوگ پڑھ رہے تھے مجھے دو، تو بہن نے کہا کہ "انّک رجس وانہ لا یمسہ الّا المطہرون"، یعنی تم ناپاک ہو اور اس کو پاک ہی لوگ ہاتھ لگاتے ہیں، "فقم فاغتسل او توضأ فتوضأ ثم اخذ الکتاب فقرأہ"، یعنی تم اٹھو غسل یا وضو کرو، چنانچہ حضرت عمرؓ نے وضو کیا اور قرآن کو پڑھا، دوسری روایت میں غسل کرنے کی تصریح بھی ملتی ہے، چنانچہ قاضی ابن عربی مالکیؒ نے احکام القرآن میں "فاغتسل واسلم" لکھا ہے ؎۲

حضرت سلمان فارسیؓ نے ایک مرتبہ بغیر وضو کے قرآن پڑھا مگر اس کو ہاتھ نہیں لگایا، حضرت سعدؓ نے اپنے لڑکے کو قرآن چھونے کے لئے وضو کرنے کا حکم دیا، حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے، اور امام حسن بصریؒ، امام نخعیؒ بغیر وضو کے مس قرآن مکروہ سمجھتے ہیں۔ ؎۳

فراءؒ نے سب سے الگ اور ظاہری معنی سے ہٹ کر کہا ہے آیت "لا یمسہ الا المطہرون" کا مطلب بیان کیا ہے کہ لایجد طعمہ ونفعہ الا من امن بہ

---

؎۱: تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۹۸، ؎۲: احکام القرآن ابن العربی ج ۲ ص ۲۳۲

؎۳: احکام القرآن جصاص ج ۳ ص ۵۱۱۔

؎۴ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۹۸۔

قرآن کی چاشنی اور لذت اور اس کا نفع وہی شخص پائے گا جو اس پر ایمان لائے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب کہ قرآن کی لذت وہی لوگ پا سکتے ہیں جو گناہوں سے پاک اور تائب و عابد ہیں صحیح ہے، امام بخاری نے اس کو مختار بتایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی لذت اس شخص نے پائی جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اور دین اسلام کی حقانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر راضی ہوا مگر یہ توجیہ بغیر عقلی اور سمعی دلیل کے ظاہر سے عدول ہے، سلہ

قاضی ابوبکر احمد بن علی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ جو مذکورہ آیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر آیت کو خبر پر محمول کیا جائے تو اولیٰ یہ ہے کہ اس میں، وہ قرآن مراد ہو جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے اور مطہرون سے مراد ملائکہ ہیں، اور اگر آیت کو نہی پر محمول کیا جائے اگرچہ یہ بصورت خبر ہے تو ہم سب کے بارے میں عام ہوگی، اور یہی اولیٰ ہے اس لیے کہ صریح روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کے پاس جو تحریر روانہ فرمائی تھی اس میں "ولا یمس القرآن الا طاھر" تھا۔ اور یہ نہی اسی آیت کی وجہ سے ہوگی کیونکہ اس میں نہی کا احتمال ہے، سلہ

یہ ساری بحثیں مسلمان محدث اور جنبی کے مس قرآن کے بارے میں ہیں جو مکلف ہیں اور جن پر شرعی احکام لاگو ہوتے ہیں اسی کے ساتھ قرآن جہاں ھدی للمتقین ہے وہیں ھدی للناس بھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین تک قرآن کی آواز پہونچانے میں جو جد و جہد فرمائی ہے اور اس راہ میں جو مصائب برداشت کیے ہیں ہماری نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں، دربار رسالت میں جو وفود دین فہمی کے لئے آتے ہیں ان

---

سلہ:- احکام القرآن ابن العربی ج ۴ ص ۱۷۳۱ -

سلہ:- احکام القرآن ج ۳ ص ۴۱۵ -

کے لئے جو اہتمام آپ نے فرمایا ہے وہ بھی معلوم ہے، اُن کی دلداری کا یہ عالم تھا کہ وہ خود دین کی سمجھ حاصل کرنے کے لئے آتے تھے، حتیٰ کہ جو حربی مشرک اور کافر قرآن سننے اور سمجھنے کے ارادے سے آتے تھے ان کو اپنی امان میں رکھ کر قرآن سنانے کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

| | |
|---|---|
| وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ، ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ○ | اور اگر کوئی شخص مشرکوں میں سے آپ سے پناہ چاہے تو آپ اس کو پناہ دیجئے تاکہ وہ کلام اللہ کو سن لے، پھر اس کو اس کی پناہ کی جگہ پہونچا دیں، یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے، |

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ کافر جب ہم سے دین کی حجت اور توحید و رسالت کے دلائل طلب کرے، تاکہ حجت اور دلیل کی روشنی میں توحید و رسالت کو تسلیم کرے، تو ہم پر اقامت حجت، اور اللہ تعالیٰ کی توحید، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بیان کرنا ضروری ہے، اور ایسے حربی کافر کا قتل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کو امان دینے کا حکم دیا ہے تاکہ کلام اللہ کو سنے، اس کے بعد لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| وفيه الدلالة ايضاً على ان علينا تعليم كل من التمس منا تعريفه شيئاً من امور الدين، لان الكافر الذى استجار نا ليسمع كلام الله انما قصد التماس معرفة صحة الدين [1] | نیز اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص ہم سے دین کی کوئی بات معلوم کرنا چاہے، ہم پر ایسے تمام لوگوں کو تعلیم دینا فرض ہے، کیونکہ جس کافر نے کلام اللہ سننے کے لئے ہم سے پناہ و امان چاہی ہے اس کا مقصد |

---

[1] احکام القرآن ج ۳ ص ۱۰۳ -

دین کی صحت کی معرفت ہی ہے۔

موجودہ دور میں بہت سے غیر مسلموں کے بارے میں تقریباً یہی صورت حال ہے کہ وہ تحقیق کے لئے قرآن کو سمجھنا چاہتے ہیں، اور گویا ہم سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ ان کو قرآن کی تعلیمات اور توحید و رسالت کے بارے میں بنیادی باتیں بتائی جائیں، اس لئے ان کی پذیرائی، دلداری اور تالیف قلب کے ساتھ اسلام کے اصل منبع و ماخذ تک ان کے لئے راہ پیدا کرنی چاہئے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے غیر مسلم کے مسِ قرآن کا مسئلہ سامنے آتا ہے، ظاہر ہے کہ عام حالات میں غیر مسلم کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے، جبکہ وہ اپنے طور پر قرآن چھوتے اور پڑھتے ہیں۔ چنانچہ امام ابوبکر جصاص نے مشہور تابعی امام ابو قتادہ بن دعامہ سدوسی البصری متوفی ۱۱۷ھ کا یہ بیان نقل کیا ہے:

| | |
|---|---|
| وقال قتادة، لا يمسه عند الله الا المطهرون فاما في الدنيا فانه يمسه المجوسي، والنجس، والمنافق ۔[1] | جو قرآن عند اللہ ہے اس کو صرف پاک لوگ چھوتے ہیں اور جو دنیا میں ہے اس کو مجوسی اور ناپاک اور منافق بھی چھوتا ہے۔ |

امام ابن کثیر نے بھی حضرت قتادہ کا یہ قول معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے:

| | |
|---|---|
| لا يمسه عند الله، الا المطهرون، فاما في الدنيا فانه يمسه المجوسي النجس والمنافق الرجس ۔[2] | جو قرآن عند اللہ ہے اس کو صرف پاک لوگ چھوتے ہیں اور جو دنیا میں ہے اس کو نجس مجوسی اور ناپاک منافق بھی چھوتا ہے۔ |

---

[1] احکام القرآن جصاص ج ۳ ص ۴۱۵۔
[2] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۹۸۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول صورت حال کی خبر اور بیان واقعہ کے طور پر ہے، یعنی ان کے زمانہ میں بصرہ اور عراق کے دوسرے شہر ولشکر میں غیر مسلم اور مجوسی وغیرہ آباد تھے اور مسلمانوں سے ان کا اختلاط تھا، وہ اپنے طور پر بوقت ضرورت قرآن کو ہاتھ لگاتے اور پڑھتے تھے، جیسا کہ آج بھی یہ صورت ہے کہ غیر مسلم طابعین وناشرین قرآن مجید کی طباعت کرتے ہیں، اور ایسے ادارے اپنے طور پر اس کا احترام بھی کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبول اسلام سے پہلے مصحف کو ہاتھ لگانے کے لیے جو وضو یا غسل کیا تھا ظاہر ہے کہ وہ بحالت کفر تھا اور اس کا مقصد ظاہری صفائی اور ستھرا پن تھا، غالباً اسی ظاہری صفائی کے پیش نظر ائمۂ احناف میں امام محمد رح نے غسل کے بعد نصرانی کے مسِ قرآن کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے:

| | |
|---|---|
| ویمنع النصرانی من مسّہ، وجوّزہ محمد اذا اغتسل، [۱] | مسِ قرآن سے نصرانی کو روکا جائے گا، اور امام محمد نے اس کو جائز قرار دیا ہے جبکہ وہ غسل کرلے، |

نیز اسی زمانہ میں کوفہ کے بعض اجلۂ تابعین اور ائمۂ دین نے نصاریٰ سے اپنے لیے قرآن لکھوایا تھا، ظاہر ہے کہ ان حضرات نے نصاریٰ کی ظاہری صفائی پر اعتماد کر کے یہ کام ان سے لیا تھا، چنانچہ امام ابراہیم نخعی رح اپنے استاد امام علقمہ بن قیس نخعی کوفی رح متوفی ۶۲ھ کے متعلق بیان کرتے ہیں:

| | |
|---|---|
| انّہ کان اذا اراد ان یتخذ مصحفاً امر نصرانیاً فنسخہ، [۲] | جب ان کو مصحف کی ضرورت پڑتی تو ایک نصرانی کو حکم کرتے اور وہ ان کے |

---

[۱] درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۱۹۳

[۲] المحلی ابن حزم ج ۱ ص ۸۴

لیے لکھدیا کرتا تھا،

اس روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علقمہؒ اس عیسائی کاتب سے بار بار مصحف لکھوایا کرتے تھے، اور اس پران کو پورا اطمینان تھا۔

حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ علماء ربانین میں سے تھے، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سعد، حضرت حذیفہ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور دیگر اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے، حضرت ابن مسعود کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور علم وعمل، سیرت وکردار میں ان کے مثنیٰ تھے، ان کے حلقہ درس میں حضرات صحابہؓ شریک ہوکر دینی سوال کرتے اور فتویٰ پوچھتے تھے۔ ؎۱

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کوفی متوفی ۸۰ھ نے مقام حیرہ کے ایک نصرانی سے اجرت پر قرآن کی کتابت کرائی تھی، مصنف عبدالرزاق، باب بیع المصاحف میں ہے:

| | |
|---|---|
| ان عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کتب له نصرانی من اهل الحيرة مصحفاً بسبعين درهماً ؎۲ | عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے لیے حیرہ کے ایک نصرانی نے ایک مصحف ستر درہم میں لکھا تھا، |

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ کوفہ کے کبار تابعین اور ثقات اسلام میں سے ہیں، ایک سو بیس ۱۲۰ صحابہ کی صحبت ومعیت سے فیضیاب ہیں، ان کے حلقہ درس میں بھی حضرات صحابہؓ تشریف لاتے تھے، جن میں حضرت براء بن عازبؓ بھی ہوا کرتے تھے، یہ حضرات نہایت خاموشی اور ادب کے ساتھ ان سے احادیث سنتے تھے، ؎۳

---

؎۱:- تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۳ -

؎۲:- مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۱۱۴ -

مشہور امام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے والد ہیں۔ ؎۱

ان حضرات کے اس عمل پر معاصر ائمۂ دین کی طرف سے کسی قسم کی نکیر کا پتہ نہیں چلتا، حالانکہ اس دور میں ہر جگہ علماء و فقہاء اور محدثین کا جم غفیر موجود تھا اور مختلف مسائل میں اختلاف رائے ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ نصرانی کاتب سے قرآن لکھوانے میں اس کی ظاہری پاکی و صفائی کا لحاظ رہتا رہا ہوگا، جیسا کہ حضرت عمرؓ کے ایک واقعہ میں یہی بات تھی، اور ایسی صورت میں وہ نصرانی کاتب قرآن کو چھوتے اور پڑھتے تھے

اس کے باوجود عہد سلف میں بلا کسی شرط و قید پر محدث و جنبی اور غیر مسلم کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانے اور پڑھنے کے جواز میں کوئی صریح قول نہیں ملتا، البتہ حضرت قتادہؒ کا قول "فاما فی الدنیا فانہ یمسہ المجوسی والنجس والمنافق" بتلاتا ہے کہ عہد صحابہ و تابعین میں قرآن کو غیر مسلم بھی ہاتھ لگاتے تھے، بعد میں پانچویں صدی کے مشہور ظاہری امام و عالم ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ بلا کسی قید و شرط کے علی الاطلاق اس کے جواز کے قائل ہیں اور محدث، جنبی اور کافر و مشرک سب کے لیے قرآن چھونے اور پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں، اور عدم جواز کے تمام دلائل کا رد کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

جنبی کے لیے مس قرآن کو ناجائز قرار دینے والوں نے جن آثار سے استدلال کیا ہے، ان میں سے کوئی صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ یا مرسل ہے، یا غیر مستند صحیفہ ہے، یا اس کا راوی مجہول ہے، یا ضعیف ہے۔ ؎۲

اور اپنے اس قول کے استدلال میں مکتوب نبوی بنام ہرقل کو پیش کیا ہے

؎۱: تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۲۶۰۔

؎۲ المحلی ج ۱ ص ۸۱۔

جس میں قرآنی آیات ہیں اور نصاریٰ کا نے ان کو ہاتھ لگایا اور پڑھا ہے، یہ
مکتوب مبارک صحیح بخاری کی کتاب بدء الوحی میں یوں درج ہے:-

«بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد عبد اللہ و رسولہ الی
ھرقل عظیم الروم، سلام علی من اتبع الھدیٰ، اما بعد فانی ادعوک
بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین، فان
تولیت فان علیک اثم الاریسیین، و یا اھل الکتاب تعالوا الی
کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا، ولا
یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ، فان تولوا فقولوا اشہدوا
بانا مسلمون»

اس مکتوب نبویؐ کو نقل کرکے ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نصاریٰ کے پاس یہ مکتوب روانہ فرمایا جس میں یہ آیت ہے؛ حالانکہ آپ کو یقین تھا کہ وہ اس مکتوب کو ہاتھ لگائیں گے، [1]

اس مکتوب کے پیش نظر بعض علماء حنبلی کے لیے ایک دو آیات پڑھنے اور دشمن کے ملک میں قرآن کے بعض اجزا و بھیجنے اور اس کے ساتھ سفر کرنے کے قائل ہیں، [2]

غیر مسلم کو قرآن کی تعلیم دینے کے بارے میں علماء سلف کے مختلف اقوال ہیں:
حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے کافر کو قرآن کی تعلیم سے مطلقاً منع کیا ہے، حنفیہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، امام شافعیؒ کے اس بارے میں دو اقوال ہیں، اور بعض مالکی علماء نے غیر مسلم پر دین کی حجت قائم کرنے کے لیے قرآن کی مختصر تعلیم

---

۱- فتح الباری جلد ۱ ص ۳۹ -

۲- المحلی ج ۱ ص ۸۳ -

مشہور امام محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے والد ہیں۔ لہ

ان حضرات کے اس عمل پر معاصر ائمۂ دین کی طرف سے کسی قسم کی نکیر کا پتہ نہیں چلتا، حالانکہ اس دور میں ہر جگہ علماء وفقہاء اور محدثین کا جم غفیر موجود تھا اور مختلف فقہی مسائل میں اختلاف رائے ہوتا رہتا تھا، ظاہر ہے کہ نصرانی کاتب سے قرآن لکھوانے میں اس کی ظاہری پاکی وصفائی کا لحاظ رہتا رہا ہوگا، جیسا کہ حضرت عمرؓ کے ایک واقعہ میں یہی بات تھی، اور ایسی صورت میں وہ نصرانی کاتب قرآن کو چھوتے اور پڑھتے تھے

اس کے باوجود عہد سلف میں بلاکسی شرط وقید ہر محدث وجنبی اور غیر مسلم کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانے اور پڑھنے کے جواز میں کوئی صریح قول نہیں ملتا، البتہ حضرت قتادہؒ کا قول " فاما فی الدنیا فانہ یمسہ المجوسی والنجس والمنافق " بتاتا ہے کہ عہد صحابہ وتابعین میں قرآن کو غیر مسلم بھی ہاتھ لگاتے تھے بعد میں پانچویں صدی کے مشہور ظاہری امام وعالم ابن حزم اندلسیؒ متوفی ۴۵۶ھ بلاکسی قید وشرط کے علی الاطلاق اس کے جواز کے قائل ہیں اور محدث، جنبی اور کافر ومشرک سب کے لیے قرآن چھونے اور پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں، اور عدم جواز کے تمام دلائل کا رد کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

جنبی کے لیے مس قرآن کو ناجائز قرار دینے والوں نے جن آثار سے استدلال کیا ہے، ان میں سے کوئی صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ یا مرسل ہے، یا غیر مستند صحیفہ ہے، یا اس کا راوی مجہول ہے، یا ضعیف ہے۔ ٣ہ

اور اپنے اس قول کے استدلال میں مکتوب نبوی بنام ہرقل کو پیش کیا ہے

---

لہ: تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۲۶۱۔

٢ہ المحلی ج ۱ صفحہ ۸۱۔

جس میں قرآنی آیات ہیں اور نصاریٰ کا نے ان کو ہاتھ لگایا اور پڑھا ہے۔ یہ مکتوب مبارک صحیح بخاری کتاب بدء الوحی میں یوں درج ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ و رسولہ الی ہرقل عظیم الروم، سلام علی من اتبع الھدیٰ، اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین، فان تولیت فان علیک اثم الاریسیین، ویا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئًا، ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ، فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔"

اس مکتوب نبویؐ کو نقل کرکے ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نصاریٰ کے پاس یہ مکتوب روانہ فرمایا جس میں یہ آیت ہے: حالانکہ آپ کو یقین تھا کہ وہ اس مکتوب کو ہاتھ لگائیں گے، [1]

اس مکتوب کے پیش نظر بعض علماء مجتہدین کے لیے ایک دو آیات پڑھنے اور دشمن کے ملک میں قرآن کے بعض اجزاء کو بھیجنے اور اس کے ساتھ سفر کرنے کے قائل ہیں، [2]

غیر مسلم کو قرآن کی تعلیم دینے کے بارے میں علماء سلف کے مختلف اقوال ہیں: حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے کافر کو قرآن کی تعلیم سے مطلقاً منع کیا ہے، حنفیہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، امام شافعیؒ کے اس بارے میں دو اقوال ہیں، اور بعض مالکی علماء نے غیر مسلم پر دین کی حجت قائم کرنے کے لیے قرآن کی مختصر تعلیم

---

[1] فتح الباری جلد ۱ ص ۳۹ ۔

[2] المحلیٰ ۱/۸۳ ۔

جائز قرار دی ہے، اور ضرورت سے زیادہ تعلیم سے منع کیا ہے، انھوں نے مکتوب نبوی بنام ہرقل سے استدلال کیا ہے، آخر میں لکھا ہے کہ :

| | |
|---|---|
| وقد نقل النووی الاتفاق علی جواز الکتابۃ الیھم بمثل ہذا ۔ [1] | امام نووی نے نصاریٰ وغیرہ کے پاس اس قسم کے خط لکھنے پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے، |

حنفیہ کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ وہ غیر مسلم کے لیے قرآن کی تعلیم مطلقاً جائز سمجھتے ہیں، دُرِّ مختار میں ہے:

| | |
|---|---|
| ویمنع النصرانی من مسہ، وجوزہ محمد اذا اغتسل، ولا باس بتعلیمہ القرآن والفقہ عسی ان یھتدی [2] | نصرانی کو مس قرآن سے روکا جائے گا، اور امام محمدؒ اس کو جائز قرار دیتے ہیں جبکہ وہ غسل کرلے، اور اس کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے ہدایت پا جائے، |

علمائے ہند میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے غیر مسلم کو صرف ترجمۂ قرآن دینا جائز قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کا ترجمہ مسلمانوں کے حق میں قرآن مجید کا حکم رکھتا ہے، اور غیر مسلموں کو تبلیغ کے لئے دینا جائز ہے [3]

الحاصل غیر مسلم کے ہاتھ میں قرآن کریم دینے اور اس کو قرآن کریم کی تعلیم دینے کے بارے میں (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے سے پہلے غسل یا وضو کے بعد قرآن

---

[1] ۱۔ فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۴ ۔

[2] ۲۔ در المختار ج ۱ ص ۱۸۳ ۔

[3] ۳۔ کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۲۵ ۔

کا چھونا اور پڑھنا، (۲) مکتوب نبویؐ بنام ہرقل (۳) حضرت قتادہؒ کا بیان، (۴) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ اور حضرت علقمہ بن قیسؒ کا نصرانی سے قرآن لکھوانا، (۵) امام محمد بن حسن شیبانیؒ کا قول (۶) احناف کے نزدیک غیر مسلم کی ہدایت کی امید پر اس کو قرآن کی تعلیم دینے کا جواز، (۷) امام ابن حزم ظاہری اندلسیؒ کے نزدیک علی الاطلاق سب کے لیے مسِ قرآن کا جواز، ان سب تصریحات کی روشنی میں ایسے غیر مسلموں کو قرآن چھونے اور پڑھنے پر سنجیدگی سے غور کیا جا سکتا ہے جو واقعی ہدایت کے طالب ہیں، اور اس کا اپنے طور پر احترام کرتے ہیں، ایک بات خاص طور سے قابل غور ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور علقمہ بن قیس نے نصرانی سے قرآن لکھوایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے متعدد سربراہان ملک کے پاس دعوتی مکاتیب روانہ فرمائے مگر نصرانی سربراہ ہرقل کے مکتوب میں قرآنی آیات تحریر فرمائیں، امام محمد نے نصرانی کو غسل کے بعد قرآن چھونے کی اجازت دی ہے، ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرے اہل مذاہب کے مقابلہ میں عیسائی اسلام اور مسلمانوں سے زیادہ قریب تھے، اور قرآن کا کسی حد تک احترام کرتے تھے، اس لیے اہل علم کو ان پر اعتماد تھا،

دوسری بات یہ ہے کہ قتادہؒ، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ، علقمہ بن قیسؒ اور امام محمدؒ علماء عراق میں سے ہیں جن کے یہاں نومسلموں اور غیر مسلموں کے اختلاط و اجتماع کی وجہ سے نئے نئے مسائل پیدا ہوتے تھے، اور ائمہ دین ان کو کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی فقہی بصیرت سے حل کرتے تھے، اس دور میں عراق کے مرکزی شہر کوفہ، بصرہ وغیرہ عجمی و عربی رجال و افکار کا گہوارہ تھے، اور ان میں مذہبی بحث و مناظرہ کی مجلسیں برپا ہوا کرتی تھیں، اسی وجہ سے علماء عراق جدید مسائل کے بارے میں سند اور اسوہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں توسّع پایا جاتا ہے۔

# امام ابوزرعہ رازی رح

(از، مولانا اسیر ادروی صاحب، ادری، اعظم گڑھ)

ابوزرعۃ الرازی اپنے دور کے مشہور محدث، حافظِ حدیث، اسماء الرجال اور فن جرح وتعدیل کے بہت بڑے عالم اور امام فن تھے حفظِ حدیث، ذکاوت اور علم وعمل ہر اعتبار سے ممتاز تھے، ان کی عظمت اور علم وفضل کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ان کے تلامذہ میں امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ، ابن ماجہ، ابوحاتم رازی جیسے مشہور محدثین شامل ہیں، آپ امام بخاریؒ ومسلمؒ جیسے یگانۂ روزگار محدثین کے معاصر ہیں اور بہت سے شیوخ حدیث میں شریک ہیں، لاکھوں حدیثیں انہوں نے اپنے ہاتھ سے نقل کیں، اسماء الرجال اور فن جرح وتعدیل کی کتابوں میں امام بخاری ومسلم اور دوسرے مشاہیر فن کے ساتھ ان کے بھی اقوال مذکور ہیں اور ان کی بڑی اہمیت ہے۔

آپ کا نام عبید اللہ بن عبد الکریم بن یزید بن فردخ ہے، لیکن علمی دنیا میں آپ کی شہرت صرف ابوزرعہ رازی کے نام سے ہے آپ کی ولادت دوسری صدی کے آخر میں ۱۹۴ھ میں ہوئی۔ امام بخاری کا سال ولادت بھی یہی ہے آپ کی ولادت شہر رے میں ہوئی اور وہیں نشوونما پائی۔

**خاندان** — آپ کا خاندان ایک علمی خاندان تھا، آپ کے دادا یزید بن فروخ رے کے تین مشہور محدثین میں شامل ہیں، اسماعیل بن یزید

اور محمد بن یزید ابو جعفر المعلب اور تیسرے بھی یزید بن فروخ ہیں، آپ کے والد عبد الکریم بن یزید خود بھی صاحب علم تھے اور مشہور محدثین کی علمی مجلسوں میں برابر شریک ہوتے تھے، اسماء الرجال کی بہت سی معلومات ابوزرعہ کو اپنے والد ہی کے ذریعہ حاصل ہوئیں، اسی طرح ان کے بھائی ابوبکر بھی اہل علم تھے اور محدثین سے حدیثوں کے سماع کے سلسلہ میں ابوزرعہ اپنے بھائی ابوبکر کے ساتھ بسا اوقات جاتے تھے، اسی طرح ان کی پھوپھی کا گھرانہ بھی علمی گھرانہ تھا، ان کے پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ مشہور محدث ابوحاتم رازی نے تحصیل حدیث کے سلسلہ میں اسفار کیے ہیں۔

ابوزرعہ نے اپنے خاندان اور عزیز واقارب اور اپنے شہر کے علمی ماحول اور آب وہوا میں نشو ونما پائی جہاں ہر طرف اور ہمہ وقت قال اللہ وقال الرسول کے ایمان افروز اور حوصلہ افزا نغمے گونج رہے تھے۔

**وطن**

آپ کا وطن شہر "رَے" ایک مردم خیز شہر تھا، اسی کے ساتھ ساتھ اسلامی دنیا میں ایک علمی مرکز کی حیثیت سے بھی مشہور تھا، رَے میں ہر طرف علم حدیث کا چرچا تھا، متعدد محدثین اور ائمہ جرح وتعدیل کے علمی زمزمہ آرائیوں سے پورا شہر معمور تھا، دنیائے اسلام میں ہمہ وقت جو علمی کارواں سرگرم سفر رہا کرتے تھے، ان کی ایک منزل رَے بھی تھی جہاں لوگ کروہ اپنی علمی تشنگی بجھاتے تھے، رے کے محل وقوع نے بھی اس کی مرکزیت ومرجعیت میں اضافہ کر دیا تھا کیوں کہ ماوراء النہر کے تمام علمی مرکزوں نیشاپور، مرو، بلخ، ہرات وغیرہ مشہور شہروں کے قافلوں کی شاہراہ پر واقع تھا، ان علاقوں سے حاجیوں کے قافلے اور طلب حدیث میں سرگرم سفر رہنے والے کارواں رَے ہی سے ہو کر گذرتے تھے، اس کی سرایوں اور مسافرخانوں میں یہ قافلے خیمہ زن رہا کرتے تھے، اور کارواں کے افراد اپنے اپنے ذوق کے مطابق رَے کے محدثین کی علمی مجلسوں میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے تھے اور کچھ دنوں قیام

کرکے آگے کے سفر پر نکل جاتے تھے۔ اس کی وجہ سے رَے میں ہر وقت علمی
ماحول بنا رہتا تھا، ہر طرف علمی چرچے، درسِ حدیث کی باتیں، مذاکرے و مباحثے
شب و روز ہوتے رہتے تھے جیسے اس کے علاوہ یہاں اور کوئی مصروفیت
کی چیز ہی نہیں ہے۔ پھر رَے کا تجارتی مرکز ہونا اور خلفاء کا خصوصیت کے ساتھ
علماء و محدثین کا لحاظ و خیال رکھنا اور ان کو علمی مشغلوں کی سہولتیں فراہم کرنا بھی رَے
کی شہرت کا باعث تھا۔

رَے میں بہت سے علمی خانوادے تھے جن میں درس و تدریس کا سلسلہ اور علمی چرچا
رہا کرتا تھا۔ اس کے افراد علمی مشاغل میں مصروف تھے اور وہ رَے آنے والوں کے
سامنے اپنے آبا و اجداد کے علمی ذخیروں سے لوگوں کو مستفید ہونے کے مواقع فراہم کرتے
رہتے تھے۔ رَے کے متعدد علماء اور محدثین کی عالمِ اسلام میں شہرت نے بھی رَے کی
مرکزیت میں اضافہ کر دیا تھا، مشاہیرِ اسلام اور جلیل القدر محدثین کے سفرِ رَے کا
حال تاریخوں میں مذکور رہے، ان میں سے کچھ ممتاز اور نمایاں نام درج ذیل ہیں۔

امام سعید بن جُبیر الاسدی الوالبی جن کو حجاج نے ۹۵ھ میں ظلماً قتل کرایا،
مشہور محدث ضحاک بن مزاحم الہلالی الخراسانی (متوفی ۱۰۵ھ) امیر المومنین
فی الحدیث عامر بن شراحیل (متوفی ۱۰۳ھ) جو صرف شعبی کے نام سے مشہور ہیں،
خباب بن نافع العبسی الکوفی (متوفی ۱۱۷ھ) جو نافع مولیٰ ابن عمرؓ کے مشہور
راوی ہیں، حجاج بن ارطاط بن ثور النخعی الکوفی القاضی (متوفی ۱۴۵ھ)
مشہور محدث و فقیہ امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی
امام المغازی محمد بن اسحاق بن یسار المدنی (متوفی ۱۵۲ھ) امیر المومنین فی الحدیث
سفیان بن سعید بن مسروق الثوری (متوفی ۱۶۱ھ) امام القراءۃ والتجوید والنحو
علی بن حمزہ بن عبداللہ الاسدی الکوفی الکسائی (متوفی ۱۸۰ھ)، مشہور

فقیہ وقت عبداللہ بن المبارک المروزی (متوفی ۱۸۱ھ) ابوالفضل سلمہ بن شبیب نیسا بوری (متوفی ۲۶۱ھ) امام علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح السعدی ابوالحسن ابن المدینی البصری (متوفی ۲۳۴ھ) جو امام بخاری کے مشہور شیوخ میں ہیں۔

دنیائے اسلام کی ان مشہور اور عظیم المرتبت شخصیتوں کے خیر مقدم کرنے کا شرف سرزمین رَے کو حاصل ہوا، ان علماء و محدثین نے افادہ و استفادہ کی غرض سے رَے کا سفر کیا۔ اس تفصیل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ ابو زرعہ کے نشو و نما کا زمانہ کتنا زرخیز تھا۔ رَے کے اس علمی ماحول اور فضا میں ان کا بچپن گذرا۔

**کنیت** ابو زرعہ کی کنیت میں رَے اور دوسرے مقامات کے تقریباً پچاسوں اہلِ علم شریک ہیں۔ لیکن فن اسماء الرجال و فن جرح و تعدیل اور علم حدیث میں جب مُطلق بغیر نسبت کے ابو زرعہ کی کنیت استعمال کی جاتی ہے تو اس سے مراد یہی ابو زرعۃ الرازی ہوتے ہیں کیونکہ "المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل" ابو زرعہ کی علمی عظمت و شان نے ان کے اسلاف و معاصرین کو جو ان کے ساتھ کنیت میں شریک تھے پردۂ خفا میں ڈال دیا۔

**تحصیل علم** چونکہ گھر اور خاندان میں ہمہ وقت علمی چرچا رہتا تھا، خود ان کے والد علماء و محدثین کی مجلسوں میں برابر شریک ہوتے رہتے تھے اس لیے قدرتی طور پر ابو زرعہ اپنی کم عمری ہی میں علمی مجلسوں میں شریک ہونے لگے تھے عہد اسلام کی ابتدائی صدیوں میں تحصیل علم کا مروجہ طریقہ یہ تھا کہ طالبان علم حدیث کا قافلہ مرتب ہوتا تھا۔ اور اجتماعی طور پر یہ قافلہ شہروں شہروں میں قیام کرتا ہوا علم حدیث کے مرکزوں تک پہونچتا اور حسب ضرورت وہاں قیام کر کے پھر آگے بڑھتا تھا چونکہ راستے مخدوش تھے اس لئے جان و مال کی حفاظت کے خیال سے تنہا سفر نہیں کیا جاتا تھا۔

ابوزرعہ کا پہلا علمی سفر تیرہ سال کی عمر میں ہوتا ہے، اسی عمر میں ان کی غیر معمولی فطری ذکاوت و قوت حافظہ اور فہم و فراست کی وجہ سے اکابر محدثین کا اعتماد حاصل کر لیا تھا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب مشہور محدث قتیبہ بن سعید دمشقی سنہ ۲۲۷ھ میں رے تشریف لائے ہیں تو لوگوں نے ان سے روایت حدیث کی درخواست کی تو انہوں نے کہا،

"میری مجلس درس میں احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، ابوبکر ابن ابی لیلیٰ، شیبہ اور ابوخیثمہ جیسے اہلِ علم شریک ہوتے ہیں، میں یہاں کس کے سامنے حدیث بیان کروں؟

لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے مختلف مجلسوں میں جو حدیثیں بیان کی ہیں ہمارے یہاں ایک نوجوان ہے جو ان حدیثوں کو پوری ترتیب کے ساتھ حرف بحرف بیان کر دے گا، یہ کہہ کر لوگوں نے ابوزرعہ سے کہا کہ ابوزرعہ کھڑے ہو جاؤ، چنانچہ ابوزرعہ آئے اور انھوں نے وہ تمام حدیثیں بیان کر دیں جو قتیبہ بن سعید اب تک رے کی مختلف مجلسوں میں بیان کر چکے تھے، یہ حیرتناک حافظہ دیکھ کر قتیبہ ششدر رہ گئے اور درس حدیث شروع کر دیا۔[1]

**علمی اسفار** علمی اسفار خاص طور پر دو مقصدوں کے پیش نظر ہوتے تھے، ایک تو یہ کہ جس راوی سے ان کو حدیث ملی ہے اگر اس کے شیخ سے ملاقات ممکن ہے تو اس شیخ سے براہ راست مل کر حدیث کا سماع کرتا وہ پسند کرتے تھے، تاکہ سند مختصر ہو جائے، فن علوم الحدیث میں اس کو علو اسناد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسرا مقصد سفرِ راویوں کے حالات کا صحیح علم تاکہ جرح و تعدیل کے اعتبا

---

[1] ۔ تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۳۳۴ تاریخ دمشق لابن عساکر ق ۳ ...

حدیث کا صحیح مقام و مرتبہ متعین کیا جا سکے اور روایت کا درجہ معلوم ہو جائے، اسی بنا پر محدثین کی کوششوں کے نتیجہ میں فن اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل وجود میں آیا۔ ان اسفار کا مقصد شیوخ حدیث اور اکابر اُمت سے تبرکاً ملاقات کسی کے پیش نظر نہیں تھا۔ جیسا کہ موجودہ زمانہ میں ہوتا ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ حدیث کی صحت اور ضعف کا دو مدار راویوں کے مجروح و ثقہ ہونے پر منحصر ہے، تدوین حدیث کے سلسلہ میں اسکی اہمیت و ضرورت اور بڑھ جاتی تھی، ان سفروں سے جہاں ذخیرۂ حدیث کی فراہمی میں مدد ملتی تھی وہیں روایتوں کی صحت و ضعف کا علم بھی علی وجہ البصیرۃ حاصل ہو جاتا تھا۔ ان سفروں کو بڑی اہمیت حاصل تھی یہاں تک کہ جو لوگ طلب حدیث کے سلسلے میں اسفار نہیں کرتے تھے ان کا درجہ محدثین کی مجلسوں میں بہت کمتر سمجھا جاتا تھا، یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں:

اربعة لائونس منهم رشداً منهم رجل يكتب في بلده ولا يرحل في طلب الحديث [1]

چار طرح کے لوگوں میں صحیح علمی بصیرت نہیں پیدا ہو سکتی ان میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو طلب حدیث میں اپنا وطن نہیں چھوڑتے ہیں۔

ابن ادہم کہا کرتے تھے کہ:

ان الله يرفع البلاء عن هذه الامة برحلة اصحاب الحديث [2]

اللہ تعالیٰ طلب حدیث کے سلسلہ میں سفر کرنیوالوں کی برکت سے اس امت کو بہت سی بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے،

---

[1]:۔ الرحلۃ فی طلب الحدیث للبغدادی ص ۴۷۔

[2]:۔ ایضاً ص ۴۷ و فتح المغیث ج ۲ ص ۲۱۵۔

تحصیل حدیث کے سلسلے میں اسفار کی اس اہمیت کے باوجود محدثین کا یہ مسلمہ شدہ اصول تھا کہ ترکِ وطن سے پہلے اپنے شہر کے اہل علم اور شیوخ حدیث کی مجالس میں شریک ہو کر ان کے علوم کو حاصل کرے پھر اپنے وطن کے قرب و جوار میں واقع شہروں اور قریوں کے اہل علم سے استفادہ کو مکمل کرنے کے بعد دور دراز کے علمی مرکزوں کا سفر اختیار کرے،

ابوزرعہ نے بھی اس اصول کو مدنظر رکھا، انھوں نے سن شعور کے ابتدائی مراحل میں رے کے محدثین سے سماع حدیث کے بعد اپنے علمی سفر کا آغاز کیا، خود ابوزرعہ کا بیان ہے:

| | |
|---|---|
| كتبت بالري قبل ان اخرج الى العراق عن نحو ثلاثين شيخا، منهم عبد الله بن الجراح التيمي ابو محمد القهستاني نزيل الري، عبد العزيز بن المغيرة المنقري ابو عبد الرحمن البصري نزيل الري، عبد الصمد بن حسان المروزي خادم سفيان الثوري جعفر بن عيسى البصري قاضي الري بشر بن يزيد بن الازهر النيسابوري، سلمة بن بشير النيسابوري نزيل الري عبيد بن اسحاق العطار ابو عبد الرحمن الكوفي [1] | سفر عراق سے پہلے میں اپنے شہر کے تقریباً ۳۰ شیوخ حدیث سے حدیثیں لکھ چکا تھا، ان میں سے چند نام یہ ہیں عبد اللہ بن الجراح تیمی ابو محمد قہستانی [2] (متوفی ۲۴۲ھ) عبد العزیز بن مغیرہ منقری بصری [3]، عبد الصمد بن حسان مروزی خادم سفیان ثوری [4]، جعفر بن عیسیٰ بصری قاضی رے [5] (متوفی ۲۱۹ھ) بشر بن یزید بن الازہر نیشاپوری [6]، سلمہ بن بشیر نیشاپوری [7]، عبید بن اسحاق عطار ابو عبد الرحمن کوفی وغیرہ [8] |

---

[1] :- تقدمۃ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ص ۳۳۵ - 　　بقیہ صفحہ آگے پر -

ابوزرعہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے فضل بن دکین (متوفی ۲۱۸ھ) سے کس سال حدیثیں لکھیں تو انھوں نے کہا کہ ۲۲۰ھ میں یعنی اس وقت جب آپ کی عمر بیسویں سال میں داخل ہو چکی تھی سلہ

**پہلا سفر** ابوزرعہ نے پہلا علمی سفر ۲۰ سال کی عمر میں کوفہ کا کیا ہے جو اس زمانہ میں علم و فن کا اہم ترین مرکز تھا، گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں علماء و محدثین کی مجالس درس قائم تھیں، ہر طرف علم و فن، تعلیم و تعلم، درس و تدریس کی چہل پہل تھی، واردین و صادرین کا کوفہ میں ایک تسلسل لگا ہوا تھا، ابوزرعہ کا یہ سفر ٹھیک اسی طرح کے ایک قافلے کے ساتھ تھا جیسے سوداگروں اور بیوپاریوں کا قافلہ چلا کرتا تھا، کیونکہ راستے خطرات سے خالی نہیں تھے، تنہا سفر کرنا ممکن نہ تھا۔

اس سفر میں آپ کے دس مہینے لگے، اسی سفر میں آپ نے کوفہ کے مشہور محدث ابونعیم فضل بن دکین سے حدیثوں کا سماع کیا۔

---

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ

سلہ: تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۶۹۔

سلہ: الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۳۹۷۔

سلہ: الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۵۴۹۔

سلہ: میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۱۳-۴۱۴۔

سلہ: الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۱۵۷۔

سلہ: الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۱۵۷۔

سلہ: ایضاً ج ۲ ص ۴۰۱۔

---

سلہ: تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۳۳۹۔

**...سرا سفر** ابوزرعہ کا دوسرا علمی سفر طویل ترین سفر تھا اور [illegible] کے ساتھ ان کا یہ سفر استفادہ و افادہ کے لحاظ سے اہم ترین بھی تھا، یہ سفر [illegible] شروع ہو کر ۲۳۲ھ کے ابتدائی مہینوں تک جاری رہا، اس سفر میں انھوں نے ...ن سے علمی مرکزوں سے استفادہ کیا، مختلف شہروں اور دور دراز گاؤں میں پہونچ ...ہاں کے اہل علم سے علم حدیث حاصل کیا، خود ابوزرعہ نے اپنے اس سفر کی روداد بیان ...ہے اس لیے اُن ہی سے یہ رُوداد سماعت فرمائیں، وہ کہتے ہیں کہ :-

"میں دوسری بار ۲۲۷ھ میں رے سے نکلا اور ۲۳۲ھ میں رے واپس آیا، اس سفر میں سب سے پہلے میں نے مکہ پہونچ کر فریضۂ حج ادا کیا، حج سے فراغت کے بعد مصر پہونچا، مصر میں میں نے پندرہ مہینے گزارے جبکہ آغاز سفر کے وقت مصر میں کم سے کم قیام کا ارادہ تھا لیکن وہاں پہونچ کر جب میں نے علمی چہل پہل دیکھی، ہر طرف افادہ و استفادہ کا ولولہ انگیز سلسلہ جاری پایا تو میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اور مصر میں میرے قیام کی مدت دراز سے دراز ہوتی چلی گئی، اسی طرح امام شافعیؒ کی کتابوں کے سماع کا بھی میرا ارادہ نہیں تھا لیکن جب میں نے غیر معین قیام کا ارادہ کر لیا تو میں نے ایسے شخص کی جستجو کی جو امام شافعی کی کتابوں سے بہتر طور پر واقف ہو، جب ایسا شخص مل گیا اور میں نے اجرت پر نقل کرنے کا معاملہ طے کر لیا میرے پاس دو کپڑے اپنی ضرورتوں کے لیے تھے، ان کو فروخت کر کے کاغذ خریدا اور اس شخص کے حوالے کر دیا[1]"

قیام مصر کے زمانہ میں ابوزرعہ کے فضل و علم کو جو شہرت ملی اور محدثین مصر کے نزدیک

---

[1] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۳۴۹ -

محدثانہ مقام ہو مرتبہ حاصل ہوا اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ کے مشہور شاگرد ربیع بن سلیمان کہتے ہیں :

| | |
|---|---|
| جتنے علماء مصر آئے ان میں ابو زرعہ اور ابو حاتم جیسا کوئی عالم نہیں آیا۔ | لم نر مثل ابی زرعة و ابی حاتم ما قدم علینا من العلماء ۔ سلہ |

**تیسرا سفر**

تیسرے علمی سفر کا واقعہ بھی خود ابو زرعہ نے بیان کیا ہے انھوں نے بتایا ہے کہ اس سفر میں شام عراق اور مصر میں ساڑھے چار برس صرف ہوئے، اس مدت میں ہر جگہ حسب حالات قیام کرکے وہاں کے مشاہیر شیوخ حدیث سے انہوں نے استفادہ کیا، حدیثوں کا سماع کیا، ان کی کتابوں کو نقل کیا غرضیکہ علم حدیث کی تحصیل میں شب و روز کا ہر لمحہ لگا دیا اور ہر چھوٹے بڑے شہر اور گاؤں تک پہونچنے کی کوشش کی جہاں بھی کوئی قابل ذکر محدث کی خبر ملی، حتی کہ بعض حدیثوں کے سماع کے لیے وہ اسلامی قلمرو کے سرحدی مقامات پر واقع فوجی چھاؤنیوں میں بھی تشریف لے گئے جہاں غیر فوجی کو جانے کی اجازت نہیں تھی، انھوں نے مُرابط بن کر ان فوجی چھاؤنیوں میں مہینوں گذارے اور وہاں قیام پذیر ہو کر محدثین سے علم حدیث حاصل کیا خلیلی نے ابو زرعہ کے شاگرد برذعی کا بیان نقل کیا ہے، برذعی کہتے ہیں :

| | |
|---|---|
| میں نے ابو زرعہ رازی سے سنا وہ کہتے تھے، کہ میں فوجی چھاؤنیوں میں مرابط بن کر داخل ہوا میرا مقصد صرف سماع حدیث تھا میں قزوین کی چھاؤنی میں گیا میرا مقصد وہاں علی بن محمد ابوالحسن الطنافسی / | سمعت ابا زرعة الرازی یقول لم اصرف لنفسی رباطاً خالصاً فی ثغرة قصدت قزوین مرابطاً و من همتی ان اسمع الحدیث من الطنافسی و محمد بن سعید بن سابق و دخلت |

---

سلہ : الارشاد للخلیلی ج ۲ ترجمہ ابو حاتم ۔

بيروت مرابطًا ومن نيتي ان اسمع من العباس بن الوليد ودخلت دهًا مرابطًا ومن نيتي ان اسمع من ابي فروة الرهاوي فلا اعرف لنفسي رباطًا خلصت نيتي فيه ثم بكى اعله

(متوفی ۲۳۳ھ) اور محمد بن سعید سابق ابو سعید الرازی (متوفی ۲۱۶ھ) سے سماع حدیث تھا۔ بیروت کی چھاؤنی میں جانے کا مقصد عباس بن الولید العذری البیروتی (متوفی ۲۷۰ھ) سے حدیث سننا تھا، رہا کی چھاؤنی میں جانے کی غرض ابو فروہ رہاوی (متوفی ۲۱۳ھ) سے سماع حدیث تھا۔ ہر بار میں جاتے رہے میری نیت خالصۃً طلب حدیث کی تھی کوئی دوسرا مقصد نہیں تھا۔ یہ کہہ کر وہ رو پڑے،

## مختلف مقامات کا سفر

ابو زرعہ کے مقامات سفر کا جب تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف مشہور علمی مرکزوں ہی پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ اس مرکزی مقام پر استفادہ مکمل کرنے کے بعد اس کے اطراف وجوانب کے چھوٹے چھوٹے نسبتاً غیر مشہور مقامات کا بھی سفر کرتے تھے۔ اگر وہاں کوئی قابل ذکر طالب علم موجود ہے، چنانچہ مختلف تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابو زرعہ کے مقاماتِ سفر میں مندرجہ ذیل شہر اور گاؤں شامل ہیں:

۱۔ قزوین جو شہر رے سے ۲۷ فرسخ پر واقع ہے، قزوین کے مشاہیر علماء، محدثین میں ابو عبد اللہ بن ماجہ، موسیٰ بن ہارون بن حبان، حسین بن علی طنافسی، احمد بن ابراہیم بن سمویہ العجلی، اسحاق بن محمد الکسائی اور ابو بکر بن ہارون بن الحجاج سے حدیث کا سماع کیا اور ان سے علمی استفادہ کیا، یہ سفر ۲۱۲ھ سے قبل ہوا تھا۔[2]

---

[2] الارشاد ۲۴۳ فی علماء قزوین۔

۲۔ ابوزرعہ نے علاقہ ساوہ سے بھی اکتساب فیض کیا، ساوہ رے اور ہمدان کے وسط میں واقع ہے، دونوں جگہ سے اس کی مسافت ۳۰ فرسخ ہے، ساوہ کے مشہور محدث عیسیٰ بن موسیٰ المعروف بغنجار (متوفی ۱۸۶ھ) کے شاگرد محمد بن امیۃ الساوی کے پاس ان کی حدیثیں تھیں، ان حدیثوں کے سماع کے لیے یہ سفر کیا گیا تھا۔

۳۔ نیساپور اسلامی علوم و فنون کا ایک بڑا مرکز رہا ہے، نیساپور میں ان دنوں مشہور محدث و فقیہ اسحاق بن راہویہ، ابو یعقوب الحنظلی المعروف بابن راہویہ المروزی (متوفی ۲۳۸ھ) قیام پذیر تھے، ابوزرعہ کا یہ سفر انہی سے سماعت حدیث کے لیے تھا، ابوزرعہ کی نیساپور میں آمد کو ابن راہویہ نے کتنی اہمیت دی تھی اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب ان سے کہا گیا کہ ایک نوجوان عالم ابوزرعہ آپ کے پاس استفادہ کے لیے آئے ہوئے ہیں تو ابن راہویہ نے کہا کہ:۔

| | |
|---|---|
| بلغنی ان ھذا الفتی وارد وقد اعددت | ہاں مجھے خبر ملی ہے، میں نے ڈیڑھ لاکھ حدیثیں |
| مائۃ وخمسین الف حدیث القیھا | ان کے لیے تیار رکھی ہیں، جن میں پچاس |
| علیہ خمسون الفا منہا معلولات | ہزار حدیثیں معلول ہیں یہ سارا ذخیرۂ |
| لاتصح [1] | حدیث ان کو پیش کروں گا۔ |

یہ ذہن میں رہے کہ ابن راہویہ کا یہ اہتمام اس نوجوان کے لیے ہے، جس کی عمر صرف بیس سال کی تھی۔

۴۔ ابوزرعہ کا سفر بغداد ان کے علمی اسفار میں ایک اہم ترین سفر ہے، انہوں نے بغداد کا سفر ایک سے زائد بار کیا ہے جیسا کہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں تفصیل سے لکھا ہے، یہ سفر افادہ و استفادہ دونوں اعتبار سے ممتاز تھا۔ ایک طرف وہ عالم اسلام کی مشہور

---

[1] الارشاد ج ۹ فی ترجمۃ اسحاق بن راہویہ۔

تر ین شخصیت امام احمد بن حنبلؒ سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں، دوسری طرف علماء بغداد میں ابراہیم بن اسحاق الحربی، عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ اور قاسم بن زکریا المطرز وغیرہ امام ابو زرعہ سے سماع حدیث کرتے ہیں۔ سلہ

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ ،،

لما ورد علینا ابو زرعۃ نزل عندنا فقال لی ابی یا بُنی قد اعتضت بنوافلی مذاکرۃ ھذا الشیخ سلہ

ابو زرعہ جب بغداد آئے تو وہ ہمارے یہاں ہی اترے اس وقت والد صاحب نے کہا کہ صاحبزادے میں اپنی نفل نمازوں کے بدلے اس شیخ سے مذاکرۂ حدیث کرونگا۔

یوں تو حضرت امام احمد بن حنبلؒ ابو زرعہ کے استاذ اور شیخ حدیث تھے اور ابو زرعہ نے بھی آپ سے استفادہ میں کوئی کمی نہیں کی، لیکن دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کو بہت سی حدیثوں کی صحت میں تردد تھا اور ان روایتوں کی صحت کو آپ نے ابو زرعہ کے ذریعہ جانا، چنانچہ ایک مشہور روایت کے سلسلہ کا ایک واقعہ ہے۔ خلیب بغدادی نے اس واقعہ کو محمد بن صالح بغدادی کی روایت سے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ،،

رأیت ابا زرعۃ دخل علی احمد بن حنبل وحدثہ ورأیتہ قد یجیم علی حدیث کان حدثہ عبد الرزاق عن معمر عن منصور عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا سجد جافی بین جنبیہ، قد یجم علیہ احمد فقال،

حضرت ابو زرعہ امام احمد بن حنبل کے پاس آئے اور انھوں نے حدیث بیان کی تو میں نے دیکھا کہ حضرت امام کو اس حدیث کو قبول کرنے میں تردد ہوا تو ابو زرعہ نے امام صاحب سے کہا کہ اس حدیث کے بارے میں کیا تردد ہے؟

---

سلہ :. تاریخ بغداد للخطیب ج ۱۰ ص ۳۲۶۔

سلہ :. ایضاً ص ۳۲۷۔

قال لہ ابو زرعۃ ای شیء خبر ھذا الحدیث فقال اخاف ان یکون غلطا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

انھوں نے فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط منسوب ہے۔

اس کے بعد کا واقعہ یہ ہے کہ ابو زرعہ نے کہا کہ حضرت! یہ حدیث صحیح ہے اور پھر ابو زرعہ نے دو صحیح ترین سندوں سے اس حدیث کو امام صاحب کے سامنے پیش کیا، تب امام صاحب نے اس حدیث کی صحت پر اظہار اطمینان کیا اور ابو زرعہ سے فرمایا کہ ذرا قلم دیجئے، اور ان کے ہاتھ سے قلم لے کر اپنی کتاب میں آپ نے صحیح، صحیح، صحیح، تین بار لکھ دیا۔[1]

۵۔ ابو یعلیٰ الموصلی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو زرعہ شہر واسط میں بھی کچھ قیام کر کے افادہ واستفادہ میں مصروف رہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:-

کتبنا بانتخابہ بواسط ستۃ آلاف[2]

ہم نے واسط میں ان کی چھ ہزار منتخب حدیثوں کو لکھا ہے۔

۶۔ انبار سے چند فرسخ کے فاصلہ پر حدیثۃ النورۃ واقع ہے، مصر سے واپس ہوتے ہوئے یہاں بھی آپ نے قیام کیا اور وہاں کے مشہور محدث سُوید بن سعید بن سہل بن شہریار الہروی ابو محمد الحدثانی الانباری نزیل حدیثۃ النورہ (متوفی ۲۴۰ھ) جو امام مسلم، ابن ماجہ وغیرہ کے شیوخ میں سے ہیں، ان سے استفادہ کیا ابو زرعہ کی ان کے بارے میں رائے ہے:-

اما کتبہ فصحاح وکنت اتتبع اصولہ واکتب منھا فاما اذا حدث من

ان کی کتابیں تو سب کی سب صحیح ہیں، ان کی روایت کرنا صحیح ہے جو انھوں نے اپنے

---

[1] تاریخ بغداد للخطیب ج ۱۰ ص ۳۲۷۔

[2] ایضاً ص ۳۳۴ وتہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۲۔

حفظ رفلا[1] حافظہ کی مدد سے بیان کیں وہ میں نے
نہیں لکھیں۔

ابوزرعہ کی اس رائے کا وزن امام بخاری کی اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے، جو انہوں نے سوید بن سعید کے بارے میں پیش کی ہے، امام بخاری نے لکھا ہے:

کان قد عمی فیلقن مالیس من حدیثہ[2] بعد میں نابینا ہو گئے تھے لوگ ان کی روایتوں میں آمیزش کر کے روایت کرنے لگے تھے۔

۷۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں بصرہ علم حدیث کا ایک اہم ترین مرکز تھا۔ اس لیے ابوزرعہ ایک سے زائد بار بصرہ تشریف لے گئے اور بصرہ کے بیشتر محدثین سے انھوں نے استفادہ کیا، اسی کے ساتھ ساتھ علماء بصرہ بھی حضرت ابوزرعہ کے قدر شناس اور ان کی عظمت و فضیلت کے معترف تھے ابن ابی حاتم کا بیان ہے: کہ حضرت ابوزرعہ نے بتایا کہ جب ہم بصرہ میں تھے تو حضرت ابوالولید الطیالسی جو اپنے دور کے امام حدیث تھے انھوں نے ہم سے کہہ رکھا تھا:

اذا کان عندنا قوم فلا تستاذنوا جب لوگ میرے پاس ہوں تو آپ کو اجازت
فلیس علیکم حجاب[3] لینے کی ضرورت نہیں بے تکلف چلے آئیں۔

ابوزرعہ نے مزید بتایا کہ کبھی کبھی وہ دسترخوان پر ہوتے تھے تو ہمیں اپنے ساتھ کھانے پر مجبور کر دیا کرتے تھے، ابوزرعہ نے ان سے بہت سی حدیثیں لکھیں لیکن وسعت علم اور تحقیق و تنقید کی فطری صلاحیتوں سے کام لے کر ان حدیثوں میں سے جو ان کے معیار صحت پر پوری اترتی تھیں انھیں لکھ لیتے تھے، بقیہ مرویات کو ترک کر دیتے تھے۔

---

[1]: تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۳۰۔

[2]: تہذیب التہذیب ج۴ ص ۲۷۲۔

[3]: تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۳۴۵۔

اسی طرح ابوزرعہ نے بصرہ کے دوسرے مشہور محدث ابوسلمہ التبوذکی سے دس ہزار حدیثیں لکھیں، بصرہ میں بعض مواقع پر اُن کے علم و فضل کا امتحان بھی لیا گیا لیکن جب انھوں نے ایک سے زائد ثبوت پیش کیے تو وہ مطمئن ہو گئے، جیسا کہ سلیمان الشاذ کوفی کی مجلس درس کا واقعہ ہے جب انھوں نے ان کی کئی روایتوں پر تنقید کی تو انھوں نے غصہ کا اظہار کیا لیکن ابوزرعہ کے بحر مواج نے اس آتش غضب کو بجھا دیا۔[۱]

۸۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو جو امتیاز اور خصوصیت حاصل تھی اسکی وجہ سے ہر صاحب علم کے لیے تکمیل علم کے لیے ان دونوں مقدس شہروں کے اہل علم سے استفادہ ضروری تھا، ابوزرعہ نے اپنے دوسرے سفر میں جو ۲۲۷ھ سے شروع ہو کر اوائل ۲۳۲ھ میں ختم ہوتا ہے ان دونوں شہروں کے محدثین و علماء سے استفادہ کیا، مکہ میں محمد بن عاصم بن حفص المعافری ابوعبداللہ المصری (متوفی ۲۱۵ھ) جو ان دنوں مکہ میں اقامت گزیں تھے ان سے حدیثوں کی کتابت کی ہے۔[۲]

ابوزرعہ نے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران ہی یعقوب بن اسحاق البصری، اسی طرح موسیٰ بن حماد النخعی، محمد بن سلام بن عبداللہ بن زیاد ابوعبداللہ الایلی، عمرو بن ہاشم البیروتی سے روایتیں لیں۔

مدینہ طیبہ تین بار جانے کا اتفاق ہوا، وہاں کے مشہور محدث اسماعیل بن ابی اویس سے استفادہ کا موقعہ بعض اسباب کی وجہ سے نہ حاصل ہو سکا جیسا کہ خود ابوزرعہ نے بیان کیا:

| | |
|---|---|
| دخلت المدینة ثلاث مرات وھو حی ولم یقدر لی ان اکتب عنہ شیئاً | میں مدینہ تین بار گیا وہ اس وقت حیات تھے لیکن ایسے اتفاقات ہوئے کہ میں ان |

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۳۲۹۔

[۲] الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۴۵، ۳، ایضاً ص ۴۰۲۔ ۱۴۰، ج ۳ ص ۲۷۸۔

سے کچھ بھی نہ لکھ سکا۔

قلت - القائل البرذعی - وکیف ذلک؟ سائل برذعی نے کہا وہ کیونکر ؟ تو ابو زرعہ نے
قال کان مرۃ علیلاً و مرۃ متواریاً فرمایا کہ ایک بار تو وہ صاحب فراش تھے
وکان مرۃ غائباً [1] ایک بار وہ روپوش تھے ایک بار ان کے سلسلے
میں کوئی خبر ہی نہیں ملی کہ وہ کہاں ہیں ؟

۹۔ حضرت ابو زرعہ شام کے مشہور شہروں میں بھی طلب حدیث کے سلسلے میں تشریف لے گئے، پورے شام میں دمشق کو خصوصی اہمیت حاصل تھی، اسلامی حکومت کا دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے یہاں بہت سے صحابہ کرامؓ اقامت گزین تھے، ان کی ذات سے احادیث نبویؐ کا فیضان عام ہوا، پھر ان کے بعد ان سے استفادہ کرنے والے تابعین و تبع تابعین کا وہ مرکز رہا، بڑے بڑے محدثین نے وہاں اپنی مسند درس بچھائی، حضرت ابو زرعہ اس سے کیسے صرفِ نظر کر سکتے تھے، آپ نے ایک سے زائد بار شام کے شہروں کا سفر کیا، شہر دمشق کے ایک درجن سے زائد محدثین کے نام ملتے ہیں جن سے امام ابو زرعہ نے روایتیں لی ہیں، حلب میں متعدد محدثین سے سماع حدیث کیا۔

ابو زرعہ جس شہر میں تشریف لے جاتے وہاں مکمل استفادہ کے بعد اس بات کی بھی جستجو کرتے کہ اطراف و جوانب میں کہاں کہاں محدثین اور اہل علم موجود ہیں، اور جب پتہ چل جاتا تو وہاں آپ تشریف لے جاتے چنانچہ حران سے دو فرسخ کے فاصلہ پر ایک آبادی تھی، وہاں جاکر آپ نے مخلد بن مالک سے علم حدیث حاصل کیا۔ [2]

اسی طرح عسقلان، بیروت، مصر اور راہ میں پڑنے والی آبادیوں میں رک رک کر اہل علم سے استفادہ کرتے رہے غرضکہ حضرت ابو زرعہ نے سن شعور کو پہونچتے

[1] :۔ اجوبہ ابی زرعہ علی اسئلۃ البرذعی ورقہ ۳۹ بحوالہ ابو زرعہ الرازی وجہودہ فی السنۃ النبویہ ج ۱ ص

[2] :۔ الجرح والتعدیل ج ۴ ص ۳۴۹۔

نے علمی اسفار کا سلسلہ شروع کیا تو اس وقت تک وطن میں سکون کے ساتھ نہ بیٹھے جب تک ان کے پاس احادیث نبوی کا عظیم ترین ذخیرہ نہ جمع ہو گیا، چونکہ ان اسفار میں افادہ و استفادہ دونوں کا سلسلہ جاری تھا اس لیے اہل علم اور محدثین نے ابوزرعہ کے مقام و مرتبہ کو بھی اچھی طرح پہچان لیا جیسا کہ مصر کے مشہور محدث حافظ حدیث یونس بن عبد الاعلیٰ نے کہا ہے:

| | |
|---|---|
| ابازرعة اشهر فی الدنیا من الدنیا [1] | ابوزرعہ کی دنیا میں شہرت دنیا سے زیادہ ہے۔ |

ان اسفار میں ابوزرعہ نے ۵۶ شیوخ حدیث سے حدیث کا سماع کیا، ان کی روایتوں کو قلم بند کیا، ان کے علاوہ ۲۴ وہ شیوخ حدیث ہیں جن سے خط و کتابت کے ذریعہ علم حدیث حاصل کیا اور ان کی روایتوں کی اجازت ملی، ۱۴ شیوخ حدیث وہ ہیں جن سے ملاقات کے باوجود ابوزرعہ نے ان سے روایتیں نہیں لیں [2]، کیونکہ ان کی روایتیں ابوزرعہ کے مقرر کردہ معیارِ تحقیق پر پوری نہیں اُترتی تھیں، چند ایسے شیوخ حدیث ضرور ہیں جن کے ضعف کے باوجود بھی ابوزرعہ نے ان کی روایتوں کو ذکر کیا ہے، اس کا یہ معنی نہیں کہ ان کو ان کے ضعف کا علم نہیں، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ روایتیں انھوں نے بطور استشہاد اور شہادت زائد کے طور پر لی ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے کیا ہے، کہیں بنیادی طور پر ان کو نہیں لیا گیا ہے، ابوزرعہ سے روایت کرنے والوں اور ان کے تلامذہ کی تعداد تلاش و تفحص کے بعد ۶۸ ملتی ہے۔ [3]

---

[1] - تاریخ دمشق لابن عساکر فی ترجمۃ ابی زرعہ۔

[2] - ابوزرعۃ الرازی وجہودہ فی السنۃ النبویہ ج ۱ ص ۸۵ تا ص ۱۵۸ میں تفصیل دیکھئے۔

[3] - تفصیل کے لیے دیکھئے ابوزرعۃ الرازی وجہودہ فی السنۃ النبوی ۱/ ص ۱۶۳ تا ص ۱۷۲۔

## فضائل وکمالات

علم القرأت جو کہ اسلامی فنون میں سے ایک اہم فن ہے، قرآن کے اندر مختلف قرأتیں ہیں، ان قرأتوں کی روایت کرنے والے بھی الگ الگ ہیں، ابوزرعہ نے چودہ مشہور راویان قرأت سے روایتیں لی ہیں۔ علم القرأت میں ان کے تبحر اور وسعتِ علم کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوتا ہے جسے خطیب بغدادی نے پوری سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

عن ام عمرو بنت شمر قالت سمعت سوید بن غفلۃ یقرأ وعیسی عین یرید حور عین، قال صالح الفیت هذا علی زرعۃ فبقی متحیرًا وقال انا احفظ فی القراءت عشرۃ آلاف حدیث قلت: فتحفظ هذا؟ قال، لا ۔[1]

ام عمرو بنت شمر نے کہا کہ میں نے سوید بن غفلہ کو حور عین کی جگہ عیسیٰ عین پڑھتے ہوئے سنا تو راوی صالح نے کہا کہ میں نے یہ بات ابوزرعہ کے سامنے پیش کی، انھوں نے بڑی حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ میں قرأت کے سلسلے میں دس ہزار حدیثیں یاد رکھتا ہوں مجھے کسی روایت میں یہ قرأت نہ ملی۔

ابن رجب ابوزرعہ کا بیان نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک دن فرمایا کہ =

انا احفظ ست مائۃ الف حدیث صحیح واربعۃ عشر الف اسناد فی التفسیر والقرأت ۔[2]

میرے حافظہ میں چھ لاکھ صحیح حدیثیں ہیں اور چودہ ہزار سندیں تفسیر اور قرأتوں کے سلسلہ میں ہیں۔

روایت و درایت کے اصول جو ابوزرعہ کے یہاں پائے جاتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ان اصولوں پر کافی غور و خوض کے بعد ان کو قبول کیا ہے مثلاً

---

[1] شرح علل الترمذی ص ۱۹۲ بحوالہ ابوزرعۃ الرازی ج ۱ ص ۱۰۶ ۔

[2] ایضاً

ایک مسئلہ یہ ہے کہ مرسل حجت ہیں یا نہیں ؟ اس کے متعلق ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے:

سمعت ابی وابا زرعة یقولان لا یحتج بالمراسیل ولا تقوم الحجة الا بالاسانید الصحاح المتصلة[1]

میرے والد اور ابوزرعہ دونوں کہتے ہیں کہ مرسل روایتیں حجت نہیں، صحیح متصل سند سے جو روایتیں ہیں وہی حجت بن سکتی ہیں۔

اسی طرح ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی ثقہ کسی ضعیف راوی سے روایت کرتا ہے تو کیا اس ضعیف راوی سے روایت کی جائے گی ؟ ابن ابی حاتم نے ابوزرعہ سے پوچھا کہ سفیان ثوری، کلبی سے روایت کرتے ہیں جبکہ کلبی ضعیف ہے تو سفیان ثوری کا اس سے روایت کرنے کا کیا مقصد ہے ؟ کیا ان کے نزدیک وہ ضعیف نہیں ہے ؟ اس کے جواب میں ابوزرعہ نے کہا:

کان الثوری یذکر الروایة عن الکلبی علی الانکار والتعجب لیتعلقوا عنه روایته عنه ولم تکن روایته من الکلبی قبوله له[2]

سفیان ثوری کلبی سے جو روایت کرتے ہیں تو ان کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کو صحیح سمجھتے ہیں بلکہ ان کا مقصد اس روایت کی غلطی کو ظاہر کرنا ہوتا ہے، نہ کہ وہ اس کو قبول کرتے ہیں۔

اس توجیہ سے معلوم ہوا کہ ابوزرعہ کے نزدیک کسی ثقہ کا کسی ضعیف راوی سے روایت کرنا اس کی تعدیل نہیں ہو سکتی۔

سندوں اور راویوں پر ان کی نگاہ کتنی گہری تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب ان سے سوال کیا گیا کہ اصح الاسانید کون ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ الزہری عن سالم عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن عبد اللہ

---

[1] المراسیل لابن ابی حاتم ص ۱۳۔

[2] الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۳۶-۳۷۔

[illegible] عن النبی صلعم، ابن حنبل [illegible]
[illegible] عن النبی صلعم، ابو زرعہ سے دریافت کیا گیا کہ [illegible]
عن ابیہ عن ابی ہریرۃ ؟ یہ کیسی سند ہے تو انھوں نے فرمایا کہ [illegible]

اسی طرح ابن ابی حاتم نے مختلف سندوں کو ابو زرعہ کے سامنے پیش کرکے ان کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی ہے، اس کے جواب میں جو انھوں نے باتیں کہیں وہ بعد کے محدثین کے لیے دلیل راہ ثابت ہوئیں، ایک سند یہ ہے، عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اس سند میں ابو الزناد سے روایت کرنے والے چار راوی ہیں، ابو زرعہ کے نزدیک ان چار راویوں میں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے، ابو الزناد سے روایت کرنے والے ابن ابی الزناد، ورقاء، شعیب ابن ابی حمزہ، مغیرہ بن عبد الرحمن المدینی چار راوی ہیں، ابو زرعہ سے دریافت کیا گیا کہ ابو الزناد سے ان روایت کرنے والوں میں آپ کا پسندیدہ کون راوی ہے؟ تو آپ نے کہا کہ ورقاء ان سب میں بہتر ہے، پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون ہے؟ تو آپ نے کہا کہ مغیرہ بقیہ دونوں سے بہتر ہے، پھر پوچھا گیا ابن ابی الزناد اور شعیب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو آپ نے کہا کہ ابن ابی الزناد کے مقابلہ میں شعیب بہتر ہے [2]

ابو زرعہ کے یہاں عنعنہ کے قبول کرنے کی شرط رویت کے ساتھ ثبوت سماع بھی ہے، اگر رویت ثابت ہے اور سماع کا ثبوت اور تصریح نہیں تو عنعنہ ان کے نزدیک قابل قبول نہیں، جبکہ بعض لوگوں کے نزدیک امکان لقاء یا رویت کافی ہے، یہی وجہ ہے کہ ابو زرعہ نے یحییٰ ابن ابی کثیر کے حضرت انس سے عنعنہ کو

---

[1] ۔ الجرح والتعدیل۔ ص۔ ۳۴۰۔

[2] ۔ ایضاً۔

مقابلہ میں کہا گیا کہ رویت تو ثابت ہے لیکن ان سے سماع ثابت نہیں، ان کے نزدیک اتصال سند اس وقت مانا جائے گا جب سماع کا ثبوت مل جائے، یہ شرط ابو حاتم اور امام بخاری کی شرط سے زیادہ کڑی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اتصال کے لیے لقاء اور سماع دونوں میں سے ہر ایک کافی ہے، جبکہ ابو زرعہ کے نزدیک صرف لقاء کافی نہیں جب تک کہ سماع کی تصریح نہ ہو، لہ

## تصانیف

ابو زرعہ نے سارے عالم اسلام میں چل پھر کر اپنی زندگی کے بہت بڑے حصہ میں جو علوم و معارف کا ذخیرہ کیا ہے، اس کا اندازہ مذکورہ بالا تفصیل سے ہو چکا ہو گا۔ اسی سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تصانیف کتنی اہم رہی ہوں گی لیکن افسوس کہ آج ان کی اکثر تصانیف ناپید ہیں اگر ابن ابی حاتم اور برذعی کی کتابیں نہ ہوتیں تو آج ہم ان کتابوں کے ناموں سے قطعاً ناواقف ہوتے، البتہ ان سے استفادہ کرنے والوں نے ان کے بہت سے علوم و معارف کو اپنی کتابوں میں محفوظ کر لیا ہے، تنہا ابن ابی حاتم کی کتابیں جو طبع ہو کر عام ہو چکی ہیں، ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ ابو زرعہ کے علوم و معارف پر مشتمل ہے، فن اسماء الرجال اور جرح و تعدیل میں اپنے والد ابو حاتم اور ابو زرعہ کے جتنی کثرت سے اقوال نقل کیے ہیں اس سے ابو زرعہ کی راویوں کے بارے میں ان کی وسیع معلومات کا پتہ چلتا ہے، ابن ابی حاتم اپنی کتابوں میں جرح و تعدیل، علل الحدیث، مراسیل اور بیان خطأ البخاری، اعتقاد اہل السنۃ و تفسیر کے سلسلہ میں ابو زرعہ کی آراء کا مسلسل ذکر کرتے ہیں، ہم ابن ابی حاتم اور برذعی کی کتابوں کی مدد سے ابو زرعہ کی کتابوں کے جتنے نام ملتے ہیں، اور ان کی مشتملات کا جو علم حاصل ہوتا ہے ان کی روشنی میں ابو زرعہ کی تصانیف کا ایک اجمالی تعارف پیش کراتے ہیں۔

---

لہ [illegible] ص ۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-

**المسند**

ابو زرعہ سے پہلے اور ان کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی مسانید جمع کرنے کا سلسلہ جاری رہا، مسند احادیث کے ایسے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جس میں ہر صحابی کی الگ الگ روایتیں جمع کر دی جاتی ہیں، چاہے وہ روایت صحیح ہو یا ضعیف، صحابۂ کرامؓ کے ناموں کو حروف ہجا کے اعتبار سے ترتیب دے کر ان کی روایتوں کو جمع کر دیا جاتا تھا بعض ایسی بھی مسند ہیں جس میں کسی ایک صحابی کی روایتوں کو جمع کیا گیا ہے، جیسے مسند ابی بکر وغیرہ، بعض اور دوسرے نقطۂ نظر سے بھی مسندیں جمع کی گئی ہیں، اس وقت ابواب کی ترتیب کے لحاظ سے احادیث کے مجموعے کم تھے۔

ابو زرعہ کی مسند کا ذکر بھی ہمیں کتابوں میں ملتا ہے مگر اس کا کوئی نسخہ اب تک دنیا کے کتب خانوں میں دریافت نہیں ہوا ہے، لیکن متقدمین کی کتابوں میں مسند ابی زرعہ کا ذکر ضرور آتا ہے، جس سے یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی مسند جمع کیا تھا، دنیا کے بعض کتب خانوں میں جو مسانید جن ناموں سے پائے جاتے ہیں وہی نام متقدمین نے ابو زرعہ کی مسند کا بھی لیا ہے اس لیے انھیں کو مسند ابی زرعہ مان لیا گیا ہے حالانکہ محقق علماء نے اس کی تائید و تصدیق نہیں کی ہے بلکہ تحقیق اور غائر مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مسند احمد بن حنبل کے اجزاء ہیں جن کو غلطی سے مسند ابی زرعہ سمجھا گیا ہے جیسا کہ برلن میں "مسند الشامیین" کے نام سے جو نسخہ ہے اس کے متعلق بڑے دعوے سے کہا گیا ہے کہ وہ مسند ابی زرعہ کا ایک جزء ہے کیونکہ مسند ابی زرعہ کا ذکر متقدمین کی کتابوں میں ملتا ہے لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ وہ مسند امام احمد بن حنبل ہی کا ایک حصہ ہے۔

مختلف کتابوں میں مسند ابی زرعہ کے حوالوں سے اس کی ترتیب کا اندازہ کیا جاتا ہے کہ مسند ابی زرعہ کی ترتیب عام مسندوں کی ترتیب سے الگ تھی، ان کی

ان مسندوں میں ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے عشرہ مبشرہ کی روایتوں کو جمع کیا گیا ہے، پھر مہاجرین کی حدیثوں کو، پھر انصار کی حدیثوں کو جمع کیا ہے اور پھر الگ الگ شہروں میں اقامت گزین صحابۂ کرام کی حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے اور سب سے آخر میں شام میں مقیم صحابۂ کرام کی روایتیں ہیں جن کو کچھ لوگوں نے "مسند الشامیین" کے نام سے ذکر کیا ہے، اسی طرح مسند کے مختلف اجزاء کو الگ الگ ناموں سے یاد کیا ہے مثلاً ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب میں کہیں "مسند ابن عمر" لابی زرعہ کہا ہے اور کہیں لکھا ہے "اخرج ابو زرعة فی مسند المصریین" کہیں "ادخله ابو زرعة فی مسند البصریین" لکھا ہے کہیں اخرج اسم فلان ابو زرعة فی "مسند الشامیین" لکھا ہے، اس طرح مسند ابی زرعہ کے مختلف اجزاء کو مختلف نام دیے ہیں، لیکن وہ سب کے سب مسند ابی زرعہ کے اجزاء ہیں، آج دنیا میں "مسند ابی زرعہ" کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ [۱]

## تمام مضمون نگاران سے اپیل برائے رسالہ برہان دہلی

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادیؒ کے دور والے تحقیقی، دینی و ملی و علمی معیاری، مضامین کوشش فرما کر بھیج دیں، تو اس کا دینی معیار بلند عملاً قائم رہ سکے گا۔ اس کا بنیادی معیار یہی ہے۔ اس طرف خصوصی توجہ فرمائیں۔

(منیجر رسالہ برہان)

---

[۱] یہ ساری تفصیل الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم میں موجود ہے۔

# ایران کی ایک عظیم شاعرہ
# پروین اعتصامی تبریزی

(سعیدہ خان ایم اے، لکچرار شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ)

فارسی زبان دنیا کی شیریں اور دلکش ترین زبانوں میں سے ہے اور فارسی شاعری میں کئی ایسے تخلیقی شاہکار پائے جاتے ہیں جو عالمی ادب میں اپنی مثال آپ ہیں جیسے مولانا جلال الدین رومی کی "مثنوی" اور فردوسی طوسی کا "شاہنامہ" وغیرہ۔

فارسی شاعری کی تاریخ بنانے میں جہاں ہزاروں مردوں نے اپنا جگر خون کیا ہے، وہاں خواتین نے بھی اس راہ میں کہیں کہیں اپنے قدموں کے انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔ اور اس لالہ زار سخنوری کی گل گشت میں ایرانی پری جمالوں کے ساتھ ساتھ افغانی مہ لقائیں اور ہندوستانی گوریاں بھی محوِ خرام نظر آتی ہیں۔

چوتھی صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری تک حسن و ادا کی بہت سی پتلیوں نے بساطِ شاعری پر جلوہ پاشیاں کی ہیں، جن میں سب سے زیادہ مرکزِ نظر بننے والی زہرہ وشوں کے نام اس طرح ہیں:

۱- اپنے غلام کے ساتھ عشق کی شطرنج کھیلنے والی امیرزادی، رابعہ قزداری (چوتھی صدی ہجری)

۲- گنجہ کے خطیب زادے کی عاشقہ و معشوقہ مہستی گنجوی (چھٹی صدی ہجری)

۱۔ بالآخر اپنی ملت اور طبیعت کے فلسفے کی علمبردار قرۃ العین قزوینی (متوفیٰ ۱۲۶۸ ہجری)
۲۔ جسے جیسے دہنے اپنی ذوق اور شاعرانہ مزاج کی وجہ سے ایک سنجیدہ شوہر کے ساتھ نباہ کرنے کی بجائے ... اعتصامی تبریزی (۱۲۹۸ ... ہجری)

ان میں آخر الذکر پروین اعتصامی کو اپنے علمی ذوق اور غیر معمولی شاعرانہ لیاقت کی بناء پر تمام شاعرات پر تفوق حاصل ہے۔

پروین اعتصامی کا باپ یوسف اعتصامی اپنے وقت کا معروف سیاسی راہنما اور اہل قلم تھا۔ اس کی متعدد طبع زاد اور دوسری زبانوں سے ترجمہ کی ہوئی کتابیں عجیب کر مقبول ہو چکی ہیں۔ اور اس کی ادارت میں شائع ہونے والے رسالے "بہار" کی فائلیں اب بھی کتابی شکل میں مجلد تہران کے بک سیلر فروخت کرتے ہیں۔ پروین اعتصامی ایران کے اسی مشہور لیڈر اور مصنف کی ذہین اور تعلیم یافتہ بیٹی تھی۔

پروین ۱۲۸۵ شمسی میں اپنے آبائی شہر تبریز میں پیدا ہوئی۔ بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ تہران آگئی اور باقی عمر شہر تہران کے اندر بسر کی۔ فارسی اور عربی ادبیات کی تعلیم اس نے اپنے باپ سے حاصل کی اور ۱۳۰۳ شمسی میں تہران کے زنانہ امریکن کالج کا نصاب مکمل کیا۔ ۱۳۱۲ شمسی میں اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ شادی کی۔ لیکن یہ شادی اس کی طبیعت کو راس نہ آئی اور وہ ڈھائی ماہ سے زیادہ شہر کرمان شاہ میں اپنے شوہر کے پاس نہ رک سکی۔ اور اپنے باپ کے گھر لوٹ آئی اور نو ماہ کے بعد باقاعدہ طلاق حاصل کر لی۔ غالباً پروین کے یہ اشعار اسی دور کی یادگار ہیں ؎

ای گل تو ز جمعیت گلزار چه دیدی
جز سرزنش و بدسری خار چه دیدی
ای لعل دل افروز تو با این همه پرتو

جز مشتری سفله ببازار [illegible]

رفتی بچمن، لیک قفس گشت نصیبت

غیر از قفس ای مرغ گرفتار چه دیدی

ان میں سے پہلے شعر میں پروین نے خود کو ایسے پھول سے تشبیہ دی ہے جس کو سوائے کانٹوں کی چبھن اور بدمزاجی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ دوسرے شعر میں وہ خود کو دل کو روشن کرنے والا لعل بتاتی ہے اور بے وقوف بازاری خریدار کہہ کر اپنے شوہر کی ہجو کرتی ہے اور تیسرا شعر واضح طور پر بتا رہا ہے کہ وہ شادی کے بعد شوہر کے گھر میں باپ کے گھر سے زیادہ آزاد اور بے باک رہنا چاہتی تھی۔ اور چونکہ اس کی توقع پوری نہ ہو سکی اسی لئے شوہر سے قطع تعلق کر کے اور اس کو احمق بنا کر اپنے دل کو مطمئن کر رہی ہے۔

بہر حال اس کے بعد پروین نے دوسری شادی نہیں کی اور ۱۳۲۰ شمسی میں جب اس کی عمر ۳۵ سال کی تھی بارہ روز چیچک کی بیماری میں مبتلا رہ کر اس کی موت واقع ہو گئی اور اس کی نعش شہر قم لے جا کر اس کے خاندانی مقبرے میں اس کے باپ کی قبر کے نزدیک دفن کر دی گئی تھی۔ اس کے سنگ مزار پر خود اسی کا لکھا کیا ہوا یہ قطعہ کندہ ہے۔ سے

اینکہ خاک سیہش بالین است — اختر چرخ ادب پروین است

گرچہ جز تلخی ایام ندید — ہرچہ خواہی سخنش شیرین است

صاحب آں ہمہ گفتار، امروز — سائل فاتحہ و یاسین است

دوستاں بہ کہ زوی یاد کنند — دل [illegible] است

خاک در دیدہ بسی جاں فرساست — [illegible] است

ہر کہ باشی وز ہر جا برسی — [illegible]

آدمی ہر چو توانگر باشد — چوں بدیں نقد سعد مسکین است
زانکہ اینجا کہ قضا حمد کند — چارہ تسلیم و ادب، تمکین است
زان کشتن و پنہاں کردن — دہر را رسم و رہ دیرین است
خرم آں کس کہ دریں محنت گاہ — خاطری را، سبب تسکین است

پروین کی ذہانت اور شعر گوئی کی لیاقت بچپن سے ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اور اس کے باپ یوسف اعتصامی سے ملاقات کے لئے جو علماء و فضلا اور شعراء و ادباء اس کے گھر آیا کرتے تھے وہ اس کی استعداد اور شاعرانہ صلاحیت پر تعجب کیا کرتے تھے۔ اور اس کی یہی فطری قابلیت تھی جس نے صرف ۳۵ سال کی عمر میں عرفی شیرازی کی طرح اسکو فارسی زبان کی ایک باکمال اور عظیم شاعرہ بنا دیا۔

پروین اعتصامی نے زندگی بھر جو کچھ کہا ہے اس کا مجموعہ کتابی شکل میں پہلی بار اس کے بڑے بھائی ابوالفتح اعتصامی نے ۱۳۱۴ شمسی میں شائع کیا تھا جس پر ملک الشعراء محمد تقی بہار خراسانی نے دیباچہ لکھا تھا۔ اس کے بعد ایک مفید فرہنگ کے اضافے کے ساتھ پروین کا دیوان متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

عام شعراء کے دواوین کے خلاف، پروین کا تمامتر دیوان قصائد، قطعات اور چھوٹی چھوٹی اخلاقی روحانی اور فلسفیانہ مثنویوں سے عبارت ہے۔ غزل اس کے دیوان میں تلاش کرنے سے بھی دستیاب نہیں ہوگی۔ پروین کے دیوان کو ابوالفتح نے دو حصوں میں ترتیب دیا ہے۔ پہلے جز میں مکمل اور نامکمل قصائد ہیں۔ جن کی تعداد ۴۲ ہے۔ دوسرے جز میں قطعات اور مثنویات کو محفوظ کر دیا ہے۔ مجموعی طور پر قطعات و مثنویات ۱۶۹ ہیں۔

جیسا کہ ملک الشعراء بہار نے بھی لکھا ہے: پروین کی شاعری میں دو لفظی و معنوی اسالیب [illegible] ایک مستقل اسلوب بن گئے ہیں لہذا اس کا اسلوب

شاعری خراسانی شعراء اور بالخصوص ناصر خسرو جیسے استادوں کے عہد کا تعلق فارسی شاعری کے خراسانی اسکول سے ہے) عراقی وفارسی کے سبک سے اسلوب کے اسلوب کو بھی اپنے اندر ضم کیے ہوئے ہے جس سے ایک نیا اسلوب وجود میں آتا ہے۔ جس میں موجودہ عہد کا خاص اسلوب تجسیم وتصویر اشیاء بھی شامل ہے۔ معنوی اعتبار سے پروین کا کلام فلاسفہ اور صوفیاء کے خیالات وافکار کی نمائندگی کرتا ہے۔

پروین کے قصائد ناصر خسرو کے قصائد کی آب وتاب رکھتے ہیں۔ ہوں میں درمیاں درمیان بہت سے ایسے اشعار بھی پائے جاتے ہیں جو سعدی اور حافظ کی زبان کی شیرینی کی یاد دلاتے ہیں۔ اس کے قصائد میں نصیحتیں ہیں، اخلاقی خوبیوں کا بیان ہے، فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے دنیا کی حقیقت پر تبصرہ ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ انسانی سعادت، زندگی گزارنے کا اعلیٰ وارفع طریقہ، اور محنت کی اہمیت اور علم کی عزت واقادیت کو بھی دلپذیر انداز میں تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ اور بتاتی ہے کہ زندگی کے طوفانی سمندر میں علم اور ارادے کی کشتی پر سفر کرنا چاہئے اور امید وآرزو کی فضا میں ہنر کے بازوؤں پر پرواز کرنا چاہیئے۔ وہ کہتی ہے ؎

علم سرمایۂ ہستی است نہ گنج زر ومال

روح باید کہ ازیں راہ توانگر گردد

(مال ودولت کا خزانہ نہیں، بلکہ ہستی کا سرمایہ علم ہے۔

روح کو علم کی دولت سے مالا مال ہونا چاہیئے)

پروین اپنے قصائد میں سعی وعمل، امید حیات، وقت کی قدر، حصول کمال وہنر، ہمت اور پیش قدمی اور بزرگی ونیک بختی کا راستہ دکھاتی ہے۔ ؎

دیوانگی است، قصۂ تقدیر و بخت نیست

از بام سرنگون شدن و گفتن این قضاست

در آسمان علم، عمل برترین پر است

در کشور وجود، ہنر بہترین غناست

میجوی گرچہ عزم تو ز اندیشہ برتر است

میپوی گرچہ راہ تو در کام اژدہاست

(یہ تقدیر اور قسمت کی کہانی نہیں، دیوانگی ہے کہ چھت پر سے چھلانگ لگا دی جائے اور کہا جائے کہ حکم الٰہی یوں ہی ہے۔

(علم کے آسمان پر پرواز کے لئے عمل سب سے بڑا پر ہے اور ملک ہستی کے اندر ہنر سب سے بہتر دولت ہے۔)

(اگر تمہارا ارادہ فکر کی حدود سے بھی بلند ہو تب بھی مسلسل جستجو کرتے رہو اور اگرچہ تمہاری آرزو کا راستہ اژدہا کے منہ سے ہو کر گزرتا ہو تب بھی چلتے ہی رہو)

قطعات و مثنویات کے اندر پروین کا اسلوب یکسر بدل جاتا ہے۔ اپنے زیادہ تر قطعات و مثنویات میں اس نے اسلوب سوال و جواب یا صنعت مناظرہ و مکالمہ کا استعمال کیا ہے۔ صنعت مناظرہ کا استعمال اگرچہ فارسی شاعری کی ایک بہت پرانی روایت ہے، لیکن عرصے سے یہ روایت مردہ ہو چکی تھی جس کو پروین نے دوبارہ زندہ کیا اور اس کو خوش اسلوبی کے ساتھ برتنے میں تمام متقدمین پر برتری حاصل کی ہے۔

دراصل پروین کی شاعری کی اصل جلوہ گاہ اس کے قطعات ہی ہیں۔ جن میں اس کی طبیعت کا ہنر پورے کمال کے ساتھ ظاہر ہوا ہے۔ اس کے قطعات کے اندر بیان کی لطافت، معانی کی دقت، اور مضمون آفرینی کا ذوق ایک مناسب ترتیب و ترکیب کے ساتھ یکجا اور ظاہر ہو گئے ہیں۔ قطعات کے اندر پروین نے اپنی شخصیت اور لیاقت کو پورے طور پر نمایاں کیا ہے۔ ہر قطعہ میں تخیل اور حقیقت کو لطیف احساسات کے ساتھ فنکارانہ طور پر جمع کر دیا ہے۔

اپنے قطعات میں پروین ماں کی ممتا اور اپنی روح کی حالت کو غریب ماؤں، اور مجبور لوگوں کی زبان سے بیان کراتی ہے۔ کہیں وہ ایک غمگسار ماں کے روپ میں نظر آتی ہے اور کہیں مولانائے روم، شیخ عطار اور ملا کے جامی کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ؎

مرغک اندر بیضہ چوں گردد پدید

گوید اینجا بس فراخ است و سپید

عاقبت کاں حصن از ہمت شکست

عالمی بیند ہمہ بالا و پست

گہ پرد آزاد در کہسارہا

گہ چمد سرمست در گلزارہا

(جب انڈے کے اندر چڑیا وجود میں آتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ یہ جگہ بہت کشادہ اور دل کش ہے)

(آخر میں جب انڈے کا سخت قلعہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے تو اس کو ایک پوری بلند اور پست دنیا نظر آتی ہے۔)

(جہاں وہ کبھی آزادانہ پہاڑوں میں اڑان بھرتی ہے اور کبھی مستی کے عالم میں باغوں میں ٹہلتی ہے۔)

پروین کا ہنر خاص طور پر اس وقت ظاہر ہوتا ہے، جب وہ آنکھ اور پلک، دام اور دانہ، سانپ اور چیونٹی، سوئی اور قمیص، ہانڈی اور توا، مٹی اور ہوا، پرندہ اور مچھلی، شکاری اور پرندہ، شبنم، ابر اور بارش، ٹاٹ اور ہیرا، پہاڑ اور گھاس وغیرہ وغیرہ کی زبان سے گفتگو کرتی ہے اور پڑھنے والے کو "الف لیلہ" اور "کلیلہ و دمنہ" کی دنیا میں پہنچا کر چھوڑتی ہے،

جان اور جہان کی کیفیات اور ہزاروں ظاہری اور باطنی احوال کی سیر کراتی ہے، اور انسان کو زندگی کی تاریک راہوں میں امید و آرزو کی روشنی دکھا کر سکون بخشنے کی کوشش کرتی ہے۔ اور چونکہ مسرت کی طرح غم بھی زندگی کا لازمہ ہے اس لیے وہ کبھی کبھی ایسی نظمیں بھی لکھتی ہے جن سے انسانی عواطف کا یہ پہلو بھی نمایاں ہوتا رہے اور اس کے لیے وہ غریب بچے، مجبور و کمزور بڑھیا اور کملایا ہوا گلاب جیسے عنوانات و موضوعات کا انتخاب کرتی ہے اور جب ان غمناک موضوعات سے افسردہ ہو جاتی ہے تو "لطفِ حق" جیسی شاہکار نظم لکھتی ہے جس کو پڑھ کر قاری اپنی تمام مایوسیوں اور اور محرومیوں کی گرد کو اپنے دامنِ احساس سے جھٹک کر خدا کی رحمت و کرم کے آسرے پہ از سرِ نو زندگی کی راہ میں سعی و عمل کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی پروین کے اندر کی عورت اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ جلوہ گر ہے، اور بقول ملک الشعراء بہار کے وہ ایک ماں کے فرائض ادا کرنا نہیں بھولی ہے۔ چنانچہ وہ حضرت موسیٰؑ کے واقعہ کا ذکر کر کے یہ بتانا چاہتی ہے کہ تمام مصائب کا علاج خدا کی مہربانی اور رحمت سے وابستہ ہے۔ ؎

مادرِ موسیٰ چو موسیٰ را بہ نیل
در فگند از گفتۂ ربِ جلیل
خود ز ساحل کرد با حسرت نگاہ
گفت کای فرزندِ خردِ بی گناہ
گر فراموشت کند لطفِ خدای
چون رہی زین کشتی بی ناخدای
گر نیارد ایزدِ پاکت بہ یاد

آب ،خاک ،آتش اور باد

(موسیٰؑ کی والدہ نے جب خدا کے حکم سے موسیٰؑ کو دریائے نیل میں ڈال دیا تو خود ساحل سے حسرت کے ساتھ دیکھا اور کہنے لگیں کہ ارے بے گناہ بچے سے بیٹے! اگر لطف الٰہی تجھ کو فراموش کردے تو اس بے ملاح کی کشتی کے ذریعے تو کیسے بچ سکتا ہے۔ اگر خدائے پاک تیری خبر گیری نہ کرے تو یہ دریائے نیل کا پانی تجھے اچانک ہلاک کر ڈالے گا۔)

یہ درست ہے کہ پروین نے اپنی منظومات میں متقدمین کے اسلوب کے ساتھ ان کے خیالات سے بھی استفادہ کیا ہے، لیکن اس نے صرف نقل اور ترجمے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ان خیالات پر اضافہ کیا ہے، اور ان کی لطافت و معنویت کو بڑھا کر مضمون کو اپنا بنا لیا ہے۔ مثلاً: بابا طاہر عریاں کا شعر ہے

ز دست دیدہ و دل ہر دو فریاد

کہ ہر چہ دیدہ بیند، دل کند یاد

یا اسی مضمون کا سعدی کا ایک شعر ہے۔ سہ

تقصیر ز دل بود و گناہ از دیدہ

آہ از دل و صد ہزار آہ از دیدہ

ان دونوں شعروں سے استفادہ کر کے پروین نے "دیدہ و دل" کے عنوان سے مناظراتی انداز میں ۳۲ شعروں پر مشتمل ایک عمدہ نظم لکھی ہے۔ جس کے چند شعر یہ ہیں۔ سہ

ترا کہ آسماں صاحب نظر کرد

مرا مفتون و مست و بے خبر کرد

شمارا قصہ دیگر گون نوشتند

حساب کار ما با خوں نوشتند
بر آں گوہر کہ مژگان تو می سفت
نہاں با من ہزاراں قصہ می گفت
مرا شمشیر زد گیتی، ترا مشت
ترا رنجور کرد، اما مرا کشت
اگر سنگی ز کوی دل بر آمد
ترا بر پائے و مارا بر سر آمد
بتی اگر تیر ناہردی کماں زد
ترا بر جامہ و مارا بہ جاں زد

(دل آنکھ سے کہتا ہے ۔ جس وقت سے آسمان نے تجھ کو صاحب نظر بنایا ہے، مجھے عاشق اور مست اور بے خبر بنایا ہے ۔)

تمہاری کہانی دوسرے انداز میں لکھی گئی ہے لیکن ہمارے معاملات کا حساب خون کی روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے ۔

تیری پلکوں سے جو آنسو بھی گرتا تھا وہ خفیہ طور پر مجھ سے ہزاروں کہانیاں بیان کر جاتا تھا ۔

دنیا نے تیرے تو صرف مکا مارا ہے، لیکن مجھ پر تلوار چلائی ہے ۔ تجھے تو صرف بیمار ہی کیا ہے، لیکن مجھے تو قتل کر ڈالا ہے ۔

اگر معشوق کے کوچے سے کوئی پتھر پھینکا گیا ہے تو وہ تیرے پیر سے ہو کر گزر گیا ہے لیکن میرے سر پر آ کر لگا ہے ۔

اگر کسی معشوق نے کمان ابرو سے تیر چلایا ہے تو صرف تیرے لباس کو چھید کر گزر گیا ہے لیکن ہماری روح پر آ کر لگا ہے ۔

وقطعات ہے ہیں ۔ ان میں سے اس کی شاہکار نظموں اور قطعات کے

عنوانات یہ ہیں :-

سفر اشک ، لطف حق ، کعبۂ دل ، گوہر اشک ، روح آزاد ،
دیدۂ دل ، دریائے نور ، گوہر و سنگ ، حدیث مہر ، ذرہ ، جولائے خدا اور
نغمۂ صبح ۔

ناقدین کی رائے ہے کہ اگر پروین کی صرف ایک نظم "سفر اشک" موجود ہوتی اور اس کے علاوہ اس کا سب کلام ضائع ہو چکا ہوتا یا اس کے علاوہ اس نے کوئی نظم نہ لکھی ہوتی تب بھی وہ فارسی شاعری میں ایک بلند اور ارجمند مقام پر فائز ہوتی ۔

اور بقول ملک الشعراء بہار، پروین نے جتنا کلام اور جس ہمواری فصاحت اور روانی اور دوسرے خصوصیات و کیفیات سے متصف اس مختصر سی عمر میں فارسی شاعری کے ذخیرے میں اضافہ کیا ہے وہ فارغ البال مردوں کو بھی میسر نہیں، ایک معروف عورت سے اس کی کیا توقع کی جا سکتی تھی ۔ سچی بات یہ ہے کہ ایران کے اندر اب تک کوئی دوسری ایسی عورت پیدا نہیں ہوئی جس کے اندر شاعری کی یہ لیاقت اور ذوق پایا گیا ہو ، اور جس نے اپنے دوسرے تعلیمی اور گھریلو مشاغل کے باوجود ایسی نادر قسم کی نظمیں فارسی زبان میں لکھی ہوں ۔

---

۱ :- دیباچۂ دیوان پروین از ملک الشعراء محمد تقی بہار خراسانی ۔ ۱۳۱۴ شمسی تہران ۔

(بقیہ صفحہ ... پر)

# اقبال کی شاعری میں عورت کا مقام

کمال جعفری

اقبال کی نظر میں عورت کا مقام ایک واضح نصب العین رکھتا ہے جو نہ بہت قدیم طرز معاشرت کا قائل ہے۔ اور نہ فیشن آمیز جدید آوارگی کا۔ اقبال کا نقطۂ نظر عورتوں کے مقام کے تعین میں درمیانی راہ کا حامی ہے۔ اقبال عورتوں کو چہار دیواری میں مقید رکھنے کے بھی خلاف ہیں۔ انہوں نے اس ضمن میں گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو محض جاہل و ناکارہ بناکر ان کی زندگی تباہ نہ کی جائے۔ وہ جدید علوم کے قائل ہیں لیکن تعلیمی بے راہ روی پر نالاں ہیں، علوم تازہ کو اقبال نے کبھی غلط نہیں سمجھا۔ سے

علومِ تازہ کی سرمستیاں گناہ نہیں

اقبال نے عورتوں کے حقوق کی پامالی پر اپنے غم کا اظہار بڑے تیکھے لہجے میں کیا ہے اور انہیں اس کا دکھ ہے کہ موجودہ سماج نے عورتوں کے جائز حقوق تسلیم کرنے سے گریز کیا ہے۔ سے

میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اقبال کا پیغام قرآن پاک کی روشنی میں عورتوں کے لیے سراپا مبنی برحقیقت ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "عورت مرد کا لباس ہے اور مرد عورت کا"۔ اگر اس زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو اقبال کا پیغام عورت کے لیے وہی ہے جو خود خدا نے اپنی مقدس کتاب قرآن کے ذریعہ عورتوں کے لئے وضع کیا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، پروین نے پونے دو سو کے قریب نظمیں وقطعات لکھے ہیں۔ ان میں سے اس کی شاہکار نظموں اور قطعات کے عنوانات یہ ہیں :-

سفر اشک، لطف حق، کعبہ دل، گوہر اشک، روح آزاد، دیدۂ دل، دریائے نور، گوہر وسنگ، حدیث مہر، ذرہ، جولائے خدا اور نغمۂ صبح ۔

ناقدین کی رائے ہے کہ اگر پروین کی صرف ایک نظم "سفر اشک" موجود ہوتی اور اس کے علاوہ اس کا سب کلام ضائع ہو چکا ہوتا یا اس کے علاوہ اس نے کوئی نظم نہ لکھی ہوتی تب بھی وہ فارسی شاعری میں ایک بلند اور ارجمند مقام پر فائز ہوتی

اور بقول ملک الشعراء بہار، پروین نے جتنا کلام اور جس ہمواری فصاحت اور روانی اور دوسرے خصوصیات وکیفیات سے متصف اس مختصر سی عمر میں فارسی شاعری کے ذخیرے میں اضافہ کیا ہے وہ فارغ البال مردوں کو بھی میسر نہیں، ایک معروف عورت سے اس کی کیا توقع کی جا سکتی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ ایران کے اندر اب تک کوئی دوسری ایسی عورت پیدا نہیں ہوئی جس کے اندر شاعری کی یہ لیاقت اور ذوق پایا گیا ہو، اور جس نے اپنے دوسرے تعلیمی اور گھریلو مشاغل کے باوجود ایسی نادر قسم کی نظمیں فارسی زبان میں لکھی ہوں ۔

---

مراجع

۱:- دیباچۂ دیوان پروین از ملک الشعراء محمد تقی بہار خراسانی ۱۳۱۴ شمسی تہران :-

(بقیہ صفحے پر)

دوسری قسط

# اقبال کی شاعری میں عورت کا مقام

کمال جعفری

اقبال کی نظر میں عورت کا مقام ایک واضح نصب العین رکھتا ہے جو نہ بہت قدیم طرز معاشرت کا قائل ہے۔ اور نہ فیشن آمیز جدید آوارگی کا۔ اقبال کا نقطۂ نظر عورتوں کے مقام کے تعین میں درمیانی راہ کا حامی ہے۔ اقبال عورتوں کو چہار دیواری میں مقید رکھنے کے بھی خلاف ہیں۔ انہوں نے اس ضمن میں گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو محض جاہل و ناکارہ بنا کر ان کی زندگی تباہ نہ کی جائے۔ وہ جدید علوم کے قائل ہیں لیکن تعلیمی بے راہ روی پر نالاں ہیں، علوم تازہ کو اقبال نے کبھی غلط نہیں سمجھا۔ ؎

علومِ تازہ کی سرمستیاں گناہ نہیں

اقبال نے عورتوں کے حقوق کی پامالی پر اپنے غم کا اظہار بڑے تیکھے لہجے میں کیا ہے اور انہیں اس کا دکھ ہے کہ موجودہ سماج نے عورتوں کے جائز حقوق تسلیم کرنے سے گریز کیا ہے۔ ؎

میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اقبال کا پیغام قرآن پاک کی روشنی میں عورتوں کے لیے سراپا مبنی بر حقیقت ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "عورت مرد کا لباس ہے اور مرد عورت کا"۔ اگر اس زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو اقبال کا پیغام عورت کے لیے وہی ہے جو خود خدا نے اپنی مقدس کتاب قرآن کے ذریعہ عورتوں کے لئے وضع کیا ہے۔

# تاریخ دعوت وجہاد برصغیر کے تناظر میں

مصنّف :- عبداللہ فہد فلاحی
تبصرہ نگار :- پروفیسر مولانا محمد تقی امینی

دعوت وجہاد، اسلامی تعلیم کا خلاصہ ہے۔ اصل تاریخ، سلام کی دعوت وجہاد ہی کی ہے۔ یہ تاریخ چھٹی صدی عیسوی سے (جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی) نہیں، بلکہ اس وقت سے شروع ہوتی ہے، جب سے انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سارے انبیاء علیہم السّلام مجاہد تھے اور ان ہی کی بدولت انسان کی زندگی کو زندگی ملی۔ وہ اپنی قدروں سے واقف ہوا۔ اچھائی برائی، حلال وحرام، پاکیزگی وگندگی سے اس کو شناسائی ہوئی۔ دعوت وجہاد کی کارگزاری اس پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اس سے بہت آگے تک جاتی ہے۔ دنیا کو آباد کرنے، اس کو ترقی دینے، تہذیب وتمدن کی شمع روشن کرنے میں انہوں نے نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے۔

وکذلک کل نبی استخلفہم فی عمارۃ الارض وسیاسۃ عباد

...لِ قومهم ليتنذرا مرة فيهم - (بيضاوی)

دعوت وجہاد اسلامی زندگی کا نچوڑ ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کی تاریخ
...طرف زیادہ توجہ نہیں دی گئی - اسلامی تاریخ سے جوہر نکال کر اس کی جگہ
...ف ریزوں سے پُر کرنے کی کوشش ہوتی رہی اور دعوت وجہاد کے اصل کردار
...زات کو نمایاں کرنے کے بجائے تاریخ کو واقعات کی کھتونی بنایا گیا۔
بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب مسلم نوجوان اپنی تاریخ لکھنا چاہتے ہیں، یعنی
...وت وجہاد کی تاریخ - ان کو ایسے نقوش درکار ہیں جن کے مطابق خود کو پیکر
...اسکیں - خاکے درکار ہیں جن میں وہ خود رنگ بھر سکیں - عزیزم عبید اللہ فہد فلاحی
...جوان برادری کے نہایت ذہین باصلاحیت اور ہونہار فرد ہیں جنہوں نے اس
...تاب میں دعوت وجہاد کے نقوش اُبھارنے کی کوشش کی ہے اور خاکے پیش کیے
...ہیں جن میں رنگ بھرنے کی طرف توجہ دلائی ہے - موصوف جامعۃ الفلاح بلریاگنج
...عظم گڑھ کے فاضل، پولیٹکل سائنس کے طالب علم اور فہم قرآن میں مکتبۂ فراہی
...کے شیدائی ہیں جن سے بجا طور پر توقع ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہوں گے -
...مختلف موضوعات پر کئی کتابوں کا ترجمہ کر چکے ہیں، یہ ان کی اپنی تصنیف ہے
...جس کو نو ابواب میں تقسیم کیا ہے - ابواب کی تقسیم کچھ اس طرح ہے:

پہلا باب :- عرب تاجر اور دعوت دین
دوسرا باب :- مسلم سلاطین اور اشاعتِ اسلام
تیسرا باب :- صوفیاء ومشائخ اور تبلیغ اسلام
چوتھا باب :- تجدید واحیائے دین
پانچواں باب :- تحریکاتِ اسلامی
چھٹا باب :- تحریکاتِ آزادی

ساتواں باب :۔ تعلیمی تحریکات
آٹھواں باب :۔ بیسویں صدی کی چند شخصیات
نواں باب :۔ اقامت دین کی جدوجہد۔

انتساب :۔ جبل پور مدھیہ پردیش کے اس گمنام مسلمان کے نام ہے جو دن میں ٹھیلے پر سبزی بیچتا پھرتا ہے اور رات میں واپس آکر تحریک اسلامی کا کام کرتا ہے۔ کتاب کا مقدمہ بیس صفحات پر مشتمل ہے جس میں اسلام کو بحیثیت ایک نظریہ ایک تحریک متعارف کرانے کی عمدہ کوشش کی ہے کتاب کے آخر میں کتابیات کی فہرست بھی ہے جس سے قارئین کو مطالعہ کی سہولت فراہم ہو جاتی ہے۔

پیش لفظ مولانا جلال الدین انصر عمری ایڈیٹر تحقیقات اسلامی علی گڈھ کا، اور تعارف پروفیسر اقبال انصاری سابق چیرمین اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے تحریر فرمایا ہے۔ شروع میں مصنف نے التماسی نامہ بھی شامل کر دیا ہے جو محسنوں کی خدمت میں ہدیۂ تشکر ہے کہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔

کتاب کے مندرجات اور حالات کے تجزیہ میں بعض جگہ اختلاف کی گنجائش ہونا فطری بات ہے۔ لیکن دعوت وجہاد کی تاریخ کو اس انداز سے پیش کرنے کی کوشش قابل صد مبارکباد ہے۔ یہ ہندوستان میں اسلام کی آمد کے زمانہ سے اب تک کی دعوت وجہاد کی مختصر تاریخ ہے۔ ضرورت ہے کہ حضرت آدمؑ سے ہی دعوت وجہاد کی یہ تاریخ شروع کی جائے اور اس کے کردار و اثرات پر اس انداز سے ہمہ جہتی روشنی ڈالی جائے کہ دنیا اس اعتراف پر مجبور ہو جائے کہ :۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے  یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

ہندوستان کی دعوتی و جہادی تاریخ پر مشتمل ۳۹۱ صفحات کی یہ کتاب آفسیٹ کی روشن کتابت و طباعت اور جاذب نظر و معنی خیز ٹائیٹل اور بہترین کاغذ کے باوجود صرف تیس ۳۰/ روپے میں بازار میں دستیاب ہے اتنی خوبصورت اور علمی کتاب کو اتنی کم قیمت میں پیش کرنے پر ادارہ ہندوستان پبلی کیشنز دہلی تعریف و ستائش کا مستحق ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ عزیز موصوف کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور مقبول بنائے، اور اس راہ کی اگلی جد و جہد کی توفیق دے اور آسان بنائے آمین!

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی عرفان محبت عام نہیں

(پروفیسر مولانا محمد تقی امینی)

---

بقیہ ص ۵۶ کا:۔

۲:۔ فرہنگ دیوان پروین از ابوالفتح اعتصامی، تہران = ۱۳۲۳ شمسی۔
۳:۔ دیوان پروین اعتصامی، طبع چہارم۔ تہران ۱۳۳۳ شمسی
۴:۔ زنان سخنور (جلد اول) از علی اکبر مشیر سلیمی، تہران = ۱۳۳۵ شمسی

# ماہنامہ برہان کا

# مفکرِ ملت مفتی عتیق الرحمان عثمانی رحمہ اللہ نمبر

مفکرِ ملت مفتی عتیق الرحمان عثمانی رحمہ اللہ کے تذکرہ کے بغیر، آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی جدوجہد کا کوئی بھی تذکرہ نامکمل سمجھا جائے گا۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کی وفات پر ڈھائی سال سے زیادہ مدت گزرنے کے بعد، کسی اور کی تو کیا کہیں خود برہان، کو کوئی یادگار نمبر نکالنے کی توفیق نہ ہو سکی۔

اس تاخیر کے اصل اسباب میں خود میری تساہلی، مفتی رحمہ اللہ صاحب کے معاصرین اور قدردانوں کی بے پروائی اور ادارہ برہان کی مالی کمزوری کا بڑا دخل رہا ہے۔

مفتی عتیق الرحمان عثمانی رحمہ اللہ کی یادگار میں کوئی بھی اشاعت اس وقت تک ناقص اور نامکمل رہے گی جب تک اس میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی، پرنس نجم الدین، قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، قاضی سجاد حسین، قاری محمد ادریس امام جامع مسجد نئی دہلی، مولانا انظر شاہ کشمیری، عابد رضا بیدار، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مولانا محمد سالم قاسمی، اور دوسرے ان مشاہیر کے تاثرات شامل نہ ہوں، جو مفتی صاحب رحمۃ اللہ کے ساتھ قریبی معاصرانہ، عقیدتمندانہ اور دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔

اس کے علاوہ ان کے شایانِ شان نمبر کوئی یادگار اشاعت کی تکمیل اس وقت

بھی ممکن ہی نہیں جب تک کہ کم از کم ۵۰ ہزار روپیہ کی رقم پہلے سے ادارہ برہان کے پاس موجود نہ ہو۔

اور یہ دونوں باتیں دشوار اور ناممکن نہیں کہ اس وقت تک وہ وسیع دعریض حلقہ موجود ہے، جس میں مفتی صاحبؒ نے آدھی صدی سے زیادہ مدت تک اپنی ذہانت وخدمت کی شمعیں روشن رکھیں، اور ایک تاریک مستقبل کو روشن کرنے کی جد وجہد میں بے نظیر مشقت کا مظاہرہ کیا، ان تمام مضمرات پر غور کرنے کے بعد۔ اب یہ فیصلہ ناگزیر ہو گیا ہے کہ —

جنوری ۱۹۸۷ء میں برہان کا

مفکر ملت مفتی عتیق الرحمان عثمانیؒ نمبر۔

شائع کر دیا جائے۔

- ۵۰۰ کے قریب صفحات پر پھیلے ہوئے اس نمبر کی قیمت کا اندازہ فی الحال ۵۰ روپیہ کیا گیا ہے۔
- اس کے لیے مفتی صاحبؒ کے قدر دانوں، اور اہل استطاعت سے درخواست ہے کہ وہ اس نمبر کے اخراجات کی تخمینی رقم کے لیے مالی اعانت اور عطیات فراہم کرنے میں ادارہ برہان کے ساتھ تعاون فرمائیں۔
- اہل قلم اور اہالیان علم وسیاست سے درخواست ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے تاثرات — زیادہ سے زیادہ نومبر کے پہلے ہفتہ تک ارسال فرما دیں۔
- برہان کے خریداروں سے بھی درخواست ہے کہ وہ مبلغ ۵۰ روپیہ پیشگی روانہ فرما دیں، تاکہ اس ضخیم نمبر کی کتابت، طباعت اور کاغذ کی فراہمی کا کام رکنے نہ پائے۔

عطیات، مضامین، اور چندہ کی ترسیل — عمید الرحمان عثمانی، مینیجر ماہنامہ برہان کے نام دہلی کے پتہ پر ہونی چاہیے۔

جمیل مہدی — ایڈیٹر — برہان —
دہلی۔

# اپنے محسنوں و کرم فرماؤں سے ایک معذرت و گزارش

حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی کی یاد میں جس خاص نمبر کے شائع کرنے کا اعلان کیا گیا تھا اس میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ اس تاخیر پر ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ دراصل اس قیمتی نمبر کے لئے جس تحقیقی مواد اور معیاری مضامین کی ضرورت ہے۔ ابھی تک وہ فراہم نہیں ہو سکے۔

ہماری کوشش یہ ہے کہ یہ نمبر حضرت مفتی صاحب کے شایان شان ہو۔ اور اس میں حضرت مفتی صاحب کی ہمہ گیر خدمات اور ان کی جامعیت اور ان کے اعتدال و توازن پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہو۔ ہم اس میں کتنا کامیاب ہو سکیں گے یہ تو آنے والا وقت ہی بتلائے گا۔

اس سلسلے میں ہم اپنے قارئین سے اپیل کرتے ہیں کہ تحقیقی مضامین سے خواہ وہ بصورت نظم ہوں یا نثر ہمارا تعاون فرمائیں۔

اور جن حضرات کے پاس حضرت مفتی صاحب کے مکاتیب ہوں اس کے منتخبات ارسال فرمائیں تاکہ اس نمبر کی افادیت میں مزید اضافہ ہو۔

مشہور تجارتی مراکز بمبئی کلکتہ، مدراس، حیدرآباد، لکھنؤ وغیرہ کے احباب سے گذارش ہے کہ اپنی اپنی اکاڈمیوں مدرسوں کتابوں اور دواؤں کے اشتہارات دیکر رکاوٹوں کو دور فرمائیں۔

ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب کے مقامی و بیرونی معتقدین و محبین سے گزارش ہے کہ حضرت کی ملی و ملکی خدمات کے پیش نظر بطور یادگار ایک اکاڈمی قائم کرنے اور علاقہ جامع مسجد میں مفتی عتیق الرحمن روڈ موسوم کرانے کے لئے پوری سعی فرمائیں۔ ہم آپکے ممنون و مشکور ہوں گے۔

نوٹ: اشتہارات کا نرخ کامل صفحہ ۔/۵۰۰ آدھا صفحہ ۔/۲۵۰ روپے اور کوارٹر ۔/۱۲۵ روپے

۱۹۵۴ء حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ العلم والعلماء۔ اسلام کا نظام مساجد۔ تاریخ صقلیہ۔ تاریخ ملت جلد ہفتم

۱۹۵۵ء اسلام کا زرعی نظام۔ تاریخ ادبیات ایران۔ تاریخ علم فقہ۔ تاریخ ملت حصہ دہم سلاطین ہند۔ تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی

۱۹۵۶ء ترجمان السنہ جلد ثالث۔ اسلام کا نظام حکومت طبع جدید مکمل فہرست۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد دوم۔ خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

۱۹۵۷ء لغات القرآن جلد پنجم۔ صدیق اکبر۔ آئینہ حقیقت نما۔ [illegible] انقلاب روس اور انقلاب کے بعد

۱۹۵۸ء لغات القرآن جلد ششم۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ تاریخ گجرات۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد سوم

۱۹۵۹ء حضرت عمر کے سرکاری خطوط۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء [illegible]

۱۹۶۰ء تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۹، ۳۰۔ حضرت ابوبکر صدیق کے سرکاری خطوط۔ امام غزالی کا فلسفۂ مذہب و اخلاق۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام۔

۱۹۶۱ء تفسیر مظہری اردو جلد اول۔ [illegible] تاریخ [illegible] دمشق

۱۹۶۲ء تفسیر مظہری اردو جلد دوم۔ [illegible] صدی ہجری [illegible] نیل سے فرات تک۔

۱۹۶۳ء تفسیر مظہری اردو جلد سوم۔ تاریخ ردہ۔ [illegible] تاریخ کشمیر۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی اول

۱۹۶۴ء تفسیر مظہری اردو جلد چہارم۔ حضرت عثمان کے سرکاری خطوط۔ عرب و ہند عہد رسالت میں۔ ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں۔

۱۹۶۵ء ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اول۔ تاریخی مقالات۔ لادینی دور کا تاریخی پس منظر۔ ایشیا میں آخری نوآبادیات

۱۹۶۶ء تفسیر مظہری اردو جلد پنجم۔ بزم عشق۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔

۱۹۶۷ء ترجمان السنہ جلد چہارم۔ تفسیر مظہری اردو جلد ششم۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ

۱۹۶۸ء تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم۔ تین تذکرے۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات۔ اسلامی ہند کی عظمت رفتہ۔

۱۹۶۹ء تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم۔ تاریخ الفخری۔ حیات ذاکر حسین۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر

۱۹۷۰ء حیات عبدالحی۔ تفسیر مظہری اردو جلد نہم۔ مآثر و معارف۔ [illegible] میں حالات زمانہ کی رعایت

۱۹۷۱ء تفسیر مظہری اردو جلد دہم۔ بیماری اور اس کا روحانی علاج۔ خلافت راشدہ اور ہندوستان

۱۹۷۲ء فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ انتخاب الترغیب والترہیب۔ اخبار التنزیل۔ عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

No. D.(DN) 231　　PHONE: 262815　　SEPTEMBER 1996

965-157　　Subs. 40/- Per Copy Rs. 3-50

**BURHAN** (Monthly)

4136, Urdu Bazar, Jama Masjid, Delhi-110006.



حمید الرحمٰن عثمانی پرنٹر پبلشر نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶ سے شائع کیا

بیادگار حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ



ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ



# برہان

نگرانِ اعلیٰ حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینی

مُرتب
جمیل مہدی

مدیرِ اعزازی
قاضی اطہر مبارکپوری

# مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

**سنہ ۱۹۳۹ء** اسلام میں غلامی کی حقیقت - اسلام کا اقتصادی نظام - قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ -
تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام - سوشلزم کی بنیادی حقیقت -

**سنہ ۱۹۴۰ء** غلامانِ اسلام - اخلاق و فلسفۂ اخلاق - فہم قرآن - تاریخ ملت حصہ اول "نبی عربی صلعم" - صراط مستقیم (انگریزی)

**سنہ ۱۹۴۱ء** قصص القرآن جلد اول - وحی الٰہی - جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول -

**سنہ ۱۹۴۲ء** قصص القرآن جلد دوم - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات)
مسلمانوں کا عروج و زوال - تاریخ ملت حصہ دوم "خلافت راشدہ" -

**سنہ ۱۹۴۳ء** مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد اول - اسلام کا نظام حکومت - سیرت - تاریخ ملت حصہ سوم "خلافت بنی امیہ"

**سنہ ۱۹۴۴ء** قصص القرآن جلد سوم - لغات القرآن جلد دوم - مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (کامل)

**سنہ ۱۹۴۵ء** قصص القرآن جلد چہارم - قرآن اور تصوف - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے)

**سنہ ۱۹۴۶ء** ترجمان السنہ جلد اول - خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ - جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو -

**سنہ ۱۹۴۷ء** مسلمانوں کا نظم مملکت - مسلمانوں کا عروج و زوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم - حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ -

**سنہ ۱۹۴۸ء** ترجمان السنہ جلد دوم - تاریخ ملت حصہ چہارم "خلافت ہسپانیہ" - تاریخ ملت حصہ پنجم "خلافت عباسیہ اول"

**سنہ ۱۹۴۹ء** قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل)
تاریخ ملت حصہ ششم "خلافت عباسیہ دوم" بصائر -

**سنہ ۱۹۵۰ء** تاریخ ملت حصہ ہفتم "تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ" تدوین قرآن - اسلام کا نظام مساجد -
اشاعت اسلام یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا -

**سنہ ۱۹۵۱ء** لغات القرآن جلد چہارم - عرب اور اسلام - تاریخ ملت حصہ ہشتم "خلافت عثمانیہ" - بارج برنارڈ شا -

**سنہ ۱۹۵۲ء** تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر - فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول (جس کو
ازسرِنو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے - کتابت حدیث -

**سنہ ۱۹۵۳ء** تاریخ مشائخ چشت - قرآن اور تعمیر سیرت - مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ -

# برہان

مدیر مسئول: عمید الرحمٰن عثمانی

جلد ۹۸ | صفر المظفر ۱۴۰۷ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۶ء | شمارہ ۴



عمید الرحمٰن عثمانی پرنٹر پبلشر نے جال پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار
جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

# نظرات

از عمید الرحمٰن عثمانی

دانائے راز علامہ اقبال نے کہا ہے اور بجا کہا ہے کہ؎

آدمیت احترامِ آدمی   با خبر شو از مقامِ آدمی

انسان اس سرزمین پر خالقِ کائنات کا حسین شاہ کار اور نائب سلطنت ہے اور اس میں ان تمام اوصاف اور کمالات کا ہونا لازمی اور ضروری ہے جو خود خالقِ کائنات نے اس کی ذات کے اندر ودیعت کر رکھے ہیں۔ اور ان سب میں اہم ترین صفت انسان شناسی ہے۔ اس میں خود اس کی اپنی ذات بھی شامل ہوتی ہے۔ جب انسان کو یہ ملکہ حاصل ہوگا تو وہ بجا طور پر خالقِ کائنات کا خلیفہ اور نائب سلطنت ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ انسان کو اپنی معرفت اور نوعِ انسانی کے عرفان کے لئے کیا کرنا ہوگا؟ ہمارے خیال میں اس کا آسان ترین اور مجرب ترین نسخہ دنیا کے سب سے بڑے انسان اور مردِ کامل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر دنیا کو حیران کر دیا ہے کہ "اوروں کے لئے اس بات کو پسند نہ کرو جو تمہیں اپنی ذات کے لئے پسند نہیں" یا یہ کہ "خدا کی قسم وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے کرتوت سے اس کے پڑوسی پریشان ہوں۔" یہ دو رہنما اصول ہیں جن کو سامنے رکھ کر انسان بنتا ہے اور وہ آدمیت کا احترام کرنے لگتا ہے۔ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ کون انسان ایسا ہوگا جو اپنا قتل ہونا پسند کرے، کون انسان ہوگا جو اپنے مال و متاع کو آگ لگانا پسند کرے، کون انسان ہوگا جو اپنے گھر کی عورتوں کی عصمتیں برباد ہوتے دیکھے اور خوش ہوتا رہے، کون انسان ہوگا جو اپنے عزیزوں، بچوں کے [illegible]

نیزوں، بندوقوں اور چھروں کا نشانہ بنا دیجئے اور وہ پامال نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی اس وسیع و عریض سرزمین میں کہیں بھی کوئی انسان نہیں ملے گا۔ یورپ میں اس کا نام و نشان نہیں ملے گا۔ ایشیا میں اس کا وجود نظر نہیں آئے گا، افریقہ میں اس قسم کی ذلت شنیعہ کا پتہ نہیں ملے گا اور جہاں جہاں انسان رہتا ہے وہاں وہاں ایک بھی انسان ایسا نظر نہیں آئے گا جو اپنے سرمایۂ حیات کو غارت ہوتا دیکھ کر خوش ہوتا ہو۔ دنیا کے سب سے بڑے انسان نے فرمایا کہ جو چیز تمہیں اپنے لئے پسند نہیں اسے دوسروں کے لئے پسند نہ کرو۔ پس اگر دنیا کے کسی انسان کو اپنی ذات کے لئے اس قسم کی مجنونانہ حرکتیں پسند نہیں ہو سکتیں، تو وہ ان چیزوں کو دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتا ہے؟ اور پھر بھی اپنے انسان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہاں اس کی وضاحت ضروری ہے کہ اس انسانی معاملے میں مذہب کے فرق کو کوئی دخل نہیں۔

مذہب کیا ہے؟ مذہب دراصل انسان کو انسان بنانے کا ایک ذریعہ ہے۔ کون مذہب ہے جو غارت گری کی تعلیم دیتا ہے؟ کون مذہب ہے جو لوٹ مار سکھاتا ہے۔ کون مذہب ہے جو انسان کو وحشت و بربریت کا فلسفہ پڑھاتا ہے۔ تمام مذاہب کے بنیادی اصولوں کو دیکھا جائے تو یہ بات واضح طور پر نظر آئے گی کہ ہر مذہب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان انسان بنے تاکہ آدمیت کا احترام کرے اور آدمی کے مقام کو پہچانے اور اس طرح سے خود کو پہچانے۔ دنیا کے اس سب سے بڑے انسان نے یہ بھی فرمایا کہ تمام انسان اللہ کا کنبہ اور عیال ہیں۔ ایک گھر میں دس افراد ہوں گے اور تمام کے تمام خاندان کے افراد ہوں گے۔ ان افراد خاندان میں کون ایک کو دوسرے سے ممتاز سمجھتا ہے، کون آپس میں غارت گری کرتا ہے۔ اگر افرادِ خاندان میں اختلافات ہوں تو اُن کو بوجہ احسن دور کیا جاتا ہے اور خاندان کو ایک دوسرے کی جان کا لہو پینے سے بچانے کے لئے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ انسان پیدائش کے اعتبار سے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف نہیں [illegible] ایک انسان کا دوسرے

**انسان کے ساتھ تو اختلاف ہونا بھی فطری ہے اُسے مٹایا نہیں جا سکتا مگر اختلاف کو دور کرنے کے معاملہ میں انسان کو انسانیت کی شان کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اختلاف کو دور کرنے کے لئے اگر انسان بربریت اور بہیمیت کا مظاہرہ کرنے لگے تو وہ انسان اور انسانیت کی توہین کا ارتکاب کرتا ہے۔**

---

ہمارا ملک ایک نیم براعظم ملک ہے۔ مختلف تمدنوں کا گہوارہ ہے۔ اس لیے قدرتی طور پر مختلف زبانیں بولنے والے، مختلف مذاہب کے ماننے والے، مختلف معاشرتیں رکھنے والے الگ الگ رنگ اور روپ کے لوگ موجود ہیں، صوبجات میں اپنے اپنے رسم و رواج ہیں۔ رہن سہن کے اپنے اپنے طریقے ہیں۔ بول چال اپنی اپنی ہے مذاہب اپنے اپنے ہیں اور اس اختلاف میں اتحاد بھی ہے اور کثرت میں وحدت پنہاں ہے کہ سب ایک سرزمین کے رہنے والے ہیں جن کے مفادات بھی مشترک ہیں اور نقصانات بھی۔ سوچنے کی بات صرف یہ ہے کہ لگاتار بارشوں سے دریاؤں میں باڑھ آجاتی ہے تو وہ تباہی پھیلاتے وقت یہ نہیں دیکھتی کہ مسلمان کا کھیت تباہ ہو رہا ہے یا ہندو کا، محلے میں آگ لگ جاتی ہے تو آگ یہ نہیں سوچتی کہ ہندو کا گھر جلتا ہے یا مسلمان کا۔ اسی طرح خدانخواستہ ملک پر بیرونی حملہ ہو تو حملہ آور اس ملک کے رہنے والوں کے چہروں کو دیکھ کر ان کی گردن نہیں پکڑے گا۔ اس کے سامنے جو آئے گا برباد ہو جائے گا۔ ہندوستان انگریز سامراج کی غلامی میں گرفتار رہا تو ہر ہندوستانی کے گلے میں غلامی کا طوق تھا۔ آزاد ہوا تو ہر ہندوستانی آزاد ہوا۔ اب جب یہ صورت ہے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کے آپس میں لڑنے جھگڑنے اور اس لڑنے جھگڑنے میں انسانیت کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر حیوان بننے کا کیا جواز؟ ماتم اس بات کا ہے کہ انسان حیوان بن رہا ہے وہ اپنی پیدائش کے مقصد کو بھول [illegible]

[illegible] کے پیغام کی مٹی پلید کرتا ہے اور مسلمان امن و سلامتی کے پیغمبر کے پیغام سے روگردانی کرتا ہے۔ سکھ اس ملک کے سب سے بڑے صوفی اور امن دوست مصلح نانک کے صلح کل والے مسلک سے منہ موڑتا ہے اور ہر ہندوستانی بلا لحاظ مذہب و ملت جو اس شرمناک خونریزی میں حصہ لیتا ہے، عہد حاضر کے ایک بہت بڑے انسان کی توہین کرتا ہے جس نے اپنی جان ہندو مسلم اتحاد کے کاز کے لئے قربان کر دی اور جس کے خون کے داغ ابھی تک ہندوستان والے اپنے دامن سے نہیں دھو پائے ہیں۔

ہماری پریشانی اور ہماری تشویش اس بات پر ہے کہ انسان بے رحمی کا شکار ہو رہا ہے۔ آزادی کے ۳۹ سال بعد بھی ایک فرقہ دوسرے فرقے کی تباہی کے درپے ہے مگر اس سے زیادہ پریشانی اس بات کی ہے کہ ہندوستان کے ہندو اور مسلمان اپنی زریں زریں روایات کو خاک میں ملا کر انسانیت کو رسوا کر رہے ہیں اور یہ اتنا بڑا نقصان ہے کہ ہم صدیوں تک اس کی تلافی نہیں کر پائیں گے۔ تاریخ بہت ظالم اور بے رحم ہوتی ہے وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔ ایک وقت آئے گا جب آج کی اس بربریت کی تاریخ پڑھی جائے گی اور آئندہ آنے والی نسل ہم پر رحمت کی بجائے لعنت بھیجے گی۔ ہماری آنے والی نسلوں کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان کی جنگ آزادی لڑنے والا عدم تشدد کا پرچارک گاندھی خود تشدد کا شکار ہوا اور ہندوستان کی تہذیب داغدار ہوئی تو وہ کیا کہیں گی پھر جب ان کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ گاندھی صرف ایک دفعہ گولی کا شکار نہیں ہوا بلکہ آزادی پانے کے بعد بھی چار دہائیوں میں اس کا سینہ ہر روز گولیوں سے چھلنی ہوتا آ رہا ہے۔ مرادآباد میں اس پر قیامت برپا کی جاتی ہے۔ علی گڑھ میں اسے تختۂ دار پر لٹکایا جاتا ہے۔ جمشید پور اور احمد آباد میں اسے سولی پر چڑھایا جاتا ہے تو ظاہر ہے ہماری یہ آنے والی نسلیں ہم پر

[illegible] دہلی

درود وسلام نہیں، لعنت ہی بھیجیں گی۔ سوال یہ ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ یہ سوال ہر ہندوستانی کو اپنے آپ سے کرنا ہوگا اور خود ہی اس کا جواب بھی دینا ہوگا اور ظاہر ہے کہ اگر ہر شخص اس سوال کا جواب دینا چاہے تو آسانی سے دے سکتا ہے۔

---

ان حالات کو دیکھ کر ملک کا ہر باشعور انسان قدرتی طور پر تشویش میں گرفتار ہے۔ لیکن صرف تشویش میں گرفتار ہونا کافی نہیں بلکہ ہر دردمند دل والے انسان کو اس صورت حال کی اصلاح کے لئے حتی الامکان کوشش کرنی ہوگی۔ ہر دانشمند اور صاحب فہم انسان پر یہ ایک انسانی اور قومی فریضہ ہے کہ وہ اس عذاب سے ملک کو نجات دلانے کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں بروئے کار لائے۔ عام لوگوں پر یہ بات ذہن نشین کرنا ہوگی کہ بیرونی جارحیت کے مقابلے میں ملک کا اندرونی انتشار زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ اندرونی انتشار بیرونی جارحیت کے لئے راہ ہموار کرتا ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ قوموں کو غلام بنانے کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔ ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ ہندوستانی قوم بحیثیت مجموعی صلح پسند، روادار اور عالی حوصلہ ہے۔ فسادیوں، فسطائی قوتوں اور بدمعاشوں کی ایک مٹھی بھر جماعت ملک کے امن اور ملک کی تہذیب کو برباد کر دیتی ہے اور افسوسناک بات یہی ہے کہ اتنی بڑی صلح پسند قوم اس مٹھی بھر گروہ کا قلع قمع نہیں کر سکتی۔ اس کے عزائم کو خاک میں ملا نہیں سکتی اور اس کے ارادوں کو ناکام نہیں بنا سکتی۔ دانشور طبقے کا یہی کام ہے کہ وہ قوم کو ایک سمت دیں اور

ہ مجبور کریں کہ مفسدہ پردازوں کی اس مٹھی بھر جماعت کا صفایا کردے۔ واقعی بڑی شرم کی بات ہے کہ صرف چند غنڈے اتنی بڑی قوم کو یغمال رکھنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور قوم اس کا تدارک نہیں یسکتی۔

---

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ غنڈوں اور بدمعاشوں کا کوئی مذہب ہیں ہوتا۔ اُن کا اگر کوئی مذہب ہے تو وہ فساد فی الارض ہے وراس طرح افراتفری بپا کرکے اپنے حقیر مفادات کی حفاظت کرنا ان کا ین بھی ہے اور دھرم بھی۔ یہ منطق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ کوئی دیندار سلمان فساد کا روادار ہوگا۔ وہ جانتا ہے کہ ایک انسان کے بلاوجہ قتل کو رآن مجید نے تمام عالم انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ ہم یہ نہیں مان سکتے ۔ ایک سچا ہندو امن کو درہم برہم کرنے اور قتل و غارت کو ہوا دینے ا ناپاک کام کرے گا کیونکہ اسے اپنے مذہب اور دھرم نے بتایا ہے ہ عدم تشدد سب سے بڑا دین اور سب سے بڑا مذہب ہے۔

---

ضرورت اس بات کی ہے کہ تشدد، تعصب، نفرت، دہشت انگیزی، تنگ نظری اور فرقہ واریت کی لعنتوں سے ملک کو پاک کرنے کے لئے انسانیت، آدمیت اور احترام آدمیت کا سبق ملک کے کونے کونے میں پھیلا دیا جائے۔ انسانیت، شرافت، محبت کا پیغام سب سے بڑا پیغام ہے۔ انسان کو حقیقی انسان بنانے کی طرف راغب کرنے کا کام سب سے بڑی عبادت ہے۔ نفرت ایک آگ ہے

جس میں خود نفرت کرنے والا بھی جل کر راکھ ہوجاتا ہے۔ محبت آب حیات ہے جو قوموں کو رہتی دنیا تک زندہ رکھتی ہے۔ بہرحال ؂

جو اربابِ سیاست ہیں وہ سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے

---

معزز قارئین! ہمیں شرمندگی ہے کہ مفکرِ ملت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی علیہ الرحمہ کے شایانِ شان اب تک برہان کا خصوصی شمارہ منظرِ عام پر نہیں آسکا۔ کوشش برابر جاری ہے اور اس سلسلہ میں محترم جناب جمیل مہدی، قبلہ مولانا فقیہ الدین، مولانا سید انیس الحسن، مولانا محمد سعید الرحمٰن شمس مدیر نصرۃ الاسلام کشمیر اور راقم نمبر کی ترتیب اور مواد کی فراہمی میں مصروف کار ہیں۔ امید ہے کہ انشاء اللہ نئے سال کے آغاز میں یہ دستاویزی پیشکش نذر قارئین ہوسکے گی، آپ سے دعا کی درخواست ہے۔

نوٹ: حضرت مولانا حکیم محمد زماں صاحب حسینی مدظلہٗ رسالہ برہان کے سرپرست اور مدیر اعزازی جناب مولانا قاضی اطہر مبارک پوری صاحب مدظلہٗ ان حضرات کی موجودگی کے بغیر یہ اہم کام میں سمجھتا ہوں کہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہونچ سکے گا۔ (شکریہ)

# صحابۂ کرامؓ کی تحصیل حدیث کی کیفیات

جناب مولوی محمد رضی الاسلام صاحب ندوی، ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسلامی شریعت میں قرآن کریم کے بعد دوسرا درجہ "حدیث" کا ہے اور اس پر عمل کرنا اسی طرح واجب اور فرض ہے جس طرح قرآن پر ـــــ حدیث ایک ایسا مستند اور معتبر ذخیرہ ہے جس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، آپؐ کے اقوال و افعال، آپؐ کی سیرت و شمائل، آپؐ کے عادات و اطوار اور اخلاق و اوصاف غرض یہ کہ حیات طیبہ کا ایک ایک گوشہ ہمارے سامنے پوری طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ اس کی حیثیت تاریخ کے ان ذخیروں کی سی نہیں جن کی اساس محض چند افواہوں، سنی سنائی بازاری باتوں، مجہول کرم خوردہ مخطوطات یا کہنہ الواح سے بڑھ کر نہیں جو کسی زمانے میں قلم بند کر لی جاتی ہیں اور جن سے نہ راویوں کا پتہ چلتا ہے نہ ان کے احوال معلوم ہوتے ہیں بلکہ حدیث ایک ایسی مستند و محکم "دستاویز" ہے جس کے عینی مشاہدین لاکھوں کی تعداد کو پہنچے ہوئے ہیں اور جس کے راویوں کی پوری زندگی ہمارے سامنے واضح ہے۔

**تاریخ کے عام ذخیروں سے حدیث کا امتیاز:**

حدیث نبوی کو عام تاریخی ذخیروں سے صرف یہی ایک چیز ممتاز نہیں کرتی

بلکہ اس سے بھی اہم امتیاز یہ ہے کہ مؤرخین کا اپنی تاریخ سے کوئی قلبی ربط نہیں پایا جاتا۔ اولاً تو تاریخ کے اولین راویوں کا پتہ ہی نہیں چلتا پھر اگر عرصے بعد کے کسی مؤرخ کا نام بھی ملتا ہے تو ظاہر ہے کہ تاریخ سے اس کا قلبی ربط اور باہمی تعلق مفقود ہوتا ہے برخلاف اس کے صحابۂ کرامؓ کا جو قلبی تعلق، باہمی ربط اور شدید محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور احادیث نبویہ سے تھی وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ حضرات صحابہؓ کو آپؐ کی ذات سے جو حقیقی عشق تھا اس کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے ماں باپ اور عزیز و اقارب تک کو آپؐ پر فدا کرنے کو تیار رہتے تھے اور اپنی جان و مال کو آپؐ کے ایک اشارے پر قربان کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر آپؐ کا اشارہ پاتے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے ثلث مال سے "جیش عسرۃ" کی تجہیز" کرتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنا نصف مال لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنا کل کا کل مال لاکر آپؐ کی خدمت میں ڈھیر کر دیتے ہیں اور اپنے پیچھے اپنے گھر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا ذکر چھوڑ آتے ہیں۔ غزوۂ احد میں جب جاںنثاری و فداکاری کا موقع نصیب ہوتا ہے تو حضرت ابودجانہؓ اپنے جسم کو ذات رسول کے لئے ڈھال بنا دیتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ آپؐ کے سامنے سینہ سپر ہو کر دشمنوں کے تیروں کا جواب دیتے ہیں اور کچھ جاںنثار صحابہ آپؐ کے گرد حصار کر کے آپؐ کو دشمنوں کی ایذا سے محفوظ کر لیتے ہیں۔ ایک صحابیہ اپنے پدر، فرزند اور خواہر کی شہادت کی خبر سننے کے باوجود جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخیر و عافیت دیکھ لیتی ہیں تو ان کی زبان سے بے اختیار نکل پڑتا ہے۔ کل مصیبۃ بعدک جلل (آپؐ کو بخیریت دیکھ لینے کے بعد ہر مصیبت گوارا ہے) صحابۂ کرامؓ کے آنحضرتؐ سے انتہائی محبت کی اس سے

اعلیٰ مثال اور کیا ہوگی جو ایک دشمن اسلام کی زبان سے بیان ہوئی ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود نے قریش کو مخاطب کر کے کہا تھا:

یا معشر قریش واللہ إنی ما رأیت ملکا فی قوم قط مثل محمد فی أصحابہ ولقد رأیت ما یصنع بہ أصحابہ لا یتوضأ إلا ابتدروا وضوءہ ولا یبصق بصاقا إلا ابتدروہ ولا یسقط من شعرہ شیٔ إلا أخذوہ۔ (سیرت ابن ہشام)

اے قریش کے لوگو! خدا کی قسم میں نے محمد کی طرح کبھی کسی قوم کے بادشاہ کو نہیں دیکھا ہے میں نے ان کے ساتھ ان کے اصحاب کا معاملہ دیکھا ہے۔ وہ وضو کرتے ہیں تو لوگ ان کے مستعمل پانی کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔ وہ تھوکتے ہیں تو وہ ان کا تھوک حاصل کرنے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔ وہ ان کے ایک بال کو بھی گرنے نہیں دیتے اور اسے حاصل کر لیتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت کی وجہ :

جو شخص بھی جاہلیت اور اسلام دونوں کا موازنہ کرے گا وہ بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ صحابہ کرامؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ قلبی تعلق کیوں تھا؟ "جاہلیت" —— جس کا نام سنتے ہی ہماری آنکھوں کے سامنے وحشت وبربریت، ظلم وستم، جنگ وجدال، لوٹ مار وخون ریزی، باہمی عداوت ودشمنی اور اس سے بڑھ کر ضلالت وگمراہی کی بھیانک تصویریں آجاتی ہیں —— کے گھٹاٹوپ ماحول سے نکال کر انھیں امن وامان، عدل وانصاف، اخوت ومحبت، اور ہدایت وحق کی طرف لانے والی ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تو تھی جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ قرآن کریم اس احسان کا بصراحت ذکر کرتا ہے :

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔
(آل عمران ـ ۱۰۳)

اپنے اوپر ہونے والے خدا کے احسان کو یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔ تم ایک آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے اس نے تم کو اس سے نجات دی۔

## رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا طبعی تقاضہ:

صحابۂ کرامؓ کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت، عشق اور قلبی تعلق کا طبعی تقاضہ تھا کہ آپؐ سے آپؐ کی تعلیمات اور خدا کے احکام حاصل کرنے پھر اسے اپنی زندگیوں پر جاری وساری کرنے میں پوری کوشش صرف کردیں جنھوں نے ان کو ضلالت وجہالت کی تاریکی سے نکال کر نورِ حق کی شاہراہ پر لا کھڑا کردیا تھا اور ایک غیر مہذب اور وحشی نظام زندگی سے نجات دلا کر ایک صالح، پاکیزہ اور مہذب نظام حیات عطا کیا تھا۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ کو قرآن و حدیث حاصل کرنے اور حضور اکرمؐ کے اسوہ کو اپنی زندگیوں پر منطبق کرنے کا غایت درجہ شوق تھا، چنانچہ وہ ہر اس عمل کی طرف دوڑ پڑتے تھے جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھتے تھے اور ان اعمال سے فوراً اجتناب کر لیتے تھے جنھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار آنحضرتؐ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تو صحابۂ کرامؓ نے بھی بنوالی پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینک دیا اور فرمایا اب کبھی نہیں پہنوں گا چنانچہ تمام صحابہؓ نے بھی پھینک دی (بخاری) اسی طرح ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ نماز ہی میں اپنے جوتے نکال دیے

تمام صحابہ نے آپ کی نقل کرتے ہوئے اپنے اپنے جوتے نکال دیے۔ نماز کے بعد آپ نے صحابہ سے پوچھا کہ تم لوگوں نے جوتے کیوں نکال دیے تھے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھے بتلایا تھا کہ میرے جوتے میں گندگی لگی ہوئی ہے (کتاب الشفا ابن عبدالبر) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل کی اتباع کرتے تھے حتی کہ ایک بار حج کرنے جا رہے تھے راستے میں اونٹ سے اتر کر ایک جگہ بیٹھ گئے پھر اٹھ گئے۔ لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ ایک بار میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپؐ نے یہیں بیٹھ کر استنجا فرمایا تھا۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال وافعال کی اتباع کرتے ہوئے دیکھتے تو انھیں پاگل سمجھتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ایک بار جمعہ کی نماز پڑھنے جا رہے تھے ابھی دروازے ہی تک پہنچے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ میں فرماتے سنا "اجلسوا" فوراً وہیں بیٹھ گئے۔ رسول اکرمؐ نے دیکھا تو بلا لیا۔ ان روحانی عوامل وبواعث کے ساتھ ساتھ کچھ اور عوامل تھے جو صحابہ کرامؓ کے قرآن وحدیث کے شوق حصول میں کارفرما تھے۔

## صحابہ کرام کے تحصیل قرآن وحدیث کے عوامل:

۱۔ ان کے سامنے قرآن کریم اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم حاصل کرنے کی بہت سی فضیلتیں بیان کی تھیں اور علماء اور غیر علماء کے درمیان بہت بڑا فرق بتلایا تھا مثلاً:

| | |
|---|---|
| اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر۔ ۲۸) | خدا سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ڈرتے ہیں۔ |
| هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ | صاحب علم اور غیر ذی علم بھلا برابر |

وَيَعْلَمُونَ۔ (الزمر-۹)

ہو سکتے ہیں!

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (مجادلہ-۱۱)

خدا مومنوں اور اصحاب علم کے درجات بڑھاتا ہے۔

فَقِيْهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بڑھ کر ہے۔

فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم (ترمذی)

عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے میری فضیلت ایک ادنیٰ امتی پر ہے۔

من سلك طريقا يلتمس فيه علما سهل الله له طريقا الى الجنة (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

جو شخص علم کے راستے میں چلے گا اللہ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمائے گا۔

العلماء ورثة الانبياء۔

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

ان الملائكة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضا بما يصنع۔ (ابوداؤد، ترمذی)

فرشتے طالب علم کے لئے اس کے عمل سے خوش ہو کر پر بچھاتے ہیں۔

۲۔ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و عمل اور ہر نمونہ کو اختیار کریں اور اپنی زندگیوں پر جاری و ساری اور نافذ کریں،

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (حشر-۷)

رسول نے تمھیں جس چیز کا حکم دیا ہے اس پر عمل کرو اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے رک جاؤ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (نساء-۶۴)

ہم رسول کو اسی لئے بھیجتے ہیں کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ـ ۳۱)

اے رسول کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

وَلَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب ـ ۲۱)

تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین اسوہ ہے۔

۳۔ ان پر صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کی اتباع ہی ضروری نہ تھی بلکہ مزید برآں یہ بھی فریضہ عائد تھا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنیں اور جو کچھ دیکھیں اسے دوسروں تک پہنچائیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران ـ ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (آل عمران ـ ۱۰۴)

تم میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہو جو خیر کی طرف دعوت دے نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ دراصل ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاها ثم اداها کما سمع (صحاح)

اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاداں و فرحاں رکھے جس نے میری بات سنی پھر اسے یاد رکھا پھر جس طرح سنا تھا اسی طرح دوسروں تک پہنچا دیا۔

ترکت فیکم شیئین لن تضلوا

میں نے تم لوگوں میں دو چیزیں چھوڑی

بعدھا کتاب اللہ وسنتی ولن یتفرقا۔
(صحاح)

ہیں ان کو پکڑنے کے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے بکتاب اللہ اور میری سنت ، بشرطیکہ دونوں جدا نہ ہوں۔

ألا فلیبلغ الشاھد الغائب فرب مبلغ أوعی من سامع۔
(صحاح)

سن لو موجود شخص غائب کو سب کچھ بتلادے بسا اوقات پہنچایا جانے والا شخص سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے۔

تسمعون ویسمع منکم ویسمع من الذین یسمعون منکم۔
(ابوداؤد۔ مستدرک)

اس وقت تم لوگ سن رہے ہو پھر تم سے سنا جائے گا پھر تم سے سننے والوں سے سنا جائے گا۔

۴۔ انھیں جو کچھ معلوم تھا اسے چھپانا اور غلط بیانی سے کام لینا سخت جرم اور گناہ سمجھتے تھے اور اس سلسلہ میں قرآن کریم نے اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد تنبیہات اور وعیدیں بیان فرمائی تھیں :

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ
(البقرہ ۱۵۹)

جو لوگ ہماری نازل کردہ کھلی نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جبکہ ہم نے انھیں لوگوں کے لئے کتاب میں واضح کردیا ہے ان لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی۔

من سئل عن علم ثم کتمہ ، ألجم یوم القیامۃ بلجام من النار۔
(ابوداؤد، ترمذی)

اگر کسی سے کچھ پوچھا جائے اور وہ اس کو چھپائے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام لگائی جائے گی۔

من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔

جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

(حدیث متواتر)

## صحابہ کرامؓ کا حدیث میں غایت درجہ اشتیاق :

ان عوامل و اسباب کی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے اور آپؐ سے قرآن و حدیث کی تعلیمات و احکام حاصل کرنے کا بے انتہا شوق پایا جاتا تھا۔ صحابہ کرامؓ اپنی معاشی اور دیگر مصروفیتوں کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں میں زیادہ سے زیادہ شریک ہونے کی کوشش کرتے۔ ان میں ایک جماعت ایسی تھی جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی "ملازمت" اختیار کر لی تھی اور سفر و حضر، ..... گھر بازار، ہر وقت اور ہر جگہ آپؐ کے ساتھ رہتی تھی اور جس کا کام ہی یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر قرآن و حدیث حاصل کرے اور دوسروں تک پہنچائے۔ اس مقدس و مبارک جماعت کو ہم "اصحاب صُفّہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس جماعت کے سرخیل حضرت ابوہریرہؓ اس پر فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

إنكم تزعمون ان أبا هريرة يكثر الأحاديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، والله ..... كنت رجلا مسكينا أصحب رسول الله صلى الله عليه على ملأ بطني وكان المهاجرون يشغلهم الصفق بالأسواق وكانت الأنصار تشغلهم القيام على أموالهم۔ (مسلم ج ۲)

تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ ابوہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت احادیث روایت کرتا ہے۔ خدا کی قسم میں غریب آدمی تھا۔ قوت لایموت کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتا تھا جبکہ مہاجرین تجارت میں مشغول تھے اور انصار اپنے اموال کی حفاظت میں لگے رہتے تھے۔

اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت آیا جایا کرتے تھے حتیٰ کہ صحابہؓ یہ سمجھنے لگے تھے کہ وہ بھی اہل بیت میں سے ہیں (داری) ان سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ تم ہر وقت میرے گھر میں داخل ہو سکتے ہو اور کھلے چھپے سے باخبر ہو سکتے ہو۔

جو صحابہؓ معاشی مشاغل کی وجہ سے روزانہ حاضر نہ ہو سکتے تھے انھوں نے آپس میں باری مقرر کر لی تھی چنانچہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا وہ واپس جا کر اپنے ساتھی کو پورے دن کی خبریں پہنچاتا۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں :

كنت أنا وجار لي من الأنصار من بني أمية بن زيد — وهي من عوالي المدينة — وكنا نتناوب النزول على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ ينزل يوما وأنزل يوما فإذا نزلت جئته بخبر ذلك اليوم من وحي وغيره وإذا نزل فعل مثل ذلك۔

میں اور میرا ایک پڑوسی جو قبیلہ بنی امیہ بن زید میں سے تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں باری باری آیا جایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ آتا ایک دن میں۔ جس دن میں آتا اس دن کی تمام خبریں وحی اور اس کے علاوہ دیگر چیزیں سب اس کو بتلا دیتا تھا اور جس دن وہ آتا وہ بھی ایسا ہی کرتا۔

(بخاری کتاب العلم)

جو صحابہ بہت دور رہتے تھے وہ وقتاً فوقتاً اپنے وفود اور نمائندوں کو بارگاہ رسالت میں بھیجتے تھے تاکہ آپؐ کے پاس چند دن ٹھہر کر اسلامی احکام اور تعلیمات حاصل کریں اور پھر واپس اپنی قوم میں جا کر تعلیم و ارشاد کی خدمت انجام دیں۔ حضرت مالک بن الحویرثؓ فرماتے ہیں :

أتينا النبي صلى الله عليه وسلم ونحن
شببة متقاربون فأقمنا عنده عشرين
ليلة فظن أنا اشتقنا أهلنا
وسألنا عمن تركنا في أهلنا
فأخبرناه وكان رفيقًا رحيمًا
قال ارجعوا إلى أهليكم
فعلموهم ومروهم۔
(صحیح بخاری)

ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوئے۔ ہم لوگ ادھیڑ عمر اور
ایک ہی عمر کے تھے ہم آپؐ کی خدمت میں
بیس دن رہے حتی کہ آپؐ گمان کرنے
لگے کہ ہم اپنے اہل وعیال کے مشتاق ہوگئے
ہیں لہذا آپؐ نے ہم سے ان کے بارے
میں پوچھا ہم نے آپؐ کو بتلایا۔ آپؐ کا برتاؤ
ہمارے ساتھ بہت ہی رحمت ومرافت کا
تھا۔ پھر فرمایا اپنے اہل وعیال کی طرف
واپس جاؤ انھیں تعلیم دو اور نیکیوں
کا حکم دو۔

اسی طرح اگر کوئی صحابی دور رہتا ہوتا اور اسے کوئی اہم واقعہ پیش آ جاتا یا کوئی مشکل ہوتا تو وہ فوراً مدینہ طیبہ روانہ ہو جاتا اور طویل مسافت طے کرکے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اس واقعہ میں حکم الٰہی دریافت کرتا۔ حضرت عقبہ بن الحارث کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک عورت نے انھیں بتلایا کہ اس نے ان کو اور ان کی بیوی دونوں کو دودھ پلایا ہے سو وہ فوراً مدینہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرلے پھر بعد میں معلوم ہو کہ وہ اس کی رضاعی بہن ہے تو اس کا کیا حکم ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیف وقد قیل (اب کیسے ہو سکتا ہے جبکہ کہا جا چکا) چنانچہ انھوں نے فوراً اس بیوی کو چھوڑ کر دوسری شادی کرلی۔

اسی طرح جو صحابہ کسی سریہ میں چلے جاتے یا کسی وجہ سے پیچھے رہ جاتے وہ

واپس آکر دوسرے صحابہؓ سے تمام احادیث معلوم کرلیا کرتے تھے۔ حضرت براءؓ بن عازب فرماتے ہیں:

ما کل الحدیث سمعناہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یحدثنا أصحابنا وکنا مشتغلین فی رعایۃ الإبل واصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانوا یطلبون ما یفوتہ سماعہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیسمعونہ من اقرانہم۔

(معرفۃ علوم الحدیث)

تمام احادیث ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی ہیں ہم سے صحابہ حدیث بیان کرتے تھے اور ہم اونٹ چرانے میں مشغول رہتے تھے۔ اصحاب رسول اگر کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سُن پاتے تھے تو اپنے رفقاء سے حاصل کرلیتے تھے۔

حضرات صحابہؓ کا معمول تھا کہ جو احادیث وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سنتے تھے وہاں سے اٹھنے کے بعد آپس میں مذاکرہ کرلیتے تھے تاکہ اگر کسی کو ٹھیک سے یاد نہ ہوئی ہو تو پختہ ہو جائے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

کنا نکون عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنسمع منہ الحدیث فاذا قمنا تذاکرنا فیما بیننا حتی تحفظہ۔

(الجامع لاخلاق الراوی والسامع)

ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے تھے تو آپؐ سے احادیث سنتے تھے پھر جب آپؐ کے پاس سے اٹھتے تھے تو مذاکرہ کرلیتے تھے یہاں تک کہ انھیں یاد کرلیتے۔

صحابۂ کرامؓ کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تحصیل حدیث کے غایت درجہ

اشتیاق کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان سے کوئی ایسا بھی سوال کرتے جس کا جواب پوری طرح واضح ہوتا پھر بھی وہ جواب دینے کے بجائے صرف اللہ ورسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے) کہہ دیا کرتے تھے کیونکہ وہ سوچتے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ذریعے کوئی نئی حکمت عملی بتلانا چاہتے ہوں، احادیث کے ایک بڑے ذخیرہ میں ہم یہ شئی دیکھتے ہیں حجۃ الوداع کے مشہور خطبے میں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا کہ یہ کون سا دن ہے؟ یہ کون سا مہینہ ہے؟ یہ کون سا شہر ہے؟ ہر سوال کے جواب میں صحابہ فرماتے اللہ ورسولہ اعلم پھر خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرماتے کیا یہ یوم عرفہ نہیں ہے؟ کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟ کیا یہ بلد حرام نہیں ہے؟ پھر آپؐ نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| إن دماءكم وأموالكم حرام عليكم إلى أن تلقوا ربكم كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا في بلدكم هذا۔ (بخاری) | تمہارا خون اور تمہارے اموال تم پر قیامت تک حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی حرمت اس مہینہ کی حرمت اور اس شہر کی حرمت ہے۔ |

اسی طرح حدیث جبرئیل میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے پوچھا أتدري من السائل (جانتے ہو یہ پوچھنے والے کون تھے؟) انھوں نے عرض کیا اللہ ورسولہ أعلم۔ فرمایا: انہ جبرئیل أتاكم يعلمكم دينكم (یہ جبرئیل تھے جو تم لوگوں کو دین کی باتیں سکھلانے آئے تھے) (متفق علیہ)

## صحابہ کرامؓ کا قوی حافظہ:

تحصیل حدیث کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کا اس درجہ اشتیاق انھیں احادیث کے حفظ و اتقان پر اکساتا تھا اور وہ احادیث کو یاد کر کے محفوظ کرنے میں پوری

صرف صرف کرتے تھے۔ پھر یہ کہ صحابہ بلکہ عرب کی اکثریت جاہل اور ان پڑھ تھی۔ محض پڑھنا نہ جانتے تھے۔ ان کی تاریخ کا پورا دارومدار ان کے حافظہ پر تھا۔ اللہ نے انہیں حافظہ کا انتہائی قوی ملکہ عطا فرمایا تھا حتیٰ کہ روایتوں میں آتا ہے کہ وہ اپنے جانوروں تک کی پشتہا پشت کی نسلوں سے واقفیت رکھتے تھے۔

حافظہ پر پورا اعتماد ہونے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کی اکثر تعداد احادیث کو حفظ کرتی تھی۔ ابتدار اسلام میں احادیث کی عدم کتابت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ایسا کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا اور یہ کند ذہنی اور غباوت کی علامت تھی۔

## حدیث کے تحمل و ادا میں صحابہؓ کے مراتب:

چنانچہ حدیث کے تحمل و ادا میں تمام صحابہ کرامؓ برابر نہیں تھے بلکہ ان میں مراتب تھے۔ بعض صحابہ بڑھے ہوئے تھے بعض کچھ کم تھے۔ اس لئے کہ:

۱۔ بعض صحابہ ہر وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے مگر بعض دیگر مصروفیات، کی وجہ سے کم حاضر ہو پاتے تھے اور جو صحابہ دور رہتے تھے ان کو اس کا موقع کم ہی نصیب ہوتا تھا۔

۲۔ صحابہ کرامؓ کی اکثر تعداد احادیث کو زبانی یاد کرتی تھی اور لکھنے کا رواج نہ تھا مگر چند صحابہ احادیث کو ضبط تحریر میں لاتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے سب سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں مجھ سے زیادہ صرف عبداللہ بن عمروؓ کی روایات ہیں اور وہ صرف اس وجہ سے کہ وہ لکھتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا۔ (بخاری کتاب العلم)

۳۔ بعض صحابہ فطری استعداد فہم کی وجہ سے فقہ حدیث میں بڑھے ہوئے تھے چنانچہ وہ ناسخ و منسوخ، عام و خاص، مطلق و مقید اور مجمل و مفسر وغیرہ سے بخوبی واقف تھے مگر بعض فہم حدیث میں اس درجہ کے نہیں تھے، چنانچہ وہ

ر ایک بار حضرت عمر بن الخطابؓ نے صحابہ کی ایک مجلس میں سوال کیا کہ سورۂ نصر کا شانِ نزول کیا ہے؟ کوئی صحابی صحیح نہیں بتلا پایا۔ حضرت ابن عباسؓ تے — جو اس وقت بھی کم سن تھے — بتلایا کہ هو أجل رسول الله صلى الله عليه وسلم أعلمه له، قال إذا جاء نصر الله والفتح فذلك علامة أجلك فسبح بحمد ربك إلخ (بخاری کتاب التفسیر) (اس سے مراد رسول اللہؐ کی وفات کی خبر ہے جو انھیں تبلائی گئی ہے یعنی جب خدا کی مدد اور فتح آجائے تو وہ تمھاری وفات کی علامت ہے لہٰذا خدا کی تسبیح بیان کرو الخ)

## رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی مجالس:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابۂ کرامؓ کو ہر وقت تعلیم و تربیت اور وعظ و نصیحت سے نوازتے تھے۔ آپؐ کی حیثیت ایک معلم و مربی کی سی تھی آپؐ کی زندگی کا ہر پہلو دعوت و تربیت سے معمور تھا۔ آپؐ ہر وقت اور ہر جگہ تعلیم و تربیت میں مشغول ہوتے۔ آپؐ کے لئے کوئی جگہ یا کوئی وقت مخصوص نہ تھا آپؐ جنگ میں ہوتے تو وہاں بھی معلم و واعظ ہوتے اور لوگوں میں اپنے وعظ سے جوش و ولولہ پیدا کرتے اگر سفر میں ہوتے تو وہاں بھی مرشد و ہادی ہوتے۔ گھر میں اہل و عیال کے ساتھ ہوتے تو انھیں بھی تعلیم دیتے۔ بازار جاتے تو وہاں لوگ روک کر مسئلہ پوچھ لیا کرتے اور مسجد نبوی میں ہوتے تو وہاں بھی لوگوں کو وعظ و نصیحت سے نوازتے۔

البتہ یہ بات ضرور تھی کہ آپؐ کی اکثر مجلسیں مسجد نبوی ہی میں ہوتی تھیں، جہاں صحابہ نماز کے اوقات میں جمع ہوتے اور آپؐ انھیں درس و تعلیم دیتے تھے اوقات نماز کے علاوہ بھی جب کوئی اہم معاملہ ہوتا تو آپؐ لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیتے اور ان کے سامنے تقریر فرماتے۔ ایک بار سورج گرہن

ہوا۔ اسی دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم کا انتقال ہوا تھا۔ لوگ کہنے لگے کہ پیغمبر کے بیٹے کی وفات کے سوگ میں سورج گرہن ہوا ہے۔ آپ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے لوگوں کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

| | |
|---|---|
| إن الشمس والقمر لا ینکسفان لموت أحد ولا لحیاته ولکنهما آیتان من آیات الله۔ | سورج اور چاند میں کسی کی موت وحیات سے گہن نہیں پڑتا بلکہ وہ دونوں خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ |

(ابوداؤد)

اسی طرح حضرت بریرہؓ کو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ بیچتے وقت ان کے آقا نے یہ شرط لگائی کہ حق ولایت ہمارا ہی ہوگا۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا الولاء لمن اعتق (حق ولاء تو آزاد کرنے والے ہی کا ہوگا) اس کے بعد آپؐ مسجد تشریف لے گئے اور صحابہ کو جمع کر کے تقریر کی اور فرمایا:

| | |
|---|---|
| ما بال رجال یقول أحدهم اعتق یا فلان والولاء لی وإنما الولاء لمن اعتق۔ | ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جن میں کا آدمی کہتا ہے کہ اے فلاں تم آزاد کر دو مگر حق ولاء ہمارا ہی ہوگا جبکہ ولاء کا حق آزاد کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے۔ |

(ابوداؤد)

## رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کے چند مخصوص طریقے:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حکیم معلم ومربی تھے اس لئے آپؐ صحابہ کرامؓ کو قرآن وحدیث کی تعلیمات دیتے وقت متعدد چیزوں کا خاص طور پر لحاظ رکھتے تھے تاکہ تعلیم وتربیت کا مثبت اور محکم اثر ہو اور صحابہ اس سے پورا فائدہ اٹھائیں۔

۱۔ آپ جب کوئی اہم بات بتلاتے تو اس کا تین بار اعادہ فرماتے تاکہ لوگ ٹھیک سے سمجھ لیں اور اس کو اہم سمجھیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے خطبہ دیا جس میں اصول دین بتلائے پھر تین مرتبہ فرمایا: ھل بلغت (کیا میں نے پورا دین پہنچا دیا ہے) ایک بار آپؐ نے خطبہ دیتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا: التقوی ھھنا ہر بار آپؐ اپنے سینے کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔

۲۔ آپ صحابہ کی نگرانی بھی کرتے تھے تاکہ وہ احادیث کو صحیح صحیح اسی طرح یاد کریں جس طرح آپؐ بتلاتے تھے چنانچہ ایک بار آپؐ نے ایک صحابی کو سونے کی دعا بتلائی پھر پوچھا کہ اچھا میں نے کیا کہا؟ اسے دہراؤ صحابی نے آخری فقرہ "آمنت بکتابك الذی أنزلت و نبیك الذی أرسلت" میں نبیك کے بجائے رسولك کہہ دیا آپؐ نے فرمایا کہ میں نے یہ نہیں کہا۔ وہی کہو جو میں نے کہا تھا۔ (ترمذی) یہی وجہ تھی کہ آپؐ ایک کلمہ کا تین بار اعادہ فرماتے تھے۔

۳۔ کبھی آپؐ خود ہی صحابہ سے سوال فرما دیتے تھے تاکہ ان کے اذہان کی تشحیذ و تصقیل کر سکیں۔ چنانچہ ایک بار صحابہ سے ایک مجلس میں آپؐ نے فرمایا کہ مومن کی مثال اس درخت کی سی تھی جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے۔ پھر صحابۂ کرامؓ سے پوچھا کہ بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ صحابہ کے ذہن میں طرح طرح کے درختوں کے نام آئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں اپنی صغرسنی کی وجہ سے نہ کہہ سکا پھر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ ہی بتلائیے۔ آپؐ نے فرمایا: ھی النخلۃ (وہ کھجور کا درخت ہے)۔

۴۔ آپ سے کوئی سوال کیا جاتا آپؐ اس کا جواب بھی دے دیتے پھر اگر اس سے متعلق کوئی اور بات ہوتی یا موقع و محل کے مطابق کوئی شئے قابل ذکر ہوتی تو اس کا بھی ذکر کر دیتے تاکہ سائل اور حاضرین کو نئی بات بھی معلوم ہو جائے مثلاً

ایک دفعہ ایک صحابی آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سمندر کا سفر بہت کرتے ہیں۔ وہاں ما رخالص نہیں ملتا اگر اپنے پاس کے پانی سے وضو کریں تو پئیں کیا پھر کیا سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں۔ آپؐ نے جواب دیا:
ھو الطھور ماؤہ والحل میتتہ (اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے)
یعنی پانی کی طہوریت کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتلادیا کہ اس کا مردار (یعنی مچھلی) بھی حلال ہے۔

۵۔ آپ صحابہ کرامؓ کو اتنا زیادہ وعظ ونصیحت نہیں کرتے تھے کہ وہ اکتا جائیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جب ان کے شاگردوں نے عرض کیا کہ وہ روزانہ درس دیں تو انھوں نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| إنما نتخولکم بالموعظۃ کما کان رسول اللہ یتخولنا کراھۃ السامۃ علینا۔ | ہم تمھیں اسی طرح وعظ ونصیحت دیں گے جس طرح ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وقفہ وقفہ سے وعظ ونصیحت کرتے تھے اکتاہٹ کے خوف سے۔ |

۶۔ آپؐ بعض باتیں صرف مخصوص صحابہ کرامؓ کو بتلاتے تھے اس خوف سے کہ دوسرے اس کا غلط مطلب سمجھ کر فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مجھ سے فرمایا اے معاذ کوئی بھی شخص اگر دل سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ پڑھ لے تو اس پر اللہ تعالیٰ دوزخ حرام کر دیتا ہے انھوں نے عرض کیا کہ کیا میں لوگوں کو یہ نہ بتلادوں تاکہ وہ خوش ہوجائیں آپؐ نے فرمایا لا تبشرھم فیتکلوا (صحیح) (ان کو اس کی بشارت نہ دو کیونکہ وہ لوگ اسی پر بھروسہ کرلیں گے) اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ اعلان

کرنے کے لئے بھیجا کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ جو بھی لا الٰہ الا اللہ کہہ دے وہ جنت میں داخل ہوگا) راستے میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ ملے حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث انھیں سنائی وہ انھیں واپس لوٹا لائے اور آپ سے عرض کیا کہ ایسا مت کیجئے کیونکہ لوگ اسی پر بھروسہ کرلیں گے ان کو عمل کرنے کے لئے چھوڑ دیجئے آپ نے فرمایا فخلّھم (مسلم) (چھوڑ رہنے دو)۔

---

# معذرت

ماہنامہ برہان دہلی افسوس کہ ان دو ماہ میں وقت پر شائع ہوکر آپ تک نہیں پہونچ سکا۔ اس سے شرمندگی سمجھیں یا پریشان کن حالات کی سرگردگی تصور فرمائیں۔ ازراہ کرم آپ حضرات کسی قسم کی غلط فہمیوں کا شکار نہ بنیں بلکہ یہ جو میں لکھ رہا ہوں، وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ دعا فرمائیں کہ رسالہ برہان اپنی مقررہ تاریخوں پر جلد از جلد بحال ہو۔ مجھے امید ہے کہ ماہ نومبر سے اپنے ان ہی خوشگوار ماحول میں اس کی اشاعت ہوتی رہے گی اور مجھے آپ سے مزید تعاون کی بھی درخواست کا حق ہے۔

عمید الرحمٰن عثمانی

# امام ابوزرعہ رازیؒ

(آسیر ادروی، ادری اعظم گڈھ)

**کتاب الصحابہ** معرفۃ صحابہ میں ابوزرعہ کا علم بڑا وسیع تھا، صحابہ کی عظمت وفضیلت اور مقام و مرتبہ کے سلسلہ میں وہ بہت ہی متشدد تھے اور ان حضرات کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی آپ کے لیے ناقابل برداشت تھی، ایک بار ان سے کہا گیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف چار ہزار حدیثیں صحیح ہیں، بقیہ سب غلط اور بے بنیاد ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ کس نے یہ بات کہی ہے؟ خدا کرے اس کے دانت ٹوٹ جائیں یہ کسی زندیق اور بد دین ہی کا قول ہو سکتا ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ

هذا قول الزنادقة، ومن يحصي حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم عن مائة ألف وأربعة عشر ألفا من الصحابة ممن روى عنه وسمع منه قيل يا أبا زرعة هؤلاء أين كانوا؟ وسمعوا منه؟

یہ زندیقوں کا قول ہے، کون ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی متعین تعداد بتا سکتا ہے؟ حضور جب اس دنیا سے تشریف لے گئے اس وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ کرامؓ موجود تھے جنھوں نے حضورؐ سے روایت کی اور آپؐ سے سنا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ لوگ کہاں تھے؟

قال اهل المدینة واهل مکة ومن بینهما الاعراب ومن شهد معه حجة الوداع [۱]

تو انھوں نے فرمایا کہ وہ مدینہ میں تھے مکہ میں تھے دیہاتوں اور گاؤں میں تھے اور وہ لوگ تھے جو حجۃ الوداع میں آپؐ کے ساتھ شریک حج تھے۔

صحابۂ کرامؓ پر تنقید وجرح کرنے والوں پر زندیقیت کا فتویٰ خود خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور انھوں نے سندِ متصل سے ابوزرعہ کے اس فتویٰ کو نقل کیا ہے خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ ابوزرعہ نے فرمایا کہ:

اذا رأیت الرجل ینتقص احداً من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فاعلم انه زندیق وذلك ان الرسول حق والقرآن حق وما جاء به حق وانما ادی الینا ذلك كله الصحابة وهؤلاء یریدون ان یجرحوا شهودنا لیبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم اولی وهم زنادقة [۲]

جب کسی شخص کو دیکھو کہ وہ کسی صحابیٔ رسولؐ کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ بددین ہے اس لیے کہ رسول، قرآن برحق ہیں جو حضورؐ لے کر آئے وہ بھی برحق ہے اور یہ سب باتیں ہم تک صحابہؓ نے پہونچائیں، یہ لوگ ہمارے گواہوں کو مجروح کرکے پورے دین کو بے اعتبار بنا دینا چاہتے ہیں۔ جرح کرنے والے خود جرح کے سزاوار ہیں اور یہ طے ہے کہ وہ بددین ہیں۔

کتاب الصحابہ ابوزرعہ کی ایک محققانہ کتاب ہے، کتاب میں صحابۂ کرامؓ کے مقام ومرتبہ کے علاوہ ان کی تعداد صحابی اور تابعی میں اشتباہات کو بڑی دیدہ وری اور تحقیق سے دور کیا گیا ہے ابن حجرؒ نے اپنی مشہور کتاب "الاصابہ" میں ابوزرعہ کی رائے

---

[۱] التقیید والایضاح شرح مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۰۵ —

[۲] الکفایہ للخطیب ص ۹۷ الاصابہ لابن حجر ج ۱ ص ۱۱ —

[illegible]

کو طور سے اور دلیل کے پیش کیا ہے، مثلاً مسلم بن الحارث التمیمی کے متعلق [illegible]

قال البخاری وابو حاتم وابو زرعة الرازی والترمذی وابن قانع وغیر واحد ان مسلم بن الحارث هو صحابی[1]

امام بخاری، ابو حاتم، ابو زرعہ رازی اور ترمذی، اور ابن قانع اور بہت سے لوگوں نے تصریح کی ہے کہ مسلم بن الحارث صحابی ہیں۔

ابو زرعہ رازی صحابہ کے حالات، ان کی شخصیتوں کی معرفت، تعیین و تشخیص میں بڑی دقتِ نظر سے کام لیتے ہیں، حتی الامکان کسی تابعی کو صحابی اور کسی صحابی کو تابعی قرار دیے جانے کے احتمالات کو ختم کر دیتے ہیں، الاصابہ وغیرہ میں جو ابو زرعہ کے اقوال ملتے ہیں مثلاً کسی کے بارے میں کہتے ہیں لیس له صحبة[2] یا کہیں له صحبة قديمة[3] یا لاادری وهو صحابی فی الصحابة یا بعض شخصیتوں کے متعلق هو من التابعین ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحابہ کی شناخت میں بڑی دقتِ نظر سے کام لیتے ہیں، اور ایک قطعی حکم لگاتے ہیں، مثلاً ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری نے اُمِّ خالد کو تابعیات میں شمار کر دیا ہے[4]، اُمِّ خالد کے بارے میں ابن ابی حاتم نے لکھا ہے:

سمعت ابا زرعة يقول اُمّ خالد بنت خالد بن سعيد بن العاص الاكبر اسمها امة صح لها عن النبی صلی اللہ

ام خالد بنت خالد بن سعید بن العاص الاکبر کا نام امتہ ہے، انھوں نے حضورؐ سے کئی حدیثیں روایت کی ہیں، یعنی ان کا

---

۱؎:۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۲۵۔

۲؎:۔ الاصابہ ج ۲ ص ۶۰۔

۳؎:۔ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ص ۵۴۔

۴؎:۔ معرفۃ علوم الحدیث مطبوعہ حیدرآباد ص ۵۷۔

لیہ وسلم صحابیت ث صحابیہ ہونا یقینی ہے ۔

اس کتاب کا مکمل نسخہ ابھی تک دنیا کے کسی کتب خانے میں دریافت نہیں ہو سکا ہے، دوسری کتابوں میں حوالوں کی وجہ سے اس کتاب کو ابو زرعہ کی تصانیف میں شمار کیا گیا ہے ۔

**کتاب اسماء الضعفاء** محدثین نے عام طور پر راویان حدیث کے حالات جمع کیے اور بلا امتیاز ثقہ و ضعیف ہر طرح کے راویوں کا ذکر کیا، لیکن اسی دور میں بہت سے محدثین نے ضعیف راویوں پر مستقل کتابیں بھی لکھیں جن کو کتاب الضعفاء کہا جاتا ہے، جن میں صرف ضعیف یا مجروح راویوں کا ہی ذکر کیا گیا ہے، ابو زرعہ نے بھی ایک کتاب الضعفاء لکھی ہے جس میں انھوں نے ان راویوں کے بارے میں اپنی تحقیقی رائے کا اظہار کیا ہے اس کتاب میں ۳۸۴ راویوں کا ذکر ہے اس کتاب کا مخطوطہ دریافت کر لیا گیا ہے اور طبع ہو کر عام ہو چکا ہے ۔

**اجوبۃ ابی زرعۃ علی اسئلۃ البرذعی** (فی الضعفاء) اور اجوبۃ ابی زرعۃ علی اسئلۃ البرذعی (فی الثقات) یہ دو مستقل کتابیں ہیں، برذعی ابو زرعہ کے مخصوص شاگرد ہیں، ان کا نام ابو عثمان سعید بن عمرو البرذعی ہے، انھوں نے ثقہ اور ضعیف راویوں کے سلسلہ میں اپنے شیخ ابو زرعہ سے بہت سے سوالات کیے، ابو زرعہ نے ان کے تحقیقی جواب دیے ہیں، انھیں جوابات کو دونوں کتابوں میں یکجا کر دیا گیا ہے ۔

ابو زرعہ اپنے طویل ترین علمی اسفار کی وجہ سے راویوں کے بارے میں ذاتی طور پر صحیح واقفیت رکھتے ہیں، اس لیے کسی راوی کے بارے میں ان کی رائے ایک خاص

---

حاشیہ ۱ ۔ الجرح والتعدیل ج ۴ ص ۲۶۴ ۔

وزن رکھتی ہے، ضعیف راویوں میں ۳۸۴ راویوں کا ذکر آیا ہے جن کے بارے میں ابوزرعہ کی رائے اجتہاد اور تجربات و مشاہدات کی بنیاد پر ہے۔

اسی طرح ثقہ و ضعیف راویوں کے بارے میں ابوزرعہ کی یہ دونوں کتابیں قدیم ترین ماخذ ہیں اور ذاتی واقفیت و اطلاع اور مستند معلومات کی بنیاد پر ان کی رائے میں وزن ہے، ان دونوں کتابوں کی دریافت سے فن جرح و تعدیل کے ایک امام کی رائے کا اس فن میں اضافہ ہے، کیونکہ ان میں سے بہت سے راویوں کا ذکر جرح و تعدیل کی کتابوں میں پایا جاتا ہے لیکن وہاں ابوزرعہ کی رائے کا اظہار نہیں کیا گیا ہے، ان کتابوں کے ذریعہ ہم ان کے متعلق ابوزرعہ کی رائے معلوم کر سکتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے ایسے راوی ہیں جن کے بارے میں جرح و تعدیل کی کتابوں میں تراجم نہیں پائے جاتے ہیں، ان راویوں کا ذکر اور ان کے بارے میں ایک تحقیقی رائے ان کتابوں میں مل جاتی ہے۔ اسی طرح متداول کتابوں میں ابوزرعہ کی جو رائے نقل کی گئی ہے ان میں کہیں کہیں خلاف واقعہ رائیں نقل کر دی گئی ہیں، ان کتابوں سے اس راوی کے بارے میں ابوزرعہ کی حقیقی اور اصل رائے کا پتہ چلتا ہے مثلاً عبدالرحمان بن حماد الشعیثی کے بارے میں متداول کتابوں میں ابوزرعہ کی رائے "لا باس بہ" کے لفظ سے ظاہر کی گئی ہے لیکن برذعی نے ان کا قول "شیخ لیس بذاک" نقل کیا ہے، اسی طرح عبداللہ بن قانع الصائغ کے بارے میں عام کتابوں میں ان کی رائے "لا باس بہ" لکھی جاتی ہے جبکہ برذعی بتاتے ہیں کہ ابوزرعہ کی رائے ان کے بارے میں "منکر الحدیث" ہے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ابوزرعہ کی یہ دونوں کتابیں اسماء الرجال میں ایک خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

**التفسیر** حافظ شمس الدین محمد بن علی داؤدی (متوفی ۹۴۵ھ) نے ایک کتاب طبقات المفسرین لکھی ہے۔ اس میں ابن عبد ربہ کا تذکرہ ...

مفسرین میں شمار کرایا گیا ہے، ان کی تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تفسیر مستند مفسرین قرآن تابعین و تبع تابعین کے اقوال کی روشنی میں مرتب کی ہے، آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں انھوں نے صرف انہی روایتوں کو لیا ہے جن کی صحت معلوم ہے چاہے وہ مرفوع روایتیں ہوں یا صحابہؓ یا تابعین یا تبع تابعین کے اقوال ہوں اور بطور خاص اس کا اہتمام کیا ہے کہ تفسیروں میں جو ضعیف اور اسرائیلی روایتوں کا انبار لگا دیا گیا ہے ان سے مکمل اجتناب کریں۔

ابوزرعہ کی تفسیر کے وجود کا اب تک علم نہ ہو سکا ہے، البتہ ابن ابی حاتم کی تفسیر کے بعض اجزا قاہرہ کے دارالکتب اور ظاہریہ میں یا مکتبہ محمودیہ مدینہ طیبہ یا جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں پائے جاتے ہیں ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابن ابی حاتم کی تفسیر کا بڑا حصہ ابوزرعہ کی تفسیروں پر مشتمل ہے، اگر ابن ابی حاتم کی تفسیر کے یہ اجزا نہ ہوتے تو شاید ہم کو ابوزرعہ کی تفسیر کا پتہ بھی نہیں چلتا۔

## کتاب الجرح والتعدیل

ابوزرعہ کی تصانیف میں کتاب الجرح والتعدیل بھی شامل ہے، ابوزرعہ کی کتاب سے پہلے امام بخاریؒ کی "التاریخ الکبیر" اہل علم اور محدثین میں عام ہو چکی تھی، اسی لیے ابوزرعہ کی اس کتاب پر اعتراض کیا گیا: یہ کتاب امام بخاریؒ کی کتاب کی نقل ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ اسماء الرجال کے فن میں تصنیف کرنے والا کوئی مصنف امام بخاری کی کتاب سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ چالیس ہزار افراد پر اظہار رائے میں ہر رائے کو حرف آخر نہیں قرار دیا جا سکتا، حالات، تجربات، مشاہدات اور معلومات کے لحاظ سے اتنے طویل و عریض میدان میں کہیں نہ کہیں خطا ہو بھی سکتا ہے، اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے صاحب نظر کو کسی خاص راوی کے

بارے میں خصوصی اور قطعی معلومات حاصل ہو جائیں تو امام بخاری کی رائے سے وہ اختلاف کر سکتا ہے اور اسے اس کا حق بھی ہے۔

ابوزرعہ کی کتاب کی بھی یہی حیثیت ہے، ابوزرعہ اور ابن ابی حاتم دونوں محدثین کے سامنے امام بخاری کی "التاریخ الکبیر" موجود تھی، ایک ایک راوی کے حالات ان حضرات کے سامنے پیش کیے گئے جہاں جہاں ضرورت محسوس کی گئی وہاں اضافہ کیا گیا، جہاں خلاف واقعہ بات تھی اور ان حضرات کے علم میں حقیقت دوسری تھی وہاں اس کا اظہار کر دیا گیا، اس طرح ابوزرعہ کی کتاب امام بخاری کی کتاب کی روشنی میں ترتیب ضرور دی گئی لیکن اس میں ابوزرعہ نے اپنی خصوصی رائے کا اظہار کر کے کتاب کی اہمیت کو بڑھا دیا اس لیے بخاری کی کتاب کے ساتھ ابوزرعہ کی کتاب کا اپنا ایک الگ مقام ہے۔

# الواح الصنادید

از جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب - شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور

برعظیم پاک وہند کے نامور عالم دین اور دانشور شاہ محمد جعفر پھلواروی مرحوم ومغفور گلشن اقبال کراچی کے قبرستان میں محوِ خواب ابدی ہیں۔ ان کا ذکر پہلے بھی الواح الصنادید کے ضمن میں آچکا ہے لیکن اُس وقت ان کی قبر پر کتبہ نصب نہیں تھا۔ اب اُن کے لواحقین نے ان کی قبر پر کتبہ لگوا دیا ہے جس پر یہ عبارت کندہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی

ابن

حضرت مولانا شاہ محمد سلیمان قادری چشتی پھلواروی

تاریخ وفات ۶؍ جمادی الآخر ۱۴۰۲ھ

مطابق ۳۱؍ مارچ ۱۹۸۲ء

اسی قبرستان میں نالہ پار حضرت نواب احمد قادری چشتی نقشبندی ابوالعلائی

کی درگاہ ہے۔ ان کے مزار کے سرہانے کی جانب ڈاکٹر اشتیاق احمد قریشی مرحوم اور جانب مشرق اندازاً پچیس میٹر کے فاصلے پر ڈپٹی نذیر احمد کے پوتے اور بشیر الدین صاحب "واقعات دار الحکومت دہلی" کے فرزند شاہد احمد دہلوی کی قبر ہے۔ شاہد احمد کی قبر بڑی تلاش اور محنت کے بعد ملی ہے۔ ان کے لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے:

هو الکل

انا للہ و انا الیہ راجعون

شاہد احمد دہلوی

تاریخ وفات

۲۷ رمئی ۱۹۶۷ء مطابق

۱۷ رصفر المظفر ۱۳۸۷ھ

بعمر ۶۱ سال

اسی قبرستان میں شفیق بریلوی کی قبر سے اندازاً پندرہ میٹر جانب شمال مغرب تحریک آزادی کے ایک نامور مجاہد محمد یٰسین علی خاں کی قبر ہے۔ ان کی قبر پر جو کتبہ نصب ہے اس پر یہ عبارت مرقوم ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجاہد تحریک آزادی

محمد یٰسین علی خاں مرحوم ملیح آبادی

ولد مقصود علی خاں مرحوم ایمن زئی

تاریخ ولادت: ۱۰ راگست ۱۸۹۶ء

تاریخ وفات: ۶ رنومبر ۱۹۷۷ء

کراچی میں شاہراہ قائدین اور طارق روڈ کے اتصال پر جو قبرستان ہے، وہ سوسائٹی کا قبرستان ہے۔ اس قبرستان کے وسط میں پہاڑی کے دامن میں مشہور شاعر اور تاریخ گو عبدالحفیظ سلیم کی آخری آرام گاہ ہے۔ مرحوم علمی اور ادبی حلقوں میں حفیظ ہوشیارپوری کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کے لوحِ مزار پر یہ عبارت منقوش ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

حفیظ ہوشیارپوری

پیدائش : ۵ر جنوری ۱۹۱۲ء

وفات : ۱۰ر جنوری ۱۹۷۳ء

سوئیں گے حشر تک کہ سبکدوش ہو گئے

بارِ امانتِ غمِ ہستی اُتار کے

حفیظ

قبرستان سوسائٹی میں ایک بلند ٹیلے پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کے صحن میں چوہدری محمد علی سابق وزیراعظم پاکستان اور حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ دفن ہیں، ان کی قبروں کے سرہانے، مسجد کی حدود سے باہر، مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کے والد بزرگوار مولانا ظہور الحق مغفور کی قبر ہے۔ اُن کے لوحِ مزار پر یہ عبارت مرقوم ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا ظہور الحق رحمۃ اللہ علیہ

وفات شب دوشنبہ ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۷۴ھ بعمر ۸۶ سال

وزیر الحق غمین شد از وفات والد ماجد
ہم ارشاد و عماد و اعتماد و احتشام الحق
بزرگے زندہ دل بود بہ علم و اتقا یکتا
علومش جملہ مستحضر دلش در شوق مستغرق
گہے نطق بلیغش منبر و محراب را زینت
گہے طبع لطیفش محفل ارباب را رونق
بہ فیض اشرف علی از ہمہ ماں اشرف
ز صدق حضرت صدیق طبعاً صادق و اصدق
نہ ریزد ہیچ برگے جز بہ حکم خالقِ عالم
نہ میرد ہیچ کس الّا بہ امرِ قادرِ مطلق
اسدؔ گر چار سال دیگر اورا زندگی بودے
شدے تاریخ رحلت اسم "مولانا ظہور الحق"

۱۳۷۸

اسد ملتانی

(۱۳۷۸ میں سے اگر ۴ تعزلیق کر دیئے جائیں تو باقی ۱۳۷۴ بچتے ہیں اور یہی ان کا سال وفات ہے)۔

اسی قبرستان میں مشہور مورّخ اور دانشور احمد عبداللہ بھی محو خواب ابدی ہیں۔ ان کی قبر پر جو کتبہ نصب ہے اس پر یہ عبارت کندہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ربنا اٰمنا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الراحمین

سینئر صحافی دانشور مؤرخ اور مصنف

احمد عبد اللہ

ولد شیخ غلام رسول

تاریخ پیدائش: جمعہ ۵ راگست ۱۹۲۱ء

تاریخ وفات: شب جمعہ ۲۹ ر ستمبر ۱۹۸۳ء

اسی قبرستان میں نواب معشوق یار جنگ مرحوم کے صاحبزادے محمود حسین خاں کی بھی قبر ہے۔ گو انھوں نے اپنے والد بزرگوار جیسی شہرت نہیں پائی، تاہم ان کی قبر کا کتبہ قابل توجہ ہے۔ ان کے لوح مزار پر یہ عبارت مرقوم ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

محمود حسین خان ایڈوکیٹ

فرزند

نواب معشوق یار جنگ مرحوم

تاریخ وفات: ۷ رذی الحجہ ۱۳۹۴ھ

مطابق ۲۲ ر دسمبر ۱۹۷۴ء

اسی گورستان میں حفیظ ہوشیارپوری کی قبر سے اندازاً بیس میٹر جانب جنوب مشہور مفسر اور عالم دین سید طفیل حسن رضوی محوخواب ابدی ہیں۔ ان کے لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے:

۷۸۶

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ابو النظر حکیم سید طفیل حسن رضوی امروہوی

مفکر قرآن

تاریخ پیدائش : ۱۷ر ستمبر ۱۹۰۰ء امروہہ

تاریخ وفات : ۸ر اپریل ۱۹۵۲ء کراچی

انا للہ وانا الیہ راجعون

اسی قبرستان کے شمال مشرقی گوشے میں ایک چھتری کے نیچے ہندوستان کے مشہور فلمی اداکار چارلی کی قبر ہے۔ چارلی اپنے دور میں مزاحیہ اداکاری کے لئے مشہور تھا۔ اس کے لوح مزار پر یہ عبارت منقوش ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الحاج نور محمد چارلی

ولد حاجی علی محمد

تاریخ پیدائش : ۷ر جنوری ۱۹۱۱ء

تاریخ وفات ۱۸ر رمضان ۱۴۰۳ھ

مطابق ۳۰ر جون ۱۹۸۳ء

بروز جمعرات

قبرستان سوسائٹی میں شعیب قریشی مرحوم کی آخری آرام گاہ کے سرہانے ایک کمرے میں درگاہ حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتیؒ کے سجادہ نشین شاہ عبدالرشید کی قبر ہے۔ ان کے مزار کے کتبے پر یہ عبارت درج ہے :

۷۸۶

مولانا حافظ قاری شاہ عبدالرشید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سجادہ نشین آستانۂ عالیہ شاہ بوعلی قلندرؒ پانی پتی

رفت از جہاں سوئے جناں ماوائے ما ملجائے ما
یعنی جناب مرشد و مولائے ما عبدالرشید
سجادہ و اولاد حضرت بوعلی پانی پتی
درویش کامل صاحب لطف وعطا عبدالرشید
از ہر ادائے دلبری شان قلندر آشکار
حسن و جمال بوعلی را آئینہ عبدالرشید
اے عازم حج و زیارت بر تو از ما صد سلام
قربانِ راہ مصطفیٰ صد مرحبا عبدالرشید
تا حشر روح پاک تو در کعبہ شد وقف طواف
بخشید ایں رتبہ ترا رب العلا عبدالرشید
اکرم لنا یا مرشدی اَدرِک لنا یا سیّدی
بالمرحمۃ للّٰہ اُنظُر حالنا عَبدالرَشید
بنوشت تاریخ وفاتش عارف اندوہگیں
ملجائے عالم معدن صدق وصفا عبدالرشید
۱۳۸۱ھ

نثار احمد فاروقی خیرآبادی

۱۹؍ذی قعدہ ۱۳۸۲ ہجری
مطابق ۲۴؍اپریل ۱۹۶۲ عیسوی

شاہ عبدالرشید کے مزار سے پندرہ میٹر جانب شمال مشرق سید عبدالوحید ابن سید عبدالاحد دہلوی مالک مطبع مجتبائی کی قبر ہے۔ ان کے سنگ مزار پر یہ عبارت منقوش ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر

سید عبدالوحید

خلف

خان بہادر سید عبدالاحد مالک مطبع مجتبائی دہلی

تاریخ پیدائش ۲۱ر فروری ۱۹۰۶ء

تاریخ وفات ۴ر اکتوبر ۱۹۶۳ء

بروز جمعہ

شاہ عبدالرشید کی قبر سے اندازاً تیس میٹر جانب شمال ایک بارہ دری کے نیچے مشہور صحافی سردار علی صابری محو خواب ابدی ہیں۔ ان کے لوح مزار پہ یہ عبارت کندہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ

فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

العشق ھو اللہ

حق حق حق

یہاں تحریک پاکستان کے سرفروش مجاہد برصغیر کے بیباک صحافی

اور سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے صاحب اجازت بزرگ

حضرت سردار علی صابری رحمۃ اللہ علیہ

خلف

شیخ المشائخ شاہ محمد شہزاد علی خاں المعروف [illegible]

آرام فرماہیں۔ صاحب مرقد کانپور میں ۲۱ فروری ۱۹۰۱ء کو پیدا ہوئے اور کراچی میں ۲۹ مارچ ۱۹۸۴ء مطابق ۲۵ جمادی الثانی ۱۴۰۴ھ کو جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب میں واصل بحق ہوئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

وہ صابریہ چشتیہ مسلک کا پرستار ... اس کو تو فقط مرضیٔ مولیٰ ہی تھی درکار
اعزاز بھی حاصل تھا اسے ابن علی کا ... اور اس کا وظیفہ تھا سدا نادعلی کا

لوح مزار کی پشت کی جانب یہ عبارت منقوش ہے:

پیکر محبت

باباسردار علی صابری رحمتہ اللہ علیہ

ولادت کانپور
۲۱ فروری ۱۹۰۱ء
شام ۵ بجکر ۵۴ منٹ

وفات کراچی
۲۹ مارچ ۱۹۸۴ء
جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب

قطعہ تاریخ وفات

علم و صحافت ادب و معرفت ... دولت سردار علی صابری
صفحۂ تاریخ پر تحریر ہے ... خدمت سردار علی صابری
عزم مسلسل کی ہے اک داستاں ... عظمت سردار علی صابری
جلوہ گہ رحمت غفار ہے ... تربت سردار علی صابری
گوشۂ تربت سے عیاں ہے رئیسؔ ... صولت سردار علی صابری

۱۴۰۴ھ

رئیس امروہوی

## تاریخ لوح مزار
## چراغِ روشن گہر

۱۹۸۵ء

ارشد صابری

خطاطی
محمد یامین دہلوی
(مرصع رقم)

تدفین ۲۳ر مارچ ۱۹۸۴ء
بعد نماز جمعہ

رہے نام اللہ کا

کراچی کے نئے قبرستانوں میں سخی حسن کا قبرستان بہت بڑا قبرستان ہے۔ ناتھ ناظم آباد، نیو کراچی اور فیڈرل بی ایریا سے زیادہ تر میتیں یہیں تدفین کے لئے لائی جاتی ہیں۔ اسی قبرستان میں قاری احمد پیلی بھیتی کی قبر ہے۔ ان کے لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے:

یا اللہ      یا محمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھو الحی القیوم ابداً ابداً ذوالجلال والاکرام برحمتک استغیث

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی

ولد

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد ولد مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ

نواسہ

شاہ عبدالکریم خلیفۂ اعظم حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

تاریخ وفات

۱۳ر جمادی الاول ۱۳۹۲ھ مطابق

۱۲ر مئی ۱۹۷۲ء بروز جمعہ

عمر ۶۵ سال

قبرستان سخی حسن کے شمال مغربی حصے میں لب سڑک بنگال کے نامور سیاسی رہنما اور تحریک آزادی میں صف اول کے مجاہد راغب احسن کی قبر ہے۔ ان کی قبر کچی ہے لیکن اس کے سرہانے ایک پتھر نصب ہے جس پر یہ عبارت مرقوم ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

علامہ راغب احسن

ولد

ریاض الدین احمد

تاریخ ولادت ۱۹۰۵ء

تاریخ وفات ۲۷ر نومبر ۱۹۷۵ء

ہمارے فاضل دوست محمد فرید الحق صاحب ایڈووکیٹ نے علامہ اقبال کے راغب احسن کے نام خطوط کا مجموعہ "اقبال جہان دگر" کے عنوان سے چھاپ دیا ہے۔ ان خطوط کی اشاعت نے سیاسی حلقوں میں تہلکہ مچادیا ہے۔

قبرستان سخی حسن کے وسط میں مشہور ماہر تعلیم اور دانشور سید مظفر الدین ندوی کی قبر ہے۔ ان کے لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسلامیات کے ماہر استاذ ادیب اسعد الشعور

جناب پروفیسر سید مظفر الدین ندوی

ولد

مولوی سید عبداللہ مرحوم

تاریخ وفات

۱۸ر رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ

مطابق ۱۸ر جون ۱۹۸۴ء

انا للہ وانا الیہ راجعون

قبرستان میوہ شاہ کراچی کا سب سے بڑا قبرستان ہے۔ اس قبرستان میں سب سے نمایاں مزار بابا ذہین شاہ تاجی کا ہے۔ ان کے مزار کا گنبد میلوں سے نظر آتا ہے۔ بابا صاحب بڑے اچھے شاعر تھے اور کراچی کے بڑے بڑے ادیب اور ماہرین تعلیم آن سے بیعت تھے۔ آن کی قبر کے سرہانے دیوار پر یہ عبارت درج ہے:

بابا ذہین شاہ کہ تھے تاجدار فقر
ان کو ارم نشین و ولایت نشاں لکھو
سال وفات تاج ولایت ذہین شاہ
بابا ذہین شاہ بزرگِ زماں لکھو

۱۳۹۸ھ

عارف وحق آگاہ مولانا محمد طاسین الفردوسی بابا ذہین شاہ تاجی

تاریخ وصال ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ
مطابق ۲۷ جولائی ۱۹۷۸ء

بابا ذہین شاہ اپنے مرشد بابا عبدالکریم یوسف شاہ کے پہلو میں محو استراحت ہیں۔ بابا یوسف شاہ کے مزار کے سرہانے دیوار پر یہ عبارت کندہ ہے:

اللہ غفار احد
۱۳۶۶ھ

تربت مقرب ایزد
۱۳۶۶ھ

صاحب کرامت چشمۂ نور چراغ کعبۂ اجلال
۱۳۶۶ھ ۱۳۶۶ھ

نور دربار چشت
۱۳۶۶ھ

تاج شہ بہشت سعادت دوجہاں پیر و مرشد
۱۳۶۶ھ ۱۳۶۶ھ

حق آگاہ مولانا عبدالکریم المعروف (بہ) سید محمد بابا یوسف شاہ تاجی

تاریخ وصال پاک بابا یکم ذی الحجہ (کذا) سنہ تیرہ سو چھیاسٹھ
۱۳۶۶ ۱۹۴۸ء

بابا عبدالکریم یوسف شاہ ناگپور کے مشہور بزرگ بابا تاج الدینؒ کے مرید اور مجاز تھے۔ ان کے خلیفہ بابا ذہین شاہ سے پاکستان میں اس سلسلے کی داغ بیل پڑی۔ بابا ذہین شاہ "تاج الاولیاء" کے عنوان سے ایک اردو ماہنامہ

اور THE TAJ کے نام سے ایک انگریزی مجلّہ شائع کیا کرتے تھے۔ ان دونوں کا موضوع تصوف تھا۔

بابا ذہین شاہ کے مزار کے عقب میں ایک احاطۂ قبور کے اندر مشہور سیاست داں چوہدری خلیق الزماں کی قبر ہے۔ انھوں نے شاہراہ پاکستان کے عنوان سے تحریک آزادی کی دستاویز تیار کی تھی۔ اصل کتاب انگریزی زبان میں تھی، پھر انھوں نے اسے اردو کا جامہ پہنایا۔ چوہدری صاحب کے لوحِ مزار پر یہ عبارت منقوش ہے:

۷۸۶

قطعہ تاریخ وفات

محسن قوم و ملت

چودھری خلیق الزماں مرحوم و مغفور

پیدائش چنار ۲۵ر دسمبر ۱۸۸۹ء

وفات کراچی ۱۸ر مئی ۱۹۷۳ء

رفت خلیق الزماں جانبِ قصرِ جناں
مومن ملّت نواز محسن اسلامیاں
ہمدم دیرینۂ قائد و بابائے قوم
عاقل و دانائے راز مرجعِ دانشوراں
مصرع تاریخ گفت ہاتف راغب نواز
قبر خلیق الزماں جنتِ نام آوراں

۱۹۷۳ء

راغب مرادآبادی

# اورنگ زیب کے عہد میں مغل امرا

مصنف : ڈاکٹر محمد اطہر علی

تبصرہ نگار : عبدالرؤف خاں ایم اے (اودی کلاں راجستھان)

اورنگ زیب کی عظمت وشوکت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس اولوالعزم شہنشاہ پر اب تک جتنا لکھا گیا ہے شاید ہی کسی سمراٹ، سلطان یا کسی دیگر مغل حکمران پر لکھا گیا ہو۔ ڈاکٹر محمد اطہر علی کا تحقیقی مقالہ 'THE MUGHAL NOBILITY UNDER AURANGZEB' بھی اسی سلسلہ کی طلائی کڑی ہے۔ جسے موصوف نے ۱۹۶۱ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پیش کرکے ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ یہ گرانقدر مقالہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر ۱۹۶۶ء میں منظرِ عام پر آیا۔ مقالہ کی افادیت کے پیش نظر ترقی اردو بیورو وزارتِ تعلیم حکومت ہند نے بہ اشتراک انڈین کاؤنسل آف ہسٹاریکل ریسرچ، اسے "اورنگ زیب کے عہد میں مغل امرا" کے نام سے جناب امین الدین صاحب سے اردو میں ترجمہ کروایا اور جنوری۔ مارچ ۱۹۸۵ء میں شائع کیا۔ اصل مقالہ سے، سرجدوناتھ سرکار اور دوسرے مؤرخین کے، اورنگ زیب پر عائد کردہ الزامات کی تردید ہوجاتی ہے۔ بہ ایں سبب اسے قومی اتحاد و ہم آہنگی

کے تناظر میں اردو میں منتقل کرنا یقیناً قابلِ ستائش کام تھا۔ لیکن اصل معروضہ وقیع اور بلند پایہ نیز منطق و تحقیق سے ترجمہ اس معیار کو نہ پہونچ سکا۔ چنانچہ تاریخ کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے کارپردازانِ ترقی اردو بیورو کی توجہ ترجمہ کے سلسلہ میں چند امور کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو درجِ ذیل ہیں:

متذکرہ بالا تصنیف میں بعض تاریخی مصطلحات، کتابیات اور مقامات و رجال کے ناموں کا املاء بیشتر صفحات پر غلط ثبت ہوا ہے۔ ممکن ہے ایسا کاتب کی کم سوادی کے سبب ہوا ہو۔ بہرحال ص ۲۴۰ پر اورنگ زیب کے میر عسکر عاقل خاں رازی کو دو دفعہ "عاقل خاں راضی" تحریر فرمایا ہے۔ یہ وہی عاقل خاں رازی ہے جس نے شہزادہ اورنگ زیب کو، جبکہ اس کی طبیعت اپنی پرستارِ خاص زین آبادی کو عالم شباب میں انتقال کر جانے کے سبب، نہایت مضمحل اور نڈھال تھی۔ فی البدیہہ حسب ذیل شعر ؎

عشق چہ آساں نمود آہ چہ دشوار بود
ہجر چہ دشوار بود یار چہ آساں گرفت

سنا کر شہزادہ کی مصاحبتِ خاص حاصل کر لی تھی۔ فنِ موسیقی کی مشہور کتاب راگ درپن کے مصنف اور معروف شاعر ناصر علی سرہندی کے ممدوح امیر فقیر اللہ سیف خاں بن تربیت خاں کو ص ۲۵ پر اور ایک دوسرے امیر سیف خاں بن سیف الدین محمود" کو ص ۳۵۵ نیز لفظ "سیف" کو دیگر صفحات پر کم از کم تیرہ دفعہ "صیف خاں" لکھا ہے۔ ممکن ہے فاضل مترجم کے نزدیک مذکورہ دونوں امراء کی عمر گرانمایہ صیف و شتا (موسم گرما و سرما) میں خورش و پوشش کی احتیاج ہی میں صرف ہوئی ہو ؎

عمرِ گرانمایہ دریں صرف شد تا چہ خورم صیف و چہ پوشم شتا

عوض وجیہ عہد شاہجہانی میں مفتی لشکر اور دور عالمگیری میں محتسب عسکر مقرر کیے گئے تھے۔ ملا مرحوم جیسا متورع محتسب شاید ہی کوئی دوسرا ہوا ہو۔ ترتیب فتاوی الہندیہ المعروف بہ فتاوی عالمگیریہ میں بھی آپ کا شمار ہے۔ بہرکیف ان باتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے، زیر نظر تصنیف کے ص ۱۳۶ نیز ۲۸۹ پر ہمیں "عوض" اور "وجیہ" "عیوض" اور "وجیح" لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ عیوض یائے مجہول اور وجیح حائے حطی سے نہیں لکھنا چاہئے۔

اکبر آباد کا قلعہ دار 'رعد انداز خاں' جو ستنامیوں کی شورش کو فرد کرنے کے صلہ میں شجاعت خاں کہلایا، اورنگ زیب کا نہایت معتمد منصب دار تھا۔ چنانچہ شیواجی کو پہلے انہی کی تحویل میں نظر بند کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ خیر فاضل مترجم کو "رعد انداز خاں" کے بارے میں یہ باتیں مستحضر نہ بھی ہوں تو کوئی فرق واقع نہیں ہوتا؛ لیکن 'انداز' جو انداختن مصدر سے مشتق ہے اور رعد کے سابقہ کے ساتھ 'برق انداز' کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور اسی ترکیب پر 'تیر انداز' وغیرہ بنتے ہیں۔ اسی رعد انداز کو ص ۰۷ ۱۴ نیز ۲۳۲ پر 'رعد انداز' اتمام فرمایا ہے۔ گویا شجاعت خاں کی تمام رعد اندازی بیک جنبش قلم مسترد کر دی گئی۔ رعد انداز خاں چونکہ اکبر آباد کا قلعہ دار تھا چنانچہ اس تاریخی شہر کی مناسبت سے یہاں یہ عرض کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ اسے ص ۲۴۷ پر قوسین میں آگرہ آباد تحریر فرمایا ہے۔ اگر اسی خوبصورت ترکیب پر ہمارے ملک کے چند دیگر شہروں کو قیاس کر لیا جائے تو پھر شاہجہان آباد "دہلی آباد" اور عظیم آباد "پٹنہ آباد" کہلائے گا۔ بہر حال "آگرہ" اور "اکبر آباد" الفاظ کا یہ حسین امتزاج پہلی دفعہ نظر سے گزرا۔ تاریخ سے معمولی شغف رکھنے والا طالب علم شائستہ خاں کی قد آور شخصیت سے واقف اور اردو زبان کا مبتدی بھی اس لفظ کے املا سے آگاہ ہے لیکن ہماری نگاہ کتاب کے ص ۱۸۷ پر سائستہ خاں، اور ص ۲۰۵ پر

شائستہ خاں" سے دوچار ہوتی ہے۔ ممکن ہے یہ تصحیف ہو۔

شہزادہ عالیجاہ دارا شکوہ کو ص ۴۳ پر "دارہ شکوہ" اور ان کے فرزند سلیمان شکوہ کو صـ۲۳۳ پر "سلمان شکوہ"، نیز دارا کے استاذِ محترم شیخ میرک ہروی کو صـ۲۴۰ پر "ہاروی" بنادیا ہے۔ وقائع دکن کے مصنف نعمت خان عالی کا شمار عالمگیری عہد کے ممتاز شعراء میں بھی ہوتا ہے۔ یہ محاصرۂ قلعۂ گولکنڈہ میں جو آٹھ ماہ تک مسلسل جاری رہا تھا، از اول تا آخر شریک تھے۔ فاضل مترجم نے ان کی مذکورہ بالا تاریخی تصنیف کو صـ۲۴۱ پر "واقعات" اور موصوف کے نام کو "نعمت خانِ علی" یا "نعمت خاں علی" تحریر فرمایا ہے۔ اورنگ زیب کے درجۂ اول کے منصب دار اور میر بخشی عزیز اللہ بہرہ مند خاں کو ص ۱۷۳، نیز دیگر صفحات پر مکرر سہ کرر "بہرامند خاں" بنادیا ہے۔ شکر ہے کہ اسے "گراں گوش خاں" نہیں لکھا کیونکہ بہرا اُس شخص کو کہتے ہیں جسے اونچا سنائی دے۔ ورنہ سب جانتے ہیں کہ ؎

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے جلیل القدر خلیفہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے کون واقف نہیں؟ فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی اور تمام تر فیروز مندیاں آپ ہی کی دعاؤں اور توجہات کی رہینِ منت تھیں۔ مترجم موصوف نے انہی بزرگوارِ محترم کا اسم گرامی "ناصر الدین" (ص ۲۴۷) رقم فرمایا ہے۔ دیگر بہت سے امراء کے نام بھی صحیح طور پر ضبطِ تحریر میں نہیں آسکے ہیں مثلاً: مکرمت خاں ص ۲۷۳ کے علاوہ دوسری دو جگہ "مکرمات خاں" بایزید ص ۱۰۶ پر "بانیزید" ایزد بخش ص ۱۳۸ پر "ایذد بخش" یزدی ص ۲۶۴ پر "یذدی"، ہزبر خاں ص ۲۸۰ پر "ہذبر خاں" علی مردان ص ۱۰۷ پر "علی مرادن" شمس الدین خویشگی

کو ص ۲۶۵ نیز دیگر صفحات پر کم از کم آٹھ دفعہ "شمس الدین خویشگی" مرزا لہراسپ کو ص ۲۶۲ پر "لہراست" معتمد خاں کو ص ۲۶۳ پر "مفتقار خاں" اور ص ۲۹۶ پر "معتمز خاں" قباد خاں میر آخور کو ص ۲۷۵ پر "میر آخر" کر دیا ہے "میر آخور" داروغۂ اصطبل یا سردارِ طویلہ کو کہتے تھے جو ایک اہم عہدہ تھا۔ اسی طرح فیروز کو جا بجا "فروز" فدائی خاں کو دو دفعہ فدائی خاں اور کیقباد کو ص ۵۶ پر "قیکباد" ارقام فرمایا ہے اور نوبت بہ ایں جا رسید کہ رشید خاں کو ص ۲۲۴ پر "رسید خاں" ممکن ہے خانِ موصوف آمد و خرچ کی رسیدات کے "داروغہ" رہے ہوں۔ صاحبِ رقعاتِ حسن یعنی سید ابوالحسن (۱۶۶۶ء) کو ص ۲۲۴ پر سید "عبدالحسن" لکھا ہے۔ مترجم موصوف نے عالم اسلام کے مستند ترین عالم دین حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کا اسم گرامی تو ضرور پڑھا اور سنا ہوگا۔ اس مناسبت سے ہی اسے درست لکھا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے مشاہیر بھی اس نام کے ہو گذرے ہیں نیز ابوالحسن اور عبدالحسن کے معنیٰ میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ خیر آج کل اردو سے ناواقف لوگ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کو بھی "عبدالکلام" ہی بولنے لگے ہیں۔ فی الحقیقت تاریخ کی کتابوں کے مترجمین کو بقول محترم پروفیسر محمد اسلم صاحب، پنجاب یونیورسٹی لاہور "رجال و اماکن کا علم ہونا بھی ضروری ہے اور جب تک مترجم تاریخ سے واقف نہ ہو اُس وقت تک وہ اس کام کو ہاتھ نہ لگائے" (ماہنامہ برہان دہلی۔ فروری ۱۹۸۱ء) رجال و شخصیات کا حال قارئین نے ملاحظہ فرمالیا۔ اب ایک نظر امصار و مقامات پر بھی ڈال لی جائے۔

اورنگ زیب کے قابل ترین کماندار مرزا راجہ جے سنگھ کچھواہہ اور شیواجی کے مابین ۱۶۶۵ء میں بمقام پُرندر، مشہور صلح ہوئی تھی جس کے بعد ہی شیواجی مغل دربار میں آ کر حاضر ہوا تھا۔ پُرندر کی اس صلح سے بچہ بچہ واقف ہے لیکن اس مقام کا

نام ص ۲۰۰ پر "پہلادھر" اور ص ۲۰۵ پر "پورن دھر" لکھا ہوا ملتا ہے جس سے [illegible] ہوتا ہے کہ یہ کسی مقام کا نام نہ ہو کر فرد کا نام ہے۔ برادران وطن میں بہت سے لوگوں کے نام "پورن دھر" ہیں۔ شہنشاہ اورنگ زیب اور شجاع کے درمیان [illegible] میں کھجوا کے میدان میں شدید جنگ واقع ہوئی تھی۔ اسے کاتب کی نوکِ قلم نے "کچھوا" یعنی سنگِ پشت بنا دیا ہے (ص ۱۸۲)۔ کھجوا کی مناسبت سے بطور جملہ معترضہ یہاں یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اسی جنگ میں جودھپور کے راجہ جسونت سنگھ نے، جسے اورنگ زیب نے یمین کی کمان سپرد کی تھی، لڑائی سے ایک رات قبل شجاع سے ساز باز کر لی مگر شہنشاہ نے اُس کی اس غداری پر عفو و تحمل کا ثبوت دیتے ہوئے کوئی باز پرس نہ کی البتہ چونکہ جے سنگھ کی وساطت سے اورنگ زیب اس کی گذشتہ تقصیرات کو معاف کر چکا تھا چنانچہ اُس کی اِس سازش اور غداری کے سلسلہ میں جے سنگھ کو جو کچھ لکھا اس کا ایک قابلِ توجہ (Remarkable) فقرہ یہ ہے: "انچہ او کرد شاید ہیچ کم ذات یا سپاہیئے نہ کند چہ جائے راجپوت از خانوادۂ کلاں"۔ قزوین مضافاتِ ایران میں ایک شہر کا نام ہے یہاں کے باشندے کو ازروئے صفتِ نسبتی قزوینی کہا جاتا ہے مگر یہ لفظ ص ۱۳۲ کے حاشیہ ۳ پر "قفنونی" لکھا ہوا ہے غالباً یہ پادشاہ نامہ کے مصنف محمد امین معروف بہ امینا ئے قزوینی کے لئے بطور اختصار یہ تحریر فرمایا ہے۔ مغل عہد حکومت میں حصار فیروزہ کی جاگیر اسی شہزادہ کو تفویض ہوتی تھی جسے تخت و تاج کا وارث خیال کیا جاتا تھا گو یہ بات دیگر ہے کہ اس امر کا فیصلہ اکثر میدانِ جنگ ہی میں ہوتا تھا [illegible] کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ سے آج کل ہریانہ میں [illegible] "حصار" لکھا ہے۔ مغل تاریخ میں [illegible] کردار ست نمایاں رہا ہے [illegible]

صاحب سیف اقلم نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید بخاری جنھیں مجدد الف ثانیؒ "سیادت پناہ" کہکر مخاطب فرماتے تھے اور جنھوں نے جہانگیر کو تخت نشین کرنے میں نمایاں رول ادا کیا تھا یہ جہانگیر کے میر بخشی بھی تھے، نیز سید حسن علی خاں قطب الملک اور ان کے برادر خورد امیر الامرا سید حسین علی خاں فوجدار ہنڈون و بیانہ وغیرہ۔ یہ دونوں بھائی "سید برادران" یا "بادشاہ گر" کے نام سے بھی تاریخ میں معروف ہیں۔ بہرحال یہ لوگ سادات بارہہ اس لئے کہلاتے ہیں کہ ان کے اجداد کو یا تو بارہ گاؤں جاگیر میں عطا ہوئے تھے یا وہ بارہ بستیوں میں سکونت پذیر تھے۔ چنانچہ "بارہ" کثرت استعمال کے سبب "بارہہ" ہو گیا۔ سادات بارہہ سے اورنگ زیب بھی محتاط رہتا تھا۔ اسی بارہہ کو تقریباً بیس جگہ "بارہا" لکھا ہے جس کی ابتدا ص ۱۴۱ سے ہوتی ہے اور یہ سلسلہ ص ۴۴۳ تک جاری رہتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ "بارہا" کسی مقام سے منسوب نہ ہو کر محض تابع فعل ہے جو کئی بار، بہت دفعہ اور اکثر" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ٹھٹھ یا ٹھٹھو (سندھ) کے باشندہ کو ٹھٹھوی کہا جاتا ہے۔ لیکن فاضل مترجم نے عبد الرشید صاحب فرہنگ رشیدی کو ص ۴۴۶ پر "ٹاڈی" بنا دیا ہے۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل ٹھٹھ خاندان سومرہ کا دار الحکومت تھا اور جلال الدین محمد خوارزم شاہ نے چنگیز خاں سے شکست کھا کر سنہ ۶۲۰ھ میں اسی ٹھٹھ میں آکر مستقل قیام کیا تھا نیز ملک طغی جس نے سلطان محمد تغلق سے بغاوت کی تھی، یہیں کا حاکم تھا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فاضل معاصر مخدوم معین الدین بھی ٹھٹھوی ہی تھے۔

[illegible] "راجستھان کے انڈسٹریل شہر [illegible] کے شہر شولاپور کو ص ۳۲۰ پر "شعلہ پور" [illegible] واکن کیرا کو ص ۱۲۸ پر "واکن کیڑہ"

اور آرکان (آسام) کو ص۲۲۹ پر "آراکان" ارقام فرمایا ہے۔

صاحبِ مقالہ ڈاکٹر محمد اطہر علی صاحب نے جن تصانیف سے مراجعت فرمائی ہے فاضل تبصرہ نگار نے ان میں سے کئی تصنیفات اور ان کے مصنفین کے ناموں کا اندراج درست نہیں فرمایا۔ مثال کے طور پر موصوف ہی کے ہمنام محمد امین الدین خان عالمگیری کی مشہور تصنیف "معلومات الآفاق" کو جا بجا "معلومات الافاق" لکھا ہے اس کی شروعات ص۱۱۱ سے ہوتی ہے اور ایک دوسری تصنیف خلاصۃ السیاق کو متعدد صفحات پر "خلاصیۃ السیاق" اس کی ابتدا بھی ص۱۱۱ سے ہی ہوئی ہے۔ میر جملہ کے فتح آسام اور کوچ بہار کے حالات پر مشتمل تاریخی تصنیف "فتحیہ عبریہ" اور اس کے مؤلف شہاب الدین طالش سے کم از کم اورنگ زیب پر تحقیق کرنے والے ریسرچ اسکالر ضرور واقف ہیں لیکن زیرِ تبصرہ کتاب کے صفحہ ۳۴ پر مترجم موصوف نے طالش کو "تالش" اور اُن کی تصنیف کو "فتح عبریہ" تحریر فرمایا ہے۔ فتحیہ عبریہ کا اول حصہ تاریخ ملوک آسام کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ فاضل مترجم نے اسے "تاریخ ملوک آشام" بنا دیا ہے۔ دُند آشام، خون آشام وغیرہ تراکیب تو رائج ہیں مگر ملوک آشام کی نادر ترکیب پہلی دفعہ دیکھنے میں آئی۔ آشام، آشامیدن (پینا) کا حاصل مصدر ہے۔

ہفت گلشن محمد شاہی المعروف بہ تذکرۃ السلاطینِ چغتائی مؤلفہ محمد ہادی کامور خاں کافی مشہور تصنیف ہے جس میں تیموریہ خاندان کے ۱۷۲۵ء تک کے حالات ملتے ہیں۔ اسی معروف تاریخی تصنیف کو ص۱۱۱ پر "تذکرۃ السلاطینِ چغطہ" نیز ص۲۲۱ پر "تذکرۃ السلاطین چغتا" لکھا گیا ہے۔ اردو ادب کی مشہور و معروف ادیب محترمہ عصمت چغتائی کا نام آج کل اردو حلقوں میں نوکِ زبان ہے لیکن فاضل مترجم شاید انھیں درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ امام المتاخرین شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۷۶۲ء) کے سیاسی مکتوبات کو محترم المقام پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے مرتب فرمایا ہے۔

بس وقیع کتاب کو ص ۳۴۵ پر "سیاست مکتوبات" اور جناب لال رام صاحب کی تالیف "تحفۃ الہند" مطبوعہ ۱۱۴۸ھ کو ص ۲۴۹ پر "تحفت الہند" نیز انشائے زبدۃ العرائض کو ص ۲۴۴ پر "..... زبدۃ ....." تحریر کیا ہے۔ تاریخ فیروز شاہی مصنف ضیاء الدین برنی سے شاید ہی کوئی طالب علم ناواقف ہو لیکن اسے ص ۲۱۰ پر "تاریخ فروز شاہی"۔ کویرلج شیامل داس کے ہندی زبان میں لکھے گئے مشہور اتہاس "ویرونود" (بیرونود) کو ص ۱۲۷ پر "دریود نود" اور مسالک الابصار فی ممالک الامصار کو مضحکہ خیز حد تک "مثالک الاثار فی ممالک امثار" (ص ۶۵) تحریر فرمایا ہے۔ اسی طرح ص ۳۴۶ پر "پرچہ جات" (Purchas) کو "پرکاس" اور ص ۱۰۶ پر "پرکاش" (روشنی) لکھا ہے۔ اچھا ہوا کہ اسے "پرخاش" نہیں لکھا ص ۳۴۶ پر ہی "Purchas His Pilgrimes" کا ترجمہ "پرکاس کی سیاحت" کیا ہے جو نہایت معنی خیز ہے۔ اب تک چینی سیاح فاہیان و ہیوان شوانگ، عراقی سیاح سلیمان سیرافی عرف سلیمان سوداگر، ایرانی سیاح بزرگ بن شہریار اور مشہور سیاح ابنِ بطوطہ اور مارکو پولو وغیرہ کے ناموں سے تو راقم الحروف کسی قدر شناسا تھا لیکن "پرکاس کی سیاحت" فقرہ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ عہد اورنگ زیب میں "پرکاس" نام کا بھی کوئی سیاح ہو گذرا ہے۔ شاہ جہاں نامہ (عمل صالح) کے مصنف محمد صالح کنبو کو ص ۳۴۰ پر "کمبھو" بروزن "شمبھو" ثبت کیا ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ اردو ادب کی مشہور و معروف شخصیت مولانا امتیاز علی خاں عرشی رامپوری مرحوم کو ص ۳۴۳ پر "عرش" بنا دیا ہے۔ مولانائے مرحوم غالبیات کے تنا ور اساطین اربعہ میں سے ایک تھے۔ بقیہ تین بقول جناب دوارکا داس شعلہ، قاضی عبدالودود، ڈاکٹر مختار الدین احمد اور گرامی قدر مالک رام صاحب ہیں۔ دعا ہے کہ مؤخر الذکر بزرگ کو اللہ تعالیٰ اردو زبان و ادب کی خدمت کے لئے تادیر زندہ و سلامت رکھے۔ موصوف کا پایہ اسلامیات میں بھی کافی بلند ہے۔

علم تاریخ کی بعض معروف اصطلاحات کو بھی غلط لکھا گیا ہے مثلاً احدی جو اکبر کے زمانہ سے مغلوں کے یہاں ایک مخصوص فوجی عہدہ تھا، تقریباً ہر جگہ "اہدیا" یا "اہدیوں" اور "ایدیوں" لکھا ہوا ملتا ہے جس کی شروعات ص ۲۰ سے ہوتی ہے اور ص ۲۱۴ تک جاری رہتی ہے۔ در اصل لفظ "احدی" "احد" اور یائے نسبت سے مرکب ہے جو آج کل بہ سکون حائے حطی کاہل اور سست آدمی کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اس کی جمع اہدیوں (احدیوں) نہ ہو کر آحاد ہونی چاہیے۔ ان فوجیوں کا افسر اعلیٰ بخشی الآحاد کہلاتا تھا۔ ایک اور اصطلاح چتر توغ یا طوغ کو ص ۲۰۶ پر "چتر طوق" اور اسی صفحہ پر تومان توغ یا طومان طوغ کو "طومان طوق" تسوید فرمایا ہے گویا مغل امراء پر بادشاہ کی طرف سے نہ صرف چتر وغیرہ ہی سایہ فگن ہوتے تھے بلکہ طوق بھی ان کی گردن کا پھندا بننے کے لئے منتظر رہتا تھا۔ اصل میں طوق اُس بھاری حلقہ کو کہتے ہیں جو مجرموں کے گلے میں ڈالا جاتا ہے تاکہ اس کی وجہ سے وہ اپنی گردن نہ اٹھا سکیں۔ اِسے طوغ سے کوئی نسبت نہیں ؏

"کوئی نسبت بھی ہے ان آنکھوں سے پیمانے کو"

طوغ ترکی لفظ توغ کا مفرس ہے جو فوج کے علم یا نشان کو کہتے ہیں، اسی طرح طومان بھی ترکی لفظ تومان یا تمن کا بدل ہے جو گروہ خصوصاً دس ہزار آدمیوں کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے اور چتر ہندی لفظ چھتر کا مفرس ہے۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانی شہزادہ سلیم اور مان بائی بنتِ راجہ بھگوان داس کی شادی کی تقریب کے سلسلہ میں اپنی ایک مشہور نظم میں فرماتے ہیں ؎

اُدھر راجہ کی نوید دیدہ گھر میں جلوہ آرا تھی
اِدھر شہزادہ پر چترِ عروسی سایہ گستر تھا

علامہ کی اس نظم کا آخری شعر تو زبان زد عوام و خواص ہے ؎

تمھیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندو کش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

مشہور یوروپین سیاح ٹیورنیر (Tavernier) جسے جہاں گرد لوگوں کا شہزادہ کہا جاتا ہے، ۱۶۴۰ء میں یہاں آیا تھا اور کم و بیش پچیس سال تک ہندوستان میں قیام کیا، بڑے بڑے امرا، خصوصاً شائستہ خاں اور میر جملہ سے اس کے دوستانہ مراسم تھے، اس ٹیورنیر کو ص ۲۲۴ پر "تیویرنیر" لکھا ہے۔ فرانکوئیس پیلسرٹ جو ۱۶۲۰ء میں ولندیزی فیکٹری کے گماشتہ کی حیثیت سے ہندوستان آیا۔ اس کی تصنیف 'ریمنسٹرینٹی' اس کے سات سالہ قیام ہندوستان کے تجربات کی عمدہ دستاویز ہے جس کے بعض بیانات نہایت دلچسپ ہیں۔ اسے ص ۲۴۳ نیز ص ۲۵۱ پر پلسارٹ اور ص ۲۵۲ پر پیلسرٹ لکھا ہے۔ 'انڈیا ایٹ دی ڈیتھ آف اکبر' کے مصنف مورلینڈ کو ص ۱۶۰ پر "مولینڈ" اور ص ۱۴۰ پر "مولین" بنا دیا ہے۔ فریر (Frayer) کی تاریخی تصنیف 'A New Account of the East India and Persia' کا ترجمہ ص ۲۲۷ پر "مشرقی ہندوستان اور ایران پر ایک نئی نذر" کے عنوان سے کیا ہے گویا مشرقی ہندوستان اور ایران کی دیوی پر ایک نئی پبلک اور بھینٹ چڑھائی جا رہی ہے۔ یہاں 'نذر' کی بجائے 'نظر' ہونا چاہیے۔ یوں بھی Account کا ترجمہ نظر نہیں ہوتا۔ سرگزشت وغیرہ لکھنا مناسب تھا۔ فریر کو ص ۱۶۶ پر "فرامیر" اور حاشیہ ۲ میں 'فرائر' لکھا ہے۔ بعض اداروں کے نام میں بھی کاتب نے تصحیف اور بے جا تصرف سے کام لیا ہے۔ مثال کے طور پر پیش لفظ سے پہلے صفحہ پر "انڈین کاؤنسل آف ہسٹاریکل ریسرچ" کو "انڈین کارنسل آف ہسٹاریکل" انڈیا آفس کو ص ۳۳۹ پر "انڈیا آوفس" اور انگلینڈ کی مشہور زمانہ یونیورسٹی 'کیمبرج' کو

ص۲۲۳ پر "کبیرج" بنادیا ہے نیز مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کے "سبحان اللہ" مخطوطہ ص۲۲۵ پر "سُبحان اللہ" بناتے ہوئے قومی یکجہتی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ کاش جناب محمد عوف صاحب بحر تیویکا سے درخواست ہے کہ وہ اس جذبہ کو اپنے وطن مالوف بحر تیور میں بھی پروان چڑھائیں تو بہتر ہے۔

برادرانِ وطن کے بہت سے نام سے بھی صحیح املار کے ساتھ اندراج نہیں فرمائے گئے مثلاً "شیخ الاسلام بن قاضی عبدالوہاب کے ملازم اور بعد ازاں جودھپور کے حاکم الیسرداس ناگر صاحب فتوحاتِ عالمگیری کے نام ص ۱۲، ۴۸ نیز دوسرے کئی صفحات پر "ایشرداس" اور ص ۳۳۸ ح ا پر "اسیرداس" لکھا ہے۔ داس (غلام) تقریباً اسیر ہی ہوتا ہے۔ بہرسو اردو کا معمولی طالب علم بھی اسے شاید ہی "ایشر" لکھنے کی غلطی کرے اور اکبری عہد کے معروف جرنیل ابنیر کے راجہ مان سنگھ کچھواہہ کو ص ۱۶۶ پر "کچھاوا" اور ص ۲۷۹ پر "کچھاواہا" راجہ مہا سنگھ بھدوریہ کو ص ۲۸۳ پر "ماہا سنگھ" "کشن سنگھ تنوتر (तंवर) کو ص ۱۸۵ پر "تولور" تلنگ راؤ کو ص ۳۰۶ پر "تلنگ راؤ" جیت سنگھ کو ص ۳۴۴ پر "چیت سنگھ" اور نگ زیب کے مشہور کروڑی رسکداس کو ص۳۱۲ پر "سکداس" تحریر فرمایا ہے۔ یہ وہی رسکداس ہے جسے اورنگ زیب نے اپنے آٹھویں سنِ جلوس میں عاملین پرگنہ کو احکام شاہی پر کاربند ہونے کے لئے ایک فرمان جاری کیا تھا۔ مؤرخ ایس۔ آر بھڑکے اور پرماتما سرن کو علی الترتیب ایس۔ آر۔ بھڈکے اور پرماتما سرن (ص ۱۷۵، ۳۴۹) اور راج سنگھ کو ص ۱۰۰ پر "واج سنگھ" تحریر کیا ہے ع

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

ص۲۵۷ پر لفظ "نوواردوں" کو "نوااردوں" اور ص۲۵۹ پر "نوادِروں" یعنی نادر کی جمع الجمع ثبت کیا ہے حیرت اس وقت ہوتی ہے جب ص۲۳۲ پر پہلی ہی سطر میں

ومی جمع انجمن کے صیغہ میں "تعاون" لکھا ہوا دیکھتے ہیں۔ دیباچہ میں ص ۷ ـ ۸ شکور" کا استعمال بھی برمحل نہیں ہوا ہے۔ یہ لفظ چار دفعہ شکرگزار کے استعمال کیا ہے۔ یعنی "جناب بہاالدین طیب جی کا مشکور ہوں،... ڈاکٹر چند کا بہت مشکور و ممنون ہوں،... بابا راج کمار... کا بے حد مشکور ... مسز سعیدہ انصاری کا اُن کے تعاون کے لئے مشکور ہوں۔" گو راقم الحروف ان و ادب کا طالب علم نہیں تاہم اس لفظ کے استعمال کے سلسلے میں اتنا عرض شکور کی نسبت اُس شخص کی طرف کی جاتی ہے جس نے احسان کیا ہو نہ کہ جس پ ہوا ہے چنانچہ مذکورہ فقرات میں 'شکرگزار' استعمال ہونا چاہئے تھا نہ کہ ۔ عوام الناس اسے ممنون کے معنی میں اسی طرح استعمال کرتے ہیں جس طرح و 'مرتشی' اور 'نخالص' کو 'خالص' کے معنی میں۔ اتنا شکر ہے کہ مندرجہ بالا ایک ں "حد" صحیح لکھا ہوا ہے ورنہ ص۲۴۲ کے ح ۲ میں 'حدبندی' لکھا ہوا ملتا ہے۔ کے بجائے 'فوتی' کا استعمال بھی جا بجا دیکھنے کو ملتا ہے جو فصیح نہیں کہا جا سکتا۔ رے بھی ثقالت سے پُر ہیں۔ ص۸۵ پر "حکومت حکمت کی عملی" لکھا ہوا ہے جسے ت کی حکمت عملی" ہونا چاہئے تھا اور ص۱۱۱ پر "کارسار خزانہ" کو 'کا سارا خزانہ' امات پر محسوس ہوتا ہے کہ ترجمہ سلیس و بامحاورہ نہ ہو کر محض لفظی ہے اور کئی خیال بھی گزرتا ہے کہ اصل مقالہ کے بعض فقرات کا ترجمہ محذوف ہے۔ چونکہ ار کے پاس ڈاکٹر محمد اطہر علی صاحب کی اصل تصنیف موجود نہیں ورنہ مقابلہ دیکھ لیا جاتا۔ بیورو کی شائع کردہ تاریخ جہانگیر اور تاریخ شاہ جہاں کے فحات میں یہ نقص راہ پا گیا ہے جسے ممکن ہے طبع ثانی میں دور کر دیا گیا

مندرجہ بالا امور کے علاوہ زیرِ نظر کتاب میں بہت سے عام اور روز مرہ

بول چال کے الفاظ بھی غلط املا کے ساتھ دیکھنے کو ملتے ہیں۔ شفقت ص۱۲ اور دوسرے
صفحات پر خانزادگان یا خان زادوں کو ذیل بجرے سے تحریر کیا ہے۔ عروسہ ص۱۳ پر
"عروسہ" ہمعصر ص۲۷ پر "ہم عصر" منافرت ص۳۶ پر "منافرت" تنہا ص۱۵ پر "تنہا"
حصول الاعتباریہ ص۶۵ پر "اصول الشماریہ" سوم یا سوئم ص۷۱ پر "صمیم" مستثنیٰ
ص۷۸-۸۲ پر "مستشنیٰ" موافقت ص۹۰ پر "مواقت" تصیح ص۹۵ پر "تصیح" عماد الملک
ص۱۰۵ پر "عماد الملک" جائیداد ص۱۰۷ پر "جایداد" دائرہ ص۱۱۸ پر "دائرہ" انقطاع ص۱۲۳
پر "انقطا" حوالگی ص۱۲۵ پر "حوال گی" مزاجاں ص۱۳۴ پر "مزاحیان" واقعۂ ذیل
ص۱۳۶ پر "واقعے ذیل" بالمقطع ص۱۶۱ پر بالمقطر موروثی ص۱۴۳ پر "موروثی"
مشتعل ص۱۴۸ پر "مشتعل" لکھا ہوا ہے۔ ص۱۵۳ پر یہ فقرہ مخفی وکیل دلسوز کی
کوششوں کے باوجود "محل نظر ہے۔ ص۱۵۹ پر تنازعات کو "تنا زاعات" اور
توجیہ کو ص۱۶۴ نیز ص۱۳۱ پر "توضیح" تحریر فرمایا ہے۔ جارحانہ ص۱۶۷ پر "جارہانہ" پپیا
ص۱۶۹-۷۲ پر "پیپیہ" استغناء ص۱۷۱ پر "استغفار" رونما ص۱۷۵ پر "رونماں" جرأت
ص۱۷۴ پر "جرئت" عائشہ بانو ص۲۰۹ پر "عائشہ بانوں" مصالحت ص۱۷۹ پر
"مطالحت" تشخص مآب ص۲۰۵ "تشخیص مآب" مبذول ص۲۲۱ پر "مبزول"
تجارتی مزاج ص۲۲۸ پر "تجارتی مزاد" تجدید ص۲۳۶ پر "تجوید" ملاحی ص۲۳۴ پر
"ملاہی" خدم وحشم ص۲۵۱ پر "قدم وخشم" لابدی ص۲۵۵ پر "لابُد" ماخذ ص۲۴۰
پر "اخذ" ایک حصہ ص۲۴۴ پر "احصہ" برأت ص۲۴۱ پر "برآت" اور اسی صفحہ کی سطر ۲۲
پر "برات" داروغہ ص۲۱۴ پر "دادوغہ" اسی صفحہ پر صحیفہ "صیحفہ" آغا خورد ص۲۳۲
پر "آغا خرد" نضبت ص۲۴۱ پر "نفضت" ہبہ ص۲۴۳ پر "جبہ" "سترہویں صدی"
ص۶۷-۸ پر "سترویں صدی" اور پنج ماہہ، ہشت ماہہ ص۸۵ پر ـــ ماہا" نیز شش ماہانہ
کو ص۷۹ پر "شست ماہانہ" تحریر فرمایا ہے۔ ان الفاظ کے علاوہ بیسیوں اور

الفاظ بھی غلط لکھے ہوئے مثلاً "شیعیوں" کو ص ۳۸ نیز ۱۵۸ پر "شعیوں" اور ۱۷۰ پر "شیعہ" کو "شعیہ" ص ۲۰۰ پر عالمگیری کو "عالم گری" وغیرہ لکھا ہے۔ بہرکیف اس قسم کی اغلاط کا احاطہ دشوار ہے۔

ترقی اردو بیورو کی شائع کردہ کتاب تاریخ شاہ جہاں کی اغلاط کی نشاندہی کرتے ہوئے پروفیسر محمد اسلم صاحب نے فرمایا تھا کہ "تاریخ شاہ جہاں کی طباعت ڈاکٹر سید اعجاز حسین (مترجم) صاحب اور اُن سے بھی بڑھ کر ترقی اردو بورڈ کے لئے باعث بدنامی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ترقی اردو بورڈ اردو کے تنزل کے لئے کوشاں ہے۔" (برہان دلی بابت فروری ۱۹۸۱ء) راقم الحروف "اورنگ زیب کے عہد میں مغل امراء" کی نسبت اتنا سخت ریمارک کرنے کی جسارت تو نہیں کر سکتا البتہ اتنی گذارش ضرور ہے کہ اردو بڑی نازک اور لچونتی زبان ہے لہٰذا اردو داں حلقوں کا فرض ہے کہ اس کی نزاکت کو برقرار رکھنے کی سعی مشکور کی جائے اور الٹا سیدھا لکھ کر اس کے خوشنما چہرہ پر لاجوردی نقاب (ماتمی جامہ) نہ ڈالا جائے۔ ورنہ اگر اسی طرح لاتعد و لاتحصیٰ اغلاط کے ساتھ ترقی اردو بورڈ کتابوں کی طباعت کراتا رہا تو روح غالب سے معذرت کے ساتھ ہمیں یہ عرض کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا کہ ؎

یوں ہی گر "لکھتا" رہا غالب تو اے اہل جہاں
دیکھنا اِس "ریختہ" کو تم کہ ویراں "ہوگئی"

# ایک خاص اعلان

محترمی سلام مسنون - مزاج گرامی!

بعنوان شاندار نمبر مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ ان لوگوں اور ان مخلصین و دیرینہ احباب کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کی وفات کے بعد سے برابر شاندار نمبر نکالنے کے سلسلے میں یہ اعلان اپنے اس رسالہ برہان میں برابر آرہا ہے مگر مجھے افسوس ہے کہ اب تک میں اس کے مواد کے ذخیرہ کو اکٹھا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ آپ پہلی فرصت میں مضامین بھیجیں بہت سے مضامین اور اس کے اجزا کافی تعداد میں جمع ہوچکے ہیں اور نئے سال کے آغاز میں اس کو منظرعام پر لانے کا اللہ کے فضل وکرم سے پورا قصد کرلیا ہے۔ آپ لوگ زیادہ سے زیادہ اس کے اخراجات کے لئے چندہ اس انداز میں بھیجیں کہ آپ کی خریداری اور ممبری میں پیشگی رقم جمع کی جاسکے اور ایک طرح سے اس کی علمی خدمت اور مدد بھی ہوجائے گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات گرامی سے میں امید رکھتا ہوں کہ آپ جلد از جلد تعاون فرمائیں گے۔

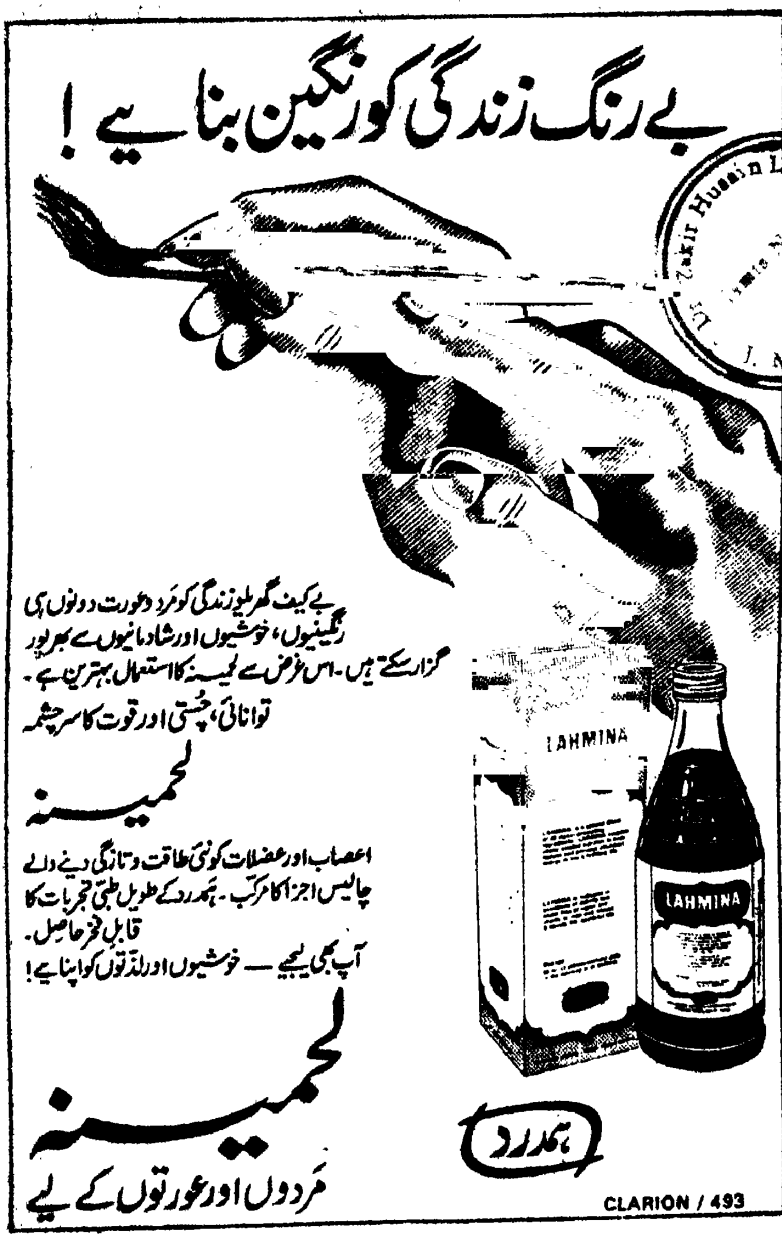
نوٹ : جن فرموں میں متفرق مساجد اور ٹرسٹوں کے جو بھی امدادی فنڈ قائم کیے گئے ہوں اس سے اس ادارہ ندوۃ المصنفین کی مدد فرمائیں۔ یہ آپ کے ثواب دارین میں داخل ہونے کا ایک اہم مقصد ثابت ہوگا۔

شکریہ

صاحبزادہ عمید الرحمٰن عثمانی

سنہ ۱۹۵۴ء حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۔ العلم والعلماء ۔ اسلام کا نظامِ عفت و عصمت ۔
تاریخ صقلیہ ۔ تاریخ ملت جلد نہم
سنہ ۱۹۵۵ء اسلام کا زرعی نظام ۔ تاریخ ادبیات ایران ۔ تاریخ علم فقہ ۔ تاریخ ملت حصہ دہم سلاطین ہند اول
تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی
سنہ ۱۹۵۶ء ترجمان السنہ جلد ثالث ۔ اسلام کا نظامِ حکومت و مسیح جدید ولپیڈ ترتیب جدید بین الاقوامی
سیاسی معلومات جلد دوم ۔ خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات
سنہ ۱۹۵۷ء لغات القرآن جلد پنجم ۔ صدیق اکبر ۔ تاریخ ملت حصہ یازدہم سلاطین ہند دوم ۔ انقلاب روس اور روسی انقلاب کے بعد
سنہ ۱۹۵۸ء لغات القرآن جلد ششم ۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۔ تاریخ گجرات ۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد سوم
سنہ ۱۹۵۹ء حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط ۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ۔ مصائب و زعمائے حق
سنہ ۱۹۶۰ء تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۹ ۔ ۳۰ ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط
امام غزالی کا فلسفۂ مذہب و اخلاق ۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام ۔
سنہ ۱۹۶۱ء تفسیر مظہری اردو جلد اول ۔ مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط ۔ اسلامی کتب خانے ۔ عرب و ہند
تاریخ ہند پر نئی روشنی
سنہ ۱۹۶۲ء تفسیر مظہری اردو جلد دوم ۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں ۔ معارف الآثار ۔
نیل سے فرات تک ۔
سنہ ۱۹۶۳ء تفسیر مظہری اردو جلد سوم ۔ تاریخ ردہ ۔ پیر کشی ضلع بجنور ۔ علماء ہند کا شاندار ماضی اول
سنہ ۱۹۶۴ء تفسیر مظہری اردو جلد چہارم ۔ حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط ۔ عرب و ہند عہد رسالت میں ۔
ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں ۔
سنہ ۱۹۶۵ء ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت جلد اول ۔ تاریخی مقالات
لادینی دور کا تاریخی پس منظر ۔ ایشیا میں آخری نوآبادیات
سنہ ۱۹۶۶ء تفسیر مظہری اردو جلد پنجم ۔ رموز عشق ۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک ۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ۔
سنہ ۱۹۶۷ء ترجمان السنہ جلد چہارم ۔ تفسیر مظہری اردو جلد ششم ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ
سنہ ۱۹۶۸ء تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم ۔ تین تذکرے ۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات
اسلامی ہند کی عظمت رفتہ ۔
سنہ ۱۹۶۹ء تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم ۔ تاریخ الفخری ۔ حیات ذاکر حسین ۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر
سنہ ۱۹۷۰ء حیات عبدالحی ۔ تفسیر مظہری اردو جلد نہم ۔ مآثر و معارف ۔ احکام شرعیہ میں حالات زمانہ کی رعایت
سنہ ۱۹۷۱ء تفسیر مظہری اردو جلد دہم ۔ بیماری اور اس کا روحانی علاج ۔ خلافت راشدہ اور ہندوستان ۔
سنہ ۱۹۷۲ء فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ۔ انتخاب الترغیب والترہیب ۔ اخبار التنزیل
عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

No. D (DN) 231 PHONE : 262815 OCTOBER 19[illegible]
[illegible] 986—87 Subs. 40/- Per Copy Rs. 3-50
BURHAN (Monthly)
4136, Urdu Bazar, Jama Masjid, Delhi-110006.






عمید الرحمٰن عثمانی پرنٹر پبلشر نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

بیادگار حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی

## ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

# برہان

نگرانِ اعلیٰ حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینی

مدیرِ اعزازی
قاضی اطہر مبارکپوری

مرتب
جمیل مہدی

# مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

سنہ ۱۹۳۹ء اسلام میں غلامی کی حقیقت - اسلام کا اقتصادی نظام - قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ -
تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام - سوشلزم کی بنیادی حقیقت -

سنہ ۱۹۴۰ء غلامان اسلام - اخلاق و فلسفۂ اخلاق - فہم قرآن - تاریخ ملت حصہ اول "نبی عربی صلعم" - صراط مستقیم (انگریزی)

سنہ ۱۹۴۱ء قصص القرآن جلد اول - وحی الٰہی - جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول -

سنہ ۱۹۴۲ء قصص القرآن جلد دوم - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم نئی تقطیع مع ضروری اضافات)
مسلمانوں کا عروج و زوال - تاریخ ملت حصہ دوم "خلافت راشدہ" -

سنہ ۱۹۴۳ء مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد اول - اسلام کا نظام حکومت - تاریخ ملت حصہ سوم "خلافت بنی امیہ"

سنہ ۱۹۴۴ء قصص القرآن جلد سوم - لغات القرآن جلد دوم - مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (کامل)

سنہ ۱۹۴۵ء قصص القرآن جلد چہارم - قرآن اور تصوف - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کیے گئے)

سنہ ۱۹۴۶ء ترجمان السنہ جلد اول - خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ - جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو -

سنہ ۱۹۴۷ء مسلمانوں کا نظم مملکت - مسلمانوں کا عروج و زوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے
اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم - حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ -

سنہ ۱۹۴۸ء ترجمان السنہ جلد دوم - تاریخ ملت حصہ چہارم "خلافت ہسپانیہ" - تاریخ ملت حصہ پنجم "خلافت عباسیہ اول"

سنہ ۱۹۴۹ء قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل)
تاریخ ملت حصہ ششم "خلافت عباسیہ دوم" بصائر -

سنہ ۱۹۵۰ء تاریخ ملت حصہ ہفتم "تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ" تدوین قرآن - اسلام کا نظام مساجد -
اشاعت اسلام یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا -

سنہ ۱۹۵۱ء لغات القرآن جلد چہارم - عرب اور اسلام - تاریخ ملت حصہ ہشتم "خلافت عثمانیہ" جارج برنارڈ شا -

سنہ ۱۹۵۲ء تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر - فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول (جس کو
از سر نو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے - کتابت حدیث -

سنہ ۱۹۵۳ء تاریخ مشائخ چشت - قرآن اور تعمیر سیرت - مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ -

# برہان

مدیر مسئول: عمید الرحمٰن عثمانی

جلد ۹۸ | ربیع الاول ۱۴۰۷ھ مطابق نومبر ۱۹۸۶ء | شمارہ ۵



عمید الرحمٰن عثمانی پرنٹر پبلشر نے جمال پریس دہلی میں چھپواکر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

# نظرات

دہلی کی راجدھانی، جس نے بے شمار انقلابات دیکھے، دنیا کی مشہور اور بے مثال خون ریزیوں کے دور دیکھے ہے۔ بدامنی کے گہوارے کی حیثیت سے تاریخ میں نگر بنائی، گذشتہ پانچ چھ برسوں سے ایک بار پھر تاریخ کو دہرانے کا رجحان ظاہر کر رہا ہے اور پرانی دہلی کے ان علاقوں سے لیکر جہاں ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کے پاکیزہ دہلی کے لوگوں، یہاں کے ہندو مسلمان سنتوں اور صوفیوں نے بلائے تھے۔ وہ بادشاہوں اور کمانڈروں نے لوریاں سنائی تھیں، نئی دہلی کی پرتعیش کالونیوں تک جہاں بیوپاریوں نے پرانے شہر کی دم گھونٹنے والی فضا، اور بھیڑ بھاڑ سے پناہ دینے کے لئے امن کے گوشوں کے طور پر عالیشان کوٹھیاں تعمیر کی تھیں، اور یہ کالونیاں بسائی تھیں، اب بدنظمی، خون ریزی اور موت کے ہیبت ناک سائے ہیں، ایک بے یقینی مستقبل سے خائف نظر آرہے ہیں۔

---

اسی دہلی میں تیمور کے خون آشام فوجیوں نے لوٹ مار اور تیغ ستم کے ذریعہ یہاں کے ہندو مسلمانوں کے خون کو سڑکوں پر بہایا لیکن زلزلے کے ایک تباہ کن جھٹکے کی طرح چاروں طرف تاراجی، ویرانی اور ہلاکتوں کے آثار چھوڑ کر یہ فوج گذر گئی، یہاں تک کہ صاحب قران تیمور کے جانشینوں نے اپنے جد امجد کے گناہوں کی تلافی کے طور پر دہلی کے مہکتے گلستان اور طلسماتی شہر میں اس طرح تبدیل کیا کہ آج تک لال قلعہ اور

جامع مسجد کی عمارتیں، ہیرے کے نگینوں کی طرح چمکتی نظر آتی ہیں۔ تیمور کے ان جانشین مغل بادشاہوں نے اسی دہلی میں بیٹھ کر جسے ان کے دادا نے قتل عام اور لوٹ مار کے ذریعہ ..... منہدم اور مسمار کر دیا تھا۔ ہندوستان کی تعمیر و تشخص کا وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا — کہ ایک ایسی سرزمین کو جو ہمیشہ رجواڑوں کی بے شمار سلطنتوں میں بٹی رہی تھی، ایک ملک، ایک قوم اور ایک مشترکہ تہذیب کے تصور سے مالا مال کیا۔ اور قندھار سے لیکر راس کماری تک کے پورے علاقے کو یک رنگی اور اتحاد کے شیرازہ میں اس طرح باندھ دیا کہ آج بہت کم لوگوں میں یہ احساس باقی رہ گیا ہے کہ جس ملک کی سالمیت، اتحاد اور تحفظ کی وہ بات کرتے ہیں اس کا تمام تر نقشہ مغل بادشاہوں ہی کا بنایا ہوا ہے، جس میں اورنگ زیب نے سترھویں صدی کے آخر میں ۲۵ برس کی جانفشانی کے بعد رنگ بھر کر مکمل کیا تھا۔

---

اسی اورنگ زیب کے جانشین، جس نے ۹۰ برس کی عمر میں میدان جنگ میں تلواروں اور نیزوں کی جھنکار اور توپوں کے دھماکوں کے درمیان جان دی، محمد شاہ جیسے ہوئے جنھوں نے تاریخ میں رنگیلے بادشاہ کی حیثیت سے اپنا نام لکھوالیا۔ اسی محمد شاہ کے دور حکومت میں، مغلوں کی شامت اعمال نادر شاہ کے حکم پر ایسے قتل عام کی صورت میں ظاہر ہوئی کہ آٹھ پہر میں اس زمانے میں ایک لاکھ کے قریب دہلی کے باشندے ہلاک ہوئے اور پورا شہر آباد اور شاندار عمارتوں میں لگائی ہوئی آگ اور دھویں کے مرغولوں سے جہنم کا نقشہ پیش کرنے لگا۔ نادر شاہ تو ایک لاکھ باشندوں کے، یہاں کے ہندو مسلمانوں کے خون کا دھارا، یہاں کی گلیوں اور سڑکوں پر بہا کر، تخت طاؤس اور کوہِ نور ہیرے سمیت مغل بادشاہوں کی پشتوں کی جمع کی ہوئی دولت کے ساتھ ایران واپس ہو گیا لیکن دہلی اس کی لگائی ہوئی مہلک ضرب سے

پھر آخر تنگ لوگان بر نہ ہوسکی، اور ایسی بگڑی، خوانت الملکی اور شورش کا گہوارہ بن گئی کہ اس کے بادشاہ مفلوج و معطل اور بے دست و پا ہوکر رہ گئے یہاں کے مشاہیر اور صاحب فن افراد تلاش معاش میں سارے ملک میں سرگرداں، اور حیران و پریشان گھومتے نظر آئے۔

---

دہلی کی قسمت ـــــ نادر شاہ کے حملے کے بعد ایسی بگڑی کہ یہ شہر جو کبھی ساری دنیا کا سب سے بڑا آباد، پر رونق شہر تھا اور ماہرین فن کے بے مثال جگھٹوں کے لحاظ سے ساری دنیا کے ملکوں کے لئے قابلِ رشک بنا ہوا تھا، خانہ جنگیوں، آئے دن کی بغاوتوں، اور شورشوں کی آماج گاہ بن کر رہ گیا، یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء کے قتل عام کے بعد، جس کے سامنے تیمور اور نادر شاہ کے حملوں کی دہشت ناک یاد بھی لوگوں کے حافظے سے فراموش ہوگئی، یہاں انگریزی راج قائم ہوگیا مجبور و معذور تاجدار اور مغل خاندان کے آخری چشم و چراغ ظل اللہ بہادر شاہ ظفر انگریزوں کی قید میں، جلا وطن کر کے رنگون بھیج دیئے گئے۔ اور دہلی کو پوری ایک صدی کی شورشوں، بد نظمی اور بدامنی سے نجات پاکر امن و سکون کے دن دیکھنے نصیب ہوئے۔

انگریزوں کے دور میں ہندوستان کے ہر شعبۂ زندگی میں انقلاب رونما ہوا، یہاں کا نظام سلطنت بدلا، پرانا جاگیرداری نظام تبدیل ہوا، یہاں کی سیاست حکمرانوں اور فوجی کمانڈروں کے بجائے عوام کے ہاتھ میں آئی اور بغاوت اور مسلح جدوجہد کی جگہ عوام کی سیاسی جدوجہد نے لے لی، تلواروں اور بندوقوں کے بجائے سیاسی اقتدار اور حکمرانی کے فیصلے لوگوں کی رائے اور ہاتھوں کے شمار کے ذریعہ کیے جانے لگے نیا جمہوری نظام ابھر آیا۔ ساری پرانی دنیا دیکھتے دیکھتے بدل گئی اور اس کی جگہ ایک بالکل نئی دنیا سارے ملک اور راجدھانی دہلی میں پیدا ہوگئی اگر یہ دہلی

کے اصل حریف مغل بادشاہ تھے، جن کی مرکزی حیثیت کو ختم کرنے کے لئے انھوں نے ایک طرف ہندوستان بھر میں پھیلی ہوئی دیسی ریاستوں کو، جو خود مختار ہونے کے باوجود مغل دربار سے ذہنی وابستگی ضرور رکھتی تھیں، ختم کیا اور مغل بادشاہوں کو بے دست و پا بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لیکن وہ ان کی شان و شوکت و عظمت کے نہ صرف قائل بلکہ مرعوب بھی تھے، اس مرعوبیت کا اظہار ان کی طرف سے نئی دہلی کی راجدھانی کی تعمیر میں پوری طرح ہوا، انھوں نے وائسرگل لاج کو جو اب راشٹرپتی بھون کہلاتا ہے دراصل لال قلعہ کی اس زمانے کی شان و شوکت کو ماند کرنے کے لئے تعمیر کیا اور اسے پرشکوہ اور شاندار بنانے میں اپنی صلاحیت اور مہارت کا پورا زور صرف کر دیا۔

انھوں نے نئی دہلی کی راجدھانی کو ایسی فراخدلی، اور عظیم الشان پیمانہ پر تعمیر کیا کہ وائسرگل لاج، پارلیمنٹ اور اس سے ملحق عمارتوں کی شان و شکوہ، خوبصورتی اور عظمت کی شہرت ساری دنیا میں پھیل گئی لیکن وہ لال قلعہ کی عظمت و شکوہ کی بلندیوں کو چھونے میں۔ اس زمانے کی عام رائے کے مطابق ناکام رہے، بہرحال انھوں نے ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء کے نوّے برسوں میں اپنے اعلیٰ انتظام اور نظم و نسق کی بہتر سے بہتر صلاحیتوں کو صرف کر کے راجدھانی دہلی کو اس کی کھوئی ہوئی عظمت، اور رونق سے مالامال کر دیا اور دہلی والوں نے ایک صدی کا یہ طویل عرصہ پوری طرح یکسوئی، دل جمعی، امن و سکون اور شورشوں سے مکمل نجات کی نعمتوں کے ساتھ گذارا۔

---

لیکن دہلی کی تعمیر میں خرابی کی جو صورت اس کی آبادی کے اول دن سے مضمر چلی آتی ہے، اور بار بار آباد ہو کر بار بار اجڑنے کی جو تقدیر اس نے اول روز سے لکھوائی ہے ........... اس نے ۱۹۴۷ء میں، ملک کی آزادی کے خوش بختی کے سال میں، ایک بار خاک و خون میں لوٹنے اور قتل و غارت کی ایسی آزمائش

سے گذرنے پر مجبور کر دیا جو اس سے پہلے کی خونریزیوں کے مقابلہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثال تھی۔ اس دور میں مسلمانوں کا اتنا خون وہاں بہا، اتنے لوگوں کے خانماں برباد ہونے کے ایسے مظاہروں سے دہلی کا سامنا ہوا کہ جامع مسجد دہلی میں دو ہفتوں تک کوئی نماز اس لئے قائم نہ ہو سکی کہ وہاں لاکھوں پناہ گزینوں کے ہجوم سے تل دھرنے کی جگہ نہ رہ گئی تھی، اب کی بار یہ خوں ریزی، یہ بدامنی، شورش اور قتل و غارت کی یہ حالت صرف دہلی تک محدود نہ تھی بلکہ تقسیم ملک کے نفسیاتی اور اشتعال انگیز ردعمل کی وجہ سے سارا شمالی ہند اس طرح دھڑ دھڑ جل رہا تھا کہ بعض ہزاروں کی تعداد میں، پاکستان جانے والے مسلمانوں کے قافلے، آس پاس اور دور دراز کی بستیوں سے اجڑ کر دہلی میں پہونچتے اور یہاں کے پناہ گزینوں کے کیمپوں کے سمندر میں ندی نالوں کی طرح مل جاتے۔

اس نئے انقلاب کی بدولت دہلی ایک بار پھر اس طرح اجڑی کہ نہ صرف اس کی شکل بلکہ اس کا کردار بھی تبدیل ہو کر رہ گیا۔ یہاں کے ہندو مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے ساتھ، ان کی تہذیبی انفرادیت بھی اس نئے انقلاب کے سیلاب میں تنکے کی طرح بہتی چلی گئی۔ اس انقلاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ صرف چار مہینے کی شورش، بدامنی، بدنظمی اور قتل و غارت کے دور کے بعد، بیسویں صدی کی سب سے بڑی سب سے زیادہ مہتم باشان اور عظیم المرتبت گاندھی جی کی جان کی بھینٹ لے کر یہاں امن و سکون کی فضا قائم ہوئی، تو دہلی کا شہر عملی طور پر پاکستان سے آئے ہوئے پناہ گزینوں کی اکثریت کے طفیل ایک پنجابی شہر ہو کر رہ گیا تھا جہاں پنجابی تہذیب کی چھاپ ہر شعبۂ زندگی پر نظر آنے لگی۔

---

دہلی کی اس نیم غیر متوازن سماجی زندگی میں برہمی اور خلفشار کا دوسرا دور

ئہ میں شروع تھا جبکہ یہاں کے لوگوں خصوصاً مسلمانوں کو ایک بار پھر ایمرجنسی کی
فتیوں اور تباہ کاریوں کا شکار ہونا پڑا۔ اور ترکمان گیٹ اور دوسرے علاقوں
یں ان کی تاراجی اور خانہ بربادیوں کے دردناک واقعات پیش آئے، پھر اس
ے بعد ۱۹۸۰ء میں فرقہ وارانہ فسادات کے ایک نئے سلسلے سے انھیں
دوچار ہونا پڑا۔

---

۱۹۸۰ء کے بعد سے پرانی دہلی کے وہ علاقے، جہاں ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے
سلمانوں کی بچی کھچی آبادی جوں توں کر کے اپنی زندگی بسر کر رہی تھی، فرقہ وارانہ فسادات
ماندمیں رہے ہیں، ان فسادات کی بنیاد فراش خانہ اور دیگران محلوں میں واقع
ہریجن بستی اور آس پاس کے مسلم محلوں کے نوجوانوں کے درمیان تکرار اور جھگڑوں
سے پڑی، جو جلد ہی ویسے ہی ہریجن مسلم فساد میں تبدیل ہو گئی، جس طرح مرادآباد، اور
دوسری جگہوں میں تبدیل ہوئی تھی، پھر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، ان فسادات میں
مندر مسجد کے جھگڑوں، نعروں اور جلوسوں، باجوں اور سنکھوں اور ترشولوں کے
عناصر شامل ہوتے گئے، اور اب نوبت یہ آگئی ہے کہ جامع مسجد، حوض قاضی،
ٹیامحل، لال کنواں، اور فراش خانہ کے محلے ہندو مسلم فسادات کے ایسے حساس
مرکز بن گئے ہیں، اور کشیدگی کی شدت سے اتنے گرم ہو گئے ہیں کہ ذرا سی ٹھیس
سے وہاں دھڑ دھڑ آگ جلنے لگتی ہے، نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کرفیو، پولیس گشت،
اور کاروبار کا تعطل وہاں روزانہ کی زندگی کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ اور اس کا
تشویشناک پہلو یہ ہے کہ دہلی ایڈمنسٹریشن نے بھی اسے زندگی کے ایک معمول کی
صورت میں قبول کر لیا ہے، اس لئے وہاں تنازعہ کو مکمل طور پر ختم کر دینے کا کوئی
منصوبہ بظاہر زیر غور نہیں ہے۔

نئی دہلی کی وہ کالونیاں جو آدھی صدی سے زیادہ مدت تک امن وسکون کا گہوارہ اور عیش کوشی کی جنت سمجھی جاتی تھیں، ۱۹۸۴ء کے ہندو سکھ فسادات کے بعد، جو سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کے قتل کے رد عمل میں شروع ہوئے تھے، اب سب سے زیادہ غیر محفوظ اور غیر یقینی صورت حال کا شکار نظر آتی ہیں، قصہ مختصر یہ دارالامن دہلی ایک بار پھر ظلم فتنہ و فساد، شورش اور بدامنی کے شکنجہ میں پھنس گیا ہے، اور ہندوستان کا دل کہلانے والی دلی ایک بار پھر خون ریزی، لوٹ مار آتش زنی اور تشدد کے دور دورے سے بے حال نظر آتی ہے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ دہشت ناک خیال یہ ہے کہ جب بھی دہلی اپنی رونق آبادی اور خوش حالی کے بامِ عروج پر پہونچی ہے، کسی آفتِ ناگہانی کا شکار ہو کر بدحال اور ویران ہو گئی ہے، اس لئے ڈر لگ ہے کہ کہیں اس کا یہی انجام قریب نہ ہو۔

# صحابۂ کرامؓ کی تحصیل حدیث کی کیفیات

جناب مولوی محمد رضی الاسلام صاحب ندوی، ندوۃ العلماء لکھنؤ

## صحابۂ کرامؓ کے تحصیل حدیث کی کیفیات

کتب حدیث کا مطالعہ کرنے سے ہمارے سامنے صحابۂ کرامؓ کے تحصیل حدیث کی مختلف کیفیات سامنے آتی ہیں:

### ۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات:

اگر کوئی واقعہ پیش آتا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود رہتے تو آپ اس کا حکم بتلا دیتے تھے۔ جو لوگ اس وقت موجود رہتے ان کے ذریعہ دیگر صحابہ کو بھی معلوم ہو جاتا۔ اگر حاضرین کی تعداد زیادہ ہوتی تو جلد ہی اس واقعہ کی خبر پھیل جاتی لیکن اگر لوگ کم ہوتے تو ان کو لوگوں میں منادی کرنے کے لئے بھیجتے تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے پاس تشریف لائے وہ ایک شال اوڑھے ہوئے تھیں جس میں کچھ تصاویر تھیں۔ اسے دیکھ کر آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا پھر آپؐ نے اس شال کو لیا اور پھاڑ ڈالا پھر فرمایا:

| | |
|---|---|
| إن أشد الناس عذابا يوم القيامة الذين يشبهون خلق الله عزوجل۔ | قیامت میں سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں پر ہوگا جو خدا کی مخلوقات کی تصاویر بناتے ہیں۔ |
| (مسلم) | |

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو غلہ بیچ رہا تھا آپؐ نے اس سے پوچھا کیسے بیچ رہے ہو؟ اس نے

بتلایا پھر آپ نے اس سے کہا کہ اس میں ہاتھ ڈالو اس نے ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ نیچے کا غلہ بھیگا ہے۔ آپ نے فرمایا: لیس منا من غشنا (جو ہمیں دھوکا دے وہ ہم سے نہیں) (مسلم، احمد)

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی صحابی کو غلطی کرتے ہوئے دیکھتے تو اس کو تنبیہ کر دیتے تھے اور اس کی اصلاح فرما دیتے تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ خیبر میں جنگ کے بعد کچھ کہنے لگے کہ فلاں شہید ہے فلاں شہید ہے حتیٰ کہ ایک آدمی کے پاس پہنچے اور اس کے بارے میں بھی کہا فلاں شہید ہے آپؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا:

كلا إني رأيته في النار في بردة غلها أو عباءة.

ہرگز نہیں اسے میں نے دوزخ میں دیکھا مال غنیمت میں سے ایک چادر چوری کرنے کی وجہ سے۔

پھر فرمایا:

إذهب فناد في الناس انه لا يدخل الجنة إلا المومنون۔

جاؤ لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومنین ہی جائیں گے۔

چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے اعلان کیا (احمد)

ایک بار ایک شخص نے جلدی جلدی بغیر تعدیل ارکان کے نماز ادا کی تو آپؐ نے اس کو ٹوکا اور فرمایا:

إذهب فصل فإنك لم تصل

جاؤ پھر سے نماز پڑھو تمہاری نماز نہیں ہوئی

ایک مرتبہ صحابی جلدی جلدی وضو کر رہے تھے اس طرح کہ ان کی ایڑیاں خشک رہ گئیں تو آپؐ نے فرمایا:

اسبغوا الوضوء، فويل للأعقاب

پورا وضو کرو۔ خشک رہ جانے والی ایڑیوں

من النار جہنم کا عذاب ہوگا۔

اسی طرح اگر آپ پر قرآن کی آیات نازل ہوتیں تو آپ ان کی تشریح کرتے ان کے مجمل کی تفصیل کرتے، عام کو خاص کرتے ناسخ و منسوخ بتلاتے مبہم کو متعین کرتے مثلاً غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی تفسیر میں حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا الیہود مغضوب علیہم والنصاری ضلال (ترمذی) (یعنی مغضوب علیہم سے مراد یہودی اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں) حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطی کی تفسیر میں آپ نے فرمایا الصلاۃ الوسطی ھی العصر (ترمذی) یعنی صلوۃ وسطی سے مراد عصر کی نماز ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ میں آپ نے فرمایا: الحمد للہ رب العالمین ھی السبع المثانی (بخاری) یعنی الحمد للہ ... سبع مثانی ہے۔

۲۔ سوالات وجوابات:

تحصیل حدیث کا ایک طریقہ "سوالات وجوابات" کی شکل میں ہوتا تھا۔ اس کی تین صورتیں تھیں:

ا۔ کبھی اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو بھیجتا تاکہ وہ حضرات صحابہ کے سامنے انسانی شکل وصورت میں جاکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرے اور اس طرح صحابہ کرامؓ کو دینی تعلیمات اور احکامات معلوم ہوں۔ حدیث جبرئیل اس سلسلے میں بہت مشہور ہے۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب سے مروی ہے کہ ہم ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا جس کے کپڑے انتہائی سفید تھے، بال انتہائی کالے تھے۔ اس پر سفر کے آثار بھی نہیں تھے اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا، وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

بیٹھ گیا اس کے بعد آپؐ نے اسلام، ایمان، احسان، قیامت اور علامات قیامت کے متعلق سوالات کئے اور آپ نے جوابات دیئے اس کے بعد چلا گیا اس کے جانے کے بعد آپؐ نے مجھ سے پوچھا جانتے ہو یہ کون تھے؟ میں نے کہا اللہ ورسولہ أعلم فرمایا إنہ جبرئیل أتاکم یعلمکم دینکم (یہ جبرئیل تھے جو تمھیں دین سکھانے آئے تھے) (مسلم)

۲۔ کبھی خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ سے سوال کر دیا کرتے تھے اور پھر خود ہی اس کا جواب دے دیا کرتے تھے چنانچہ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک گدھے پر سوار تھا میرے اور آپ کے درمیان کجاوہ کے علاوہ کوئی چیز حائل نہ تھی۔ آپؐ نے فرمایا: اے معاذ جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ ورسولہ أعلم آپؐ نے فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو لوگ شرک نہ کریں انھیں عذاب نہ دے (متفق علیہ)

۳۔ البتہ بیشتر مواقع پر خود صحابۂ کرامؓ اپنے مسائل اور پیش آنے والے واقعات کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سوالات کا جواب دیتے تھے۔

ابتداء میں اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو زیادہ سوالات کرنے سے منع کر دیا تھا اور خود قرآن شریف میں کثرت سوال سے نہی وارد ہے
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ
(اے مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کرو کہ اگر وہ ظاہر ہو جائیں تو تم کو برا لگے) اسی لئے حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

ونہینا فی القرآن ان نسألُ النبی صلے اللہ علیہ وسلم فکان یعجبنا أن یجیئ رجل من أھل البادیۃ العاقل فیسألہ ونحن نسمع (بخاری کتاب الایمان)

ہمیں قرآن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے سے منع کر دیا گیا تھا لہذا ہماری خواہش یہ ہوتی تھی کہ کوئی عقلمند دیہاتی آئے اور آپ سے سوالات کرے اور ہم سنیں۔

مگر ایسا دراصل بے تکے سوالات پر پابندی لگانے کی غرض سے تھا ورنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابۂ کرامؓ کو سوالات کرنے پر اکساتے تھے۔ ایک بار سردی کے زمانے میں ایک صحابی زخمی ہوئے پھر انھیں احتلام ہو گیا۔ لوگوں نے انھیں نہانے پر مجبور کیا جس کی وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا:

قتلوہ قتلھم اللہ ألم یکن شفاء العی السوال (ابوداؤد)

ان لوگوں نے اس کو مار ڈالا (خدا انھیں غارت کرے) کیا ناواقفیت کا علاج سوال نہیں تھا۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ اپنے مسائل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ان کے سوالات میں بعض شخصی زندگی سے متعلق ہوتے تھے۔ مگر بعض ایسے ہوتے تھے جو عام طور پر انسانوں کو پیش آتے ہیں۔ ان سوالات میں صحابۂ کرامؓ ذرا بھی نہ شرماتے تھے اور فوراً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کر لیتے تھے تاکہ اطمینان حاصل ہو جائے۔ اگر کوئی صحابی کسی وجہ سے ہچکچاہٹ محسوس کرتا تو وہ دوسرے صحابی کو حکم دیتا کہ وہ آپؐ سے دریافت کر لے۔ حضرت علیؓ اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ مجھے مذی بہت آتی تھی میں اس کے حکم کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے میں شرم محسوس کرتا تھا کیونکہ آپؐ کی

صاحبزادی حضرت فاطمہ میرے نکاح میں تھیں اس لئے میں نے حضرت مقداد بن اسودؓ کو حکم دیا کہ وہ آپؐ سے معلوم کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا:
یغسل ذکرہ ویتوضاء۔ اگر کسی شخص کو یہ پیش آئے تو وہ عضو تناسل کو دھوئے اور وضو کرے۔ (مسلم، احمد)

حضرت عقبہ بن الحارثؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرلے پھر بعد میں معلوم ہو کہ وہ اس کی رضاعی بہن ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا کیف وقد قیل؟ (اب کیسے ہو سکتا ہے جبکہ کہا جا چکا)۔

حضرت علی بن طلقؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے یا کسی دوسرے آدمی نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اسی حالت میں ران کھجلانے لگا کہ اچانک میرا ہاتھ عضو تناسل سے مس ہوگیا اس کا کیا حکم ہے (کیا وضو ٹوٹ جائے گا؟) آپؐ نے فرمایا "ھل ھو الا بضعۃ منک" (وہ تو جسم ہی کا ایک حصہ ہے)

اسی طرح صحابہ کرام کو عبادات وعقائد، معاملات اور دیگر اشیاء کے متعلق سوالات کرنے میں بھی حیا لاحق نہ ہوتی تھی بلکہ اگر کسی صحابی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث دوسرے صحابی کے واسطے سے پہنچتی تھی تو وہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسب فیض کی کوشش کرتا تھا اور آپؐ ہی کی زبانی سننے کا متمنی ہوتا تھا۔ حضرت ضمام بن ثعلبہؓ کی وہ حدیث تو بہت مشہور ہے جس میں ہے کہ وہ اپنی قوم کے نمائندوں کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپؐ سے کئی سوالات کیے تھے (بخاری کتاب العلم)

آپؐ سے اگر کوئی صحابی سوال کرتا یا کوئی مسئلہ پوچھتا اور آپ کو اس کا حکم نہ معلوم ہوتا تو وحی الٰہی کا انتظار کرتے پھر وحی سے معلوم ہوجانے کے بعد بتلاتے۔ حضرت سہل

بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک انصاری آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو خلوت میں دیکھے تو اسے قتل کر دے یا کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ تہمت لگانے والے پر حدِ قذف جاری ہوگی یا وہ بیّنہ پیش کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی والذین یرمون ازواجہم .... الآیۃ تب آنحضرتؐ نے ان کو بلایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اور تمہاری بیویوں کے معاملہ میں فیصلہ ہو گیا (بخاری کتاب اللعان)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے اور مسائل معلوم کرنے میں صحابیات بھی پیچھے نہ تھیں ان کو بھی اگر کوئی اشکال ہوتا تو فوراً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا کرتی تھیں حتیٰ کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے لئے ایک دن خاص کر دیجئے چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اے عورتو خوب صدقہ کیا کرو اور خوب استغفار کیا کرو کیونکہ میں نے جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ دیکھی ہے۔ ایک صحابیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا کیوں ہے؟ آپؐ نے فرمایا کیونکہ تم لعن طعن بہت کرتی ہو، میں نے تم سے زیادہ کسی ناقص العقل اور ناقص الدین کو نہیں دیکھا ہے جو عقلمندوں پر غالب آجاتی ہو۔ انھوں نے پھر سوال کیا یا رسول اللہ! نقصان عقل اور نقصان دین سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نقصان عقل تو یہ کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوتی ہے اور نقصان دین کہ عورت اپنے مخصوص عذر (حیض و نفاس) کی وجہ سے کئی کئی دن نماز اور روزوں سے رُکی رہتی ہے۔

صحابیات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مخصوص سوالات کرنے میں بھی نہ جھجکتی تھیں۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: بہترین عورتیں انصاری

عورتیں ہیں کیونکہ انھیں دین کے معاملے میں سوالات کرنے سے حیا مانع نہیں ہوتا
حضرت ام سلیمؓ نے ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ خواب میں اگر
عورت بھی وہی کچھ دیکھے جو مرد دیکھتا ہے تو کیا وہ غسل کرے گی۔ رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اگر تری محسوس ہو۔ حضرت عائشہؓ نے سوال کیا کیا عورت
بھی یہ سب دیکھتی ہے؟ فرمایا کیوں نہیں پھر بچہ مشابہ کیسے پیدا ہوتا ہے؟

اسی طرح اگر کسی معاملہ میں دو صحابہ کے درمیان نزاع ہو جاتا تو وہ رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح بات معلوم کرنے کے لئے رجوع کرتے تھے۔ حضرت
عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار ہشام بن حکیم بن حزام کو سورۂ فرقان میں
کچھ ایسے حروف پڑھتے ہوئے سنا جو مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں
بتلائے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ قرات تم کو کس نے تبلائی ہے؟ انھوں نے
کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، میں نے کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو ایسا نہیں پڑھایا ہے۔ پھر میں ان کا ہاتھ پکڑ کر رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا کہ آپؐ نے مجھ کو سورۂ فرقان
پڑھائی ہے۔ میں نے ان سے سنا وہ اس میں کچھ حروف پڑھا رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے
ہشام سے فرمایا پڑھو، انھوں نے پڑھا تو فرمایا: هكذا انزلت (اسی طرح نازل
ہوئی ہے) پھر مجھ سے کہا پڑھو میں نے پڑھا تو فرمایا: هكذا انزلت، إن القرآن
انزل على سبعة احرف فاقرأوا ما تيسر (احمد) (اسی طرح نازل ہوئی۔
دراصل قرآن سات طریقوں سے نازل ہوا ہے لہذا جس طرح سہولت ہو اس
طرح پڑھو)

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کا مشاہدہ:

تحصیل حدیث کی تیسری صورت یہ تھی کہ صحابۂ کرامؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے افعال و اعمال کا مشاہدہ کرتے تھے پھر ان پر عمل کرنے اور اپنی زندگیوں میں جاری و ساری کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے "أوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من أول اللیل و آخرہ ووسطہ فانتہی وترہ إلی السحر (احمد) رسول اکرمؐ نے ایک بار اول لیل میں وتر پڑھی ایک بار آخر لیل میں ایک بار وسط لیل میں یہاں تک کہ ایک بار سحر سے پہلے پہلے تک وتر کی نماز پڑھی)

حضرت سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں: أنہ رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وأبا بکر و عمر یمشون أمام الجنازۃ (احمد، ابوداؤد) انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ کو جنازہ کے آگے آگے چلتے ہوئے دیکھا ہے) حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ ایک بار ہم لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھنے ہی جا رہے تھے کہ آپؐ نے اشارہ سے ہم لوگوں کو کھڑے رہنے کا حکم دیا اور خود چلے گئے پھر جب واپس آئے تو آپؐ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ نماز پڑھانے کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ نماز پڑھاتے وقت مجھے یاد آ گیا تھا کہ میں جنبی ہوں۔ اگر تم میں سے کسی کو ریاح محسوس ہو یا میری طرح کی حالت پیش آئے تو وہ چلا جائے اور حاجت پوری کرنے کے بعد آکر نماز پڑھے (احمد، ابوداؤد)

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریرات کا مشاہدہ :

تحصیل حدیث کا ایک طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریرات کا مشاہدہ تھا۔ تقریر کی تعریف محدثین یوں کرتے ہیں کہ کوئی صحابی آنحضرتؐ کی موجودگی میں کچھ کرے یا کہے اور آنحضرتؐ اس کو منع نہ کریں اور خاموش رہیں "ومعنی التقریر أنہ فعل أحد أو قال شیئاً فی حضرتہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم ینکرہ ولم ینہہ

عن ذلك بل سكت وقرّر (مقدمہ مشکوٰۃ مولانا عبدالحق محدث دہلوی)

ایک بار آنحضرتؐ نے چند صحابہ کو ایک جگہ بھیجا اور فرمایا: لا یصلّین احدکم العصر الا فی قریظۃ (تم لوگ عصر کی نماز بنی قریظہ میں پہنچ کر پڑھنا) رسول اکرمؐ کے اس فرمان سے بعض صحابہ نے نہی کو حقیقت پر محمول کیا چنانچہ انھوں نے عصر کی نماز مغرب کے بعد تک مؤخر کی اور بنی قریظہ ہی میں جاکر ادا کی اور بعض صحابہ یہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ ہم لوگ عصر تک بنی قریظہ پہنچ جائیں چنانچہ انھوں نے عصر کے وقت ہی نماز پڑھ لی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے اس معاملے کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے "تقریر" فرمائی اور کسی کی تنکیر نہیں کی (صحیحین)

اسی طرح آپؐ کی خدمت میں ایک مرتبہ گوہ کا گوشت پیش کیا گیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے تو کھالیا مگر آپ نے نہیں کھایا صحابہ نے پوچھا کہ کیا اس کا گوشت حرام ہے؟ آپؐ نے فرمایا: لا ولکنہ لیس فی ارض قومی فأجدنی اعافہ (نہیں بلکہ یہ میرے وطن میں نہیں پایا جاتا ہے اس کے لیے میری طبیعت کراہت کرتی ہے)

۵۔ دیگر صحابۂ کرامؓ کا واسطہ:

صحابہ کرامؓ تحصیل سنت یوں بھی کرتے تھے کہ اگر کسی ضرورت سے کسی دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر نہ ہوسکتے تھے تو ان صحابہ سے حاصل کر لیتے تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شریک ہوتے تھے اور آپ کے افعال و اقوال کا مشاہدہ کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| لیس کل ما نحدثکم عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، سمعناہ (عنہ) ولکن کان یحدث بعضنا بعضاً۔ | ہم جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں وہ آپ سے سنا نہیں ہے بلکہ ہم میں سے بعض بعض کے واسطے سے حدیث |

ولا یتهم بعضنا بعضا

(المحدث الفاصل)

بیان کرتا تھا اور کوئی کسی کو متہم نہ کرتا تھا۔

حضرت براء بن العازبؓ فرماتے ہیں:

لیس کلنا کان یسمع حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کانت لنا ضیعة واشغال ولکن الناس لم یکونوا یکذبون یومئذ فیحدث الشاهد الغائب

(المحدث الفاصل بین الراوی والواعی)

ہم میں سے تمام لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث نہیں سنتے تھے۔ ہماری زمینیں تھیں اور بہت سے کام تھے لیکن لوگ اس زمانے میں جھوٹ نہیں بولتے تھے چنانچہ شاہد غائب کو حدیث سنا دیتا تھا۔

انہیں سے ایک دوسری روایت ہے۔ فرماتے ہیں:

ما کل الحدیث سمعناه عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یحدثنا أصحابنا وکنا مشتغلین فی رعایة الإبل واصحاب الرسول کانوا یطلبون ما یفوتهم سماعه من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیسمعونه من أقرانهم

(معرفة علوم الحدیث)

تمام احادیث ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی ہیں۔ ہم سے صحابہ حدیث بیان کرتے تھے اور ہم اونٹ چرانے میں مشغول رہتے تھے۔ ہم اصحاب رسول اگر کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سن پاتے تھے تو اپنے رفقاء سے حاصل کر لیتے تھے۔

۷۔ وفود:

تلقی حدیث کا ایک ذریعہ وہ وفود تھے جو اپنے قبائل کے نمائندے بن کر خدمت نبوی میں حاضر ہوتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جب کوئی بڑی سیاسی قوت اسلام کے

ختم نہ رہ گئی اور اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ وفود کا تانتا بندھ گیا حتیٰ کہ اسلامی تاریخ میں اس سال کو عام الوفود سے یاد کیا جاتا ہے۔ پورے عرب اور اس سے باہر سے بھی بہت سے وفود آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اسلامی احکام و تعلیمات حاصل کرتے تھے اور اس کے بعد اپنی قوم میں جا کر لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے۔ ان میں سے وفد بنی تمیم، وفد بنی سعد، وفد نجیب، وفد بنی عامر، وفد بنی زبید، وفد عبدالقیس، وفد اہل یمن، وفد مزینہ بہت مشہور ہیں۔ حضرت ضمام بن ثعلبہؓ کا واقعہ کتب حدیث میں بہت آتا ہے وہ وفد بنی سعد کے ساتھ آئے تھے۔

## ۷۔ ازواج مطہرات:

تحصیل حدیث کا ایک ذریعہ ازواج مطہرات کی ذات تھی ازواج مطہرات کی وجہ سے ہم کو وہ بہت سے داخلی اور گھریلو مسائل معلوم ہوئے کہ اگر وہ نہ ہوتیں تو ہرگز نہ معلوم ہو سکتے تھے۔ حیض و نفاس، غسل و جماع کے سلسلہ میں تقریباً جملہ معلومات ..... صرف ازواج مطہرات ہی کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں۔

اگر صحابیات کسی مسئلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم محسوس کرتیں تو ازواج مطہرات ہی کو وسیلہ بنا لیتی تھیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابیہ کو بہت دم آتا تھا۔ انھوں نے حضرت ام سلمہؓ سے مسئلہ پوچھا۔ انھوں نے جواب دیا لتنظر عدة الليالى والايام التى كانت تحيضهن من الشهر الخ (یعنی مہینہ کے جن دنوں میں اسے پہلے حیض آتا تھا اس کا اعتبار کرے گی)

ایک صحابی نے حالت صوم میں اپنی بیوی کو بوسہ دیا پھر بعد میں بہت خوف ہوا چنانچہ اپنی بیوی کو اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا وہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئیں اور ان سے مسئلہ معلوم کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بحالت صوم ہیں بوسہ دیتے ہیں۔ صحابیہ نے واپس آکر شوہر کو بتلایا مگر وہ اور بھی غمزدہ ہوئے، کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے بہت کچھ جائز کر رکھا ہے چنانچہ انھیں دوبارہ بھیجا وہ پھر واپس گئیں اس وقت وہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے۔ آپؐ نے ام سلمہؓ سے ان کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے تفصیلات بتلائیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آگیا۔ آپؐ نے فرمایا:

واللہ إنی لأتقاکم للہ وأعلمکم بحدودہ (یعنی میں تم میں سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کے حدود سے واقفیت رکھنے والا ہوں پھر جب میں یہ سب کرتا ہوں تو تم لوگ کیوں نہیں کرتے)۔

اسی طرح اگر کوئی صحابیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ دریافت کرتیں اور اس کا جواب صراحتہً دینا آپؐ پسند نہ کرتے تو ازواج میں سے کسی کو حکم دیتے اور وہ ان کو سمجھا دیتیں۔ ایک صحابیہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں حیض سے کیسے پاک ہوں جبکہ دم استحاضہ آرہا ہو۔ آپؐ نے فرمایا: خذی فرصۃ ممسکۃ تتوضی بہا (یعنی خوشبو میں بسایا ہوا ایک روئی کا ٹکڑا لے لو اپھر اس سے طہارت حاصل کرو۔) انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ اس سے کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپؐ نے پھر وہی فرمایا مگر وہ نہ سمجھیں تو آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو اشارہ کیا کہ انھیں سمجھا دیں۔ انھوں نے ان کو سمجھا دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ روئی کا ایک صاف ٹکڑا لو اور اس سے دم کے اثر کو پونچھ دو (متفق علیہ)

## ۸۔ کتابت:

صحابہ کرامؓ کے تحصیل حدیث کا ایک اہم ذریعہ کتابت تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے شروع میں کتابت حدیث سے منع کر دیا تھا مگر بعد میں اجازت دے دی تھی اس سے ہم یہاں بحث نہیں کریں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ نے حدیث کے بہت سے مجموعے تیار کر لئے تھے ۔ یہ موضوع بحث سے خارج ہے۔ یہاں ہم صرف اس موضوع پر بحث کرنا چاہتے ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے متعدد تحریری شکل میں احادیث حاصل کی ہیں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طویل خطبہ دیا تھا اور اسلام کے جو اصولی احکام بیان فرمائے تھے۔ یمن کے ایک صحابی حضرت ابو شاہ کی خواہش پر آپؐ نے وہ خطبہ لکھ کر ان کے حوالے کرنے کا حکم دیا (بخاری کتاب العلم) صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ میں آپؐ نے جزیرۂ عرب کے رؤسا و ملوک اور روم و ایران کے شہنشاہوں اور سلاطین کے نام خطوط ارسال کئے تھے (طبقات ابن سعد) ایک بار آپؐ نے چند صحابہ کو ایک سریہ میں بھیجا اور ان کو ایک خط بھی دیا اور فرمایا کہ اس کو فلاں جگہ پہنچ کر کھولنا، آپ نے زکوٰۃ کے احکام، مختلف چیزوں پر زکوٰۃ اور اس کی شرحیں لکھوا کر، مختلف امراء کو بھیجی تھیں اور وہ حضرت ابوبکرؓ اور کئی دیگر صحابہ کے پاس موجود تھیں (دارقطنی کتاب الزکوٰۃ) حضرت عمرو بن حزمؓ کو یمن کا گورنر مقرر کرتے وقت آپؐ نے صدقات، دیات اور فرائض و سنن کے متعلق ایک تحریر لکھوا کر حوالے کی (جامع بیان العلم) آپؐ نے اپنی وفات سے کچھ دن قبل قبیلہ جہینہ کی طرف یہ لکھوا کر بھیجا تھا، لا تنتفعوا من المیتۃ باِھاب ولا عصب (مُردار کی کھال اور پٹھے سے انتفاع نہ کرو)۔ حضرت وائل بن حجرؓ جب بارگاہ نبوی سے رخصت ہو کر اپنے وطن حضر موت جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر ان کو ایک تحریر لکھوا کر دی جس میں نماز، روزہ، سود اور شراب کے متعلق احکامات تھے۔ آپؐ نے اہل یمن کو جو مسئلے لکھوا کر بھیجے تھے ان میں مس قرآن،

ق رقبہ اور طلاق کے مسائل تھے (دارمی) حضرت معاذؓ نے یمن سے سبزیوں کی زکوٰۃ
متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے تحریری جواب دیا کہ سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں (دارقطنی)
مکہ کے بعد عام الوفود میں وفد تجیب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
ضر ہوئے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف چیزوں کے متعلق سوالات
ۓ اور آپؐ نے معاذؓ کے سارے سوالات کے جوابات لکھوا کر دیے (زاد المعاد)
نے یہاں صرف چند احادیث بطور مثال ذکر کی ہیں ورنہ آپؐ نے وقتاً فوقتاً جو
ری احکام، خطوط، صلحنامے و دعوت نامے لکھوائے ہیں ان کی تعداد سیکڑوں
متجاوز ہے۔

## صیل حدیث میں صحابہ کرامؓ کی جانفشانیاں :

صحابہ کرامؓ کے تحصیل حدیث کے یہ چند طریقے تھے ورنہ انھوں نے اور بھی متعدد
یقوں سے اور بڑی ہی جانفشانیوں اور جد وجہد سے احادیث حاصل کیں اور
رف یہی نہیں بلکہ انھیں اپنی زندگیوں پر منطبق کیا، اپنی زندگیوں کو احادیث کے
انچے میں ڈھالا اور اسی کے رنگ میں رنگ گئے۔ صحابہ کرامؓ احادیث کی زندہ اور
تی پھرتی کتابیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی سنا اور آپؐ کو جیسا
تے دیکھا سب کو اپنی زندگیوں پر جاری و ساری کیا اور اپنے مابعد کے لوگوں کے
ۓ احادیث کا ایک ایسا عظیم ذخیرہ ہر طرح کی تحریفات سے محفوظ صورت میں پیش
یا جو انسانی زندگی کے ہر گوشے اور ہر زمان و مکان کے لئے پیش کیا جا سکتا
ہے۔

# امام ابوزرعہ رازیؒ

جناب اسیر ادروی۔ ادری (اعظم گڑھ)

**بیان خطأ البخاری فی تاریخہ** اسی سلسلہ کی یہ دوسری کتاب ہے کتاب میں ابوزرعہ نے التاریخ الکبیر میں جو غلطیاں اور اوہام تھے یا بعض تراجم میں نقص تھا یا اسماء وکنیٰ کے تلفظ یا روایت میں یا ان کے مقام ومرتبہ میں جو افراط وتفریط آگئی تھی ان خامیوں کو دور کیا گیا ہے خود ابوزرعہ کا اس سلسلہ میں بیان ہے، ابوعلی صالح بن محمد الحافظ کہتے ہیں

قال لی ابوزرعة یا ابا علی نظرت فی کتاب محمد بن اسماعیل هذا اسماء الرجال فاذا فیه خطأ کثیر فقلت له بلیته انه رجل کل من کان یقدم علیه من العراق من اهل بخارىٰ نظر فی کتبهم فاذا رأى اسماء لایعرفه ولیس عنده کتبه وهم لایضبطون تکون کتبهم غیر منقوطة فیضمه فی کتابه خطأ والا فما رأیت خراسانیا افهم منه لولانی لسانه وفی ذلک الکتاب اسام

ابوزرعہ نے مجھ سے کہا کہ میں نے امام بخاری کی کتاب دیکھی تو مجھے اس میں بہت سی غلطیاں نظر آئیں تو میں نے ان سے کہا کہ خود مجھے بھی اس کا تجربہ ہے کوئی بھی عراق وغیرہ سے آتا تو وہ ان کی کتابوں کو دیکھتے اور جب ان میں کوئی ایسا نام نظر آتا جس کے بارے میں ان کو علم نہ ہوتا تو اس کو لکھ لیتے جب کہ ان کی کتابوں میں نقطے نہیں دیے جاتے تھے اس لیے غلطیوں کا امکان اور بڑھ جاتا تھا یہ بات اپنی جگہ ضرور ہے کہ اتنا فہیم وفطین کوئی خراسانی نہیں ہے لیکن اس کو

لانعرف ولعلهم ممن روى عنهم عن رواة شئ روافيتعجب الانسان فيه ،

گیا گیا ہے کہ اس کتاب میں بہت سے غیر معروف نام ہیں اور ان کا صحیح تعارف نہیں کیونکہ یہ نہیں بتایا گیا کہ کس سے کس نے روایت کی یا کن لوگوں نے اس سے روایت کی اور کیا روایت کی ہے یہ صورت حال دیکھ قاری متحیر ہو جاتا ہے کہ راوی کی تعیین کیسے کرے۔

قال : سألني خالد بن احمد ابو الهيثم ان انظر له شيئاً في هذا الكتاب فاصحح له فنظرت فغيرت اشياء اخطأ فيه وصحف ورأيت محمد بن اسماعيل ببغداد يقرأ عليهم هذا الكتاب فقال ، وابراهيم بن شعيب روى عنه ابن وهب فقلت له انما هو ابراهيم بن خعيث ثم قلت له انك تنظر في كتب الناس فاذا مر بك اسم لا تعرفه اخذته والخطأ فيه من غيرك لانهم كانوا لا يضبطون له

ابوزرعہ نے کہا کہ خالد بن احمد ابوالہیثم نے مجھ سے کہا کہ میں اس کتاب پر ایک نظر ڈالوں اور جو غلطیاں ہیں اس کو درست کر دوں تو میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی ترمیم کر دی اور غلطیوں کی تصحیح کر دی میں نے خود بخاری کو بغداد میں دیکھا کہ وہ اپنی کتاب سنا رہے تھے اور کہا ابراہیم بن شعیب "روی عنہ ابن وہب" تو میں نے ان سے کہا کہ وہ ابراہیم بن شعیب نہیں ابراہیم بن شعیث ہے۔

پھر میں نے ان سے کہا کہ آپ دوسروں کی کتاب دیکھتے ہیں ان میں جو نام نیا ملتا ہے تو اس کو آپ لے لیتے ہیں حالانکہ ان کی کتاب میں وہ نام غلط لکھا ہوا ہوتا ہے اس

---

لہ : ۔ موضح اوہام الجمع والتفریق ج ۱ ص ۱۲

لیے آپ کی کتاب میں بھی ...

ہو جاتا ہے اس لیے دوسروں کی غلطی آپ

کی کتاب میں داخل ہو جاتی ہے۔

اس تفصیل سے صحیح صورت حال ظاہر ہو جاتی ہے کہ ابوزرعہ کی یہ کتاب بہت سی ان غلطیوں سے پردہ اٹھا دیتی ہے جو دوسری کتابوں کے غلط اندراجات کی وجہ سے بخاری کی کتاب میں نقل ہو جانے کی وجہ سے پڑا ہوا ہے، اس لیے ابوزرعہ کی یہ کتاب اپنی افادیت کے لحاظ سے بہت اہم اور مفید ہے اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے صحیح راہنما اور دلیل راہ، کتاب کا مقصد امام بخاری پر اعتراض کرنا نہیں بلکہ دوسروں کی غلطیاں جو اس کتاب میں آگئی ہیں ان کا ازالہ مقصود ہے۔

**دوسری تصنیفات** کتاب نوائد الرازیین، کتاب الفوائد، کتاب الفضائل اور کتاب اعلام النبوۃ یا دلائل النبوۃ بھی ابوزرعہ کی تصانیف میں شامل ہیں، حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ابوزرعہ کی دلائل النبوۃ کا ذکر کیا ہے[1] اور اس حدیث کو بیان کیا ہے جو ابوزرعہ نے شب معراج میں حضورؐ کے مشاہدات کے سلسلہ میں نقل کیا ہے، دلائل النبوۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے متعلق صحیح روایتوں کو جمع کیا گیا ہے جیسے انشقاق قمر یا بعض صحابہ کے ہاتھ کی چھڑی تاریک رات میں روشنی دینے لگی تھی، یا جو پیشگوئیاں حضورؐ نے فرمائی ہیں اس سلسلہ میں ابوزرعہ کے نزدیک جو صحیح روایتیں تھیں ان کو پیش کیا ہے اور جو روایت ضعیف معلوم ہوئی اس کو ترک کر دیا۔ ابوزرعہ کی کتابوں میں کتاب السیر، کتاب المختصر، کتاب الزہد، کتاب الاطعمہ، کتاب الصوم، کتاب الادب، کتاب الوضوء کتاب الشفعہ، کتاب الافراد اور کتاب العلل کے نام ہیں، ان کا سراغ اجوبۃ ابی زرعۃ علی اسئلۃ البرذعی، کتاب علل الحدیث، الاصابہ، تقدمہ الجرح والتعدیل کے اندر ان کتابوں کے حوالے سے ملتا ہے ورنہ کسی کتب خانے میں ان میں سے کسی کا وجود نہیں ملتا اور سب ناپید ہیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۴ ص ۲۵۹-۲۶۰

## خصوصیات و امتیازات و فضل و کمال

ہمارے اسلاف میں حفاظ و محدثین کی قوت حافظہ کے حیرتناک واقعات تاریخوں میں محفوظ ہیں، یہ افسانوی داستانیں نہیں بلکہ ان حضرات کو امتحان و آزمائش کے مرحلوں سے بھی گذرنا پڑا ہے اور جب یہ واقعتاً ثابت ہوئے اور شہادت یوں کر ثابت ہوا تو تاریخ نے ان حیرتناک قوت حفظ کے مالک افراد کو اپنے اوراق میں ثبت کرکے خلعت دوام بخش دیا امام ابوزرعہ کا بھی شمار انہیں حضرات میں ہے۔ خود ان کا اپنا بیان ہے:

ان فی بیتی ما کتبتہ منذ خمسین سنۃ ولم اطالعہ منذ کتبتہ وانی اعلم فی ای کتاب ھو، فی ای ورقۃ ھو، فی ای صحیفۃ ھو فی ای سطر ھو[1]

میرے گھر میں وہ تمام مخطوطے ہیں جو میں نے پچاس سال سے لکھے ہیں میں نے پھر ان کو دیکھا نہیں، لیکن میں بتا سکتا ہوں کہ فلاں حدیث فلاں کتاب فلاں ورق فلاں صفحہ اور فلاں سطر میں ہے۔

مشہور محدث ابوبکر ابن شیبہ کا قول ہے:

ما رأیت احدًا احفظ من ابی زرعۃ الرازی[2]

میں نے ابوزرعہ رازی سے زیادہ قوت حفظ کا مالک کسی کو نہیں دیکھا۔

دوسرے مشہور فقیہ و محدث اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے:

کل حدیث لا یعرفہ ابوزرعۃ فلیس لہ اصل[3]

ابوزرعہ جس حدیث کو نہ جانیں تو سمجھ لو کہ اس کی کوئی اصل نہیں

---

[1] تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ج ۱۰ ص ۳۳۲ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۳۔
[2] ایضاً ج ۱۰ ص ۳۳۱۔
[3] ایضاً 〃 ص ۳۳۲۔

امام اسحٰق حنظلی جو ابوزرعہ کے شیخ ہیں ان کا بیان ہے:

هذا الثقة الامين ابا زرعة قد حفظ ستمائة الف[۱]

ابوزرعہ کو چھ لاکھ حدیثیں یاد ہیں۔

ابوبکر محمد بن عمر الطرازی الحافظ فرماتے ہیں:

لم يكن في هذه الامة احفظ من ابي زرعة كان يحفظ سبعمائة الف حديث وكان يحفظ مائة واربعين الفا في التفسير والقراءات[۲]

اس امت میں ابوزرعہ سے زیادہ قوت حافظہ کا کوئی مالک نہیں۔ سات لاکھ حدیثیں ان کو یاد ہیں، ایک لاکھ چالیس ہزار حدیثیں تو صرف تفسیر اور قراءت سے متعلق ہیں۔

ابوزرعہ کے علم وفضل کی شہادت کے لئے صرف ایک واقعہ کافی ہے، اس کے راوی نیساپور کے محدث حافظ حدیث حضرت مکی بن عبدان ہیں۔ ان کا بیان ہے:

سمعت مسلماً يقول عرضت كتابي هذا على ابي زرعة الرازي فكل ما اشار ان له علة تركته وكل ما قال انه صحيح وليس له علة خرجته[۳]

میں نے امام مسلم سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے صحیح مسلم کو ابوزرعہ رازی کے سامنے پیش کیا، جس حدیث میں انھوں نے علت بتائی میں نے اس کو قلم زد کر دیا اور جس کے بارے میں کہا کہ صحیح ہے اور اس میں کوئی علت نہیں تو میں نے اس کو اپنی جگہ باقی رکھا۔

---

۱؎ تاریخ بغداد جلد ۱۰ ص ۳۲۲۔

۲؎ تہذیب الکمال ص ۳۴۲۔

۳؎ تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۳۴۲۔

مشاہیر اہل علم اور جلیل القدر محدثین کی مجلسوں میں ابوزرعہ کا کیا مقام و مرتبہ تھا اس کی وضاحت کے لئے حضرت امام احمد بن حنبل کا واقعہ کافی ہے۔ امام صاحب کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ حضرت ابوزرعہ جب بغداد آتے تھے تو ہمارے یہاں قیام کرتے تھے اور جب تک وہ قیام کرتے والد صاحب (امام احمد بن حنبل) معمول کے مطابق جو نوافل پڑھا کرتے تھے ان کے آنے کی وجہ سے ترک کر دیتے تھے اور ان اوقات میں ان سے مذاکرۂ حدیث میں مصروف رہتے تھے یعنی ابوزرعہ سے مذاکرہ کو نفل نمازوں پر ترجیح دیتے تھے، ابوزرعہ کے شیخ اور استاذ ہوتے ہوئے بھی امام احمد کو جن حدیثوں کی صحت میں توقف تھا ابوزرعہ سے استصواب کے بعد ان کی صحت کو تسلیم کیا اور ان کا تردد دور ہوا[1]

امام بخاری سے بالمشافہ گفتگو کرکے ان کی کتاب "التاریخ الکبیر" میں جو غلطیاں دخل پاگئی تھیں۔ ان کی نشان دہی کی اور امام بخاری نے اس کو تسلیم کرکے ابوزرعہ کے کمال علم وفضل کا اعتراف کیا[2]

**ابوزرعہ کا مسلک** فقہی مسلک کے لحاظ سے شہر رے میں امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک رائج تھا، امام ابوزرعہ الرازی بھی اپنے شہر کے اہل علم کے طریقے کے مطابق حنفی المسلک تھے، ابوزرعہ کا بیان ہے:

| | |
|---|---|
| کان اهل الرّی قد افتتنوا بابی حنیفة وکنا احداثاً[3] | تمام اہل رے حنفی المسلک تھے یہ ہماری نوجوانی کا زمانہ تھا۔ |

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۳۳۰ ـ ۳۳۱۔ [2] موضح اوہام الجمع والتفریق ج ۱ ص ۷ [3] تہذیب الکمال للمزی ورقہ ۴۴۲۔

انھوں نے امام ابو حنیفہ کی کتابوں کو بڑے اہتمام سے یاد بھی کر لیا تھا اور یہ کتابیں ان کے نوک زبان تھیں[1] پھر مصر میں انھوں نے امام شافعی کی کتابوں کی نقل حاصل کی، طلب حدیث کے سلسلے میں امام احمد بن حنبل سے مسلسل ملاقات و استفادہ کا سلسلہ جاری رہا، اس طرح تین فقہی مسلک ان کی نگاہوں کے سامنے پوری تفصیل سے آچکے تھے، لیکن ان کی کتابوں سے کسی خاص مسلک کی ترجیح واضح طور پر نہیں ملتی جن لوگوں نے ان کو حنبلی الرائے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ صرف قیاسات پر مبنی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ابو زرعہ اور ان کے معاصرین امام بخاری امام مسلم وغیرہ فقہا الحدیث تھے، علم حدیث سے کثرتِ شغف کی بنا پر وہ سنت نبوی کے مزاج داں ہو چکے تھے ان کے سامنے روایات و احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ ان کا اخاذ ذہن وہ ماغ خود مسئلہ استنباط کر لیتا تھا اور ان کو درجۂ اجتہاد حاصل تھا، ایسے تمام محدثین کسی خاص فقہی مسلک کے پابند نہیں تھے بلکہ بحیثیت مجتہد انھوں نے جس مسئلہ کو ترجیح دی وہی ان کا مسلک تھا ان کو ائمہ اربعہ میں سے کسی خاص فقہی مسلک کے گروہ میں شامل کرنا صحیح نہیں ہے۔

ان کے زہد و تقویٰ کے بارے میں ان کے دوست اور شریک درس اور ہم وطن مشہور محدث امام ابو حاتم رازی بیان فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| ازهد من رأيت اربعة آدم بن ابی ایاس وثابت بن محمد الزاهد وابو زرعة واحمد بن حنبل[2] | میں نے چار افراد کو سب سے زیادہ زاہد پایا، آدم بن ابی ایاس، ثابت بن محمد زاہد اور ابو زرعہ اور امام احمد بن حنبل۔ |

---

[1] اجوبة ابی زرعة علی اسئلة البرذعی ص ۳۶۔

[2] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۷۵۔

**وفات** حضرت ابوزرعہ کی پوری زندگی تحصیل علم حدیث اور اس کی خدمت میں صرف ہوئی۔ کئی لاکھ حدیثیں اپنے ہاتھ سے نقل کیں، راویوں کے حالات کی جستجو کر کے ان کے بارے میں صحیح رائے قائم کی اور اپنے علم وفضل کی یادگار دو درجن تصانیف چھوڑیں اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کے سلسلہ میں اپنی راویوں کا بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا جو تحقیق وتنقید کی راہ پر چلنے والوں کے لئے منارۂ نور ہیں۔ قابل رشک اور پاکیزہ زندگی کے شب وروز گذر رہے تھے کہ وقت موعود آگیا زبان پر ذکر الٰہی جاری تھا۔ ابوحاتم رازی کا بیان ہے کہ آخری وقت ان کی زبان پر تھا اللهم انی اشتاق الی رؤیتك فان قال لی بای عمل اشتقت الیّ ؟ قلت برحمتك یا رب[1]، علم حدیث کے ذوق، شوق اور سنت نبویہ سے والہانہ شیفتگی و وارفتگی کا یہ نتیجہ تھا کہ نزع کے عالم میں بھی انھوں نے ایک حدیث ہی بیان کی، واقعہ یہ ہوا کہ آخری وقت میں علماء و محدثین موجود تھے لیکن لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللہ کے بموجب فرط ادب کی وجہ سے تلقین نہیں کر رہے تھے تو محدثین نے آپس میں کہا کہ آؤ ہم لوگ حدیث کا مذاکرہ کریں لیکن اس میں بھی وہ ناکام رہے کیونکہ کوئی محدث سند سے آگے کچھ نہیں کہہ پاتا تھا، تب ابوزرعہ نے فرمایا حدثنا بندار حدثنا ابوعاصم حدثنا عبدالحمید بن جعفر عن صالح بن ابی ایوب عن کثیر بن مرة الحضرمی عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان اٰخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنة،

حدیث تمام ہوئی اور ان کی روح عالم قدس کو پرواز کر گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون یہ دوشنبہ کا دن تھا اور ذی الحجہ ۲۶۴ھ کی کوئی تاریخ، رحمہ اللہ۔

(ختم)

---

[1] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۳۴۶۔

# عربی ادب میں ہندوستانی فضا

مولوی سید محمد ضیاء الدین شمسی طہرانی لکچرار شعبہ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ عربی زبان میں ادب کا تصور اس قدر وسیع ہے کہ اس کا تعین مشکل ہے۔ تاریخ ادب عربی کے مصنف استاذ احمد حسن زیات کے نزدیک بھی ادب کا اطلاق شعر و سخن کے علاوہ ان تمام تصانیف پر ہوتا ہے جو کسی علمی یا ادبی شعبے میں تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ عربی زبان کا ادب دنیا کی تمام دوسری زبانوں کے مقابلے میں زیادہ مالا مال ہے کیونکہ اسلام پھیلنے کے بعد عربی زبان صرف ایک ہی قوم کی زبان نہ رہی بلکہ ان تمام اقوامِ عالم کی زبان بھی بن گئی جو وقتاً فوقتاً اسلام کی دعوت قبول کرتی رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِس زبان نے یونانیوں، ایرانیوں، یہودیوں، ہندیوں اور حبشیوں کے قدیم علوم و فنون اور ادبی روایات کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ عربوں کے ادب پر ہندوستان کا کس قدر اثر ہوا تھا اس کا ابھی تک کوئی معقول جائزہ نہیں لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور مستشرق ڈاکٹر نکلسن نے اپنی سہل انگاری کی بنا پر یہ رائے قائم کر لی کہ عربوں کے ادب پر علمِ ادب، علمِ نجوم اور علمِ طب میں یونانیوں کے علوم کی بہ نسبت ہندی علوم کا بہت کم اثر ہوا (تاریخ ادب عربی از ڈاکٹر نکلسن) اگر نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو ہندوستانی علوم کا اثر عربوں کے ادب پر یونانی علوم کے

کسی طرح کم نہیں۔ عربی ادب میں ہندوستانی فضا کی نشاندہی کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ سردست اس موضوع کے مختلف اور بے حساب گوشوں میں سے صرف ایک گوشے پر مختصر طور پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

عرب و ہند کے تعلقات کا سلسلہ ماقبل تاریخ کے عہد سے ملتا ہے۔ مصر اور عرب میں پائی جانے والی بہت سی اشیاء اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ ان ممالک میں تجارت کا سلسلہ تین ہزار سال قبل مسیح سے قائم تھا۔ ہندوستانی جہاز جو معمولی بادبانوں اور بے شمار ملاحوں کے ذریعہ چلتے تھے ہندوستانی مال مثلاً گرم مسالے موتی روئی، ریشم، ململ اور جواہرات و عنبر لے کر عرب اور عراق جاتے تھے۔ وادی سندھ یعنی موہنجو دارو کے لوگ عربوں سے قریبی تعلقات رکھتے تھے۔

عرب تاجروں کا بھی ہندوستان میں آنا جانا تاریخی حقیقت ہے۔ تاریخی طور پر ثابت ....... ہے کہ ایک عرب ملاح ہی نے واسکوڈی گاما کو ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کرنے میں مدد دی تھی اور احمد بن ماجد بھی عرب ملاح ہی تھا جس نے ۱۴۹۸ء میں مالندی (مشرقی افریقہ) سے کالی کٹ تک پہنچنے میں واسکوڈی گاما کی رہنمائی کی تھی۔

یہ تجارتی تعلقات ہی کا نتیجہ تھا کہ عرب میں قدیم زمانے سے ہندوستان کی بہت سی چیزیں کثرت سے استعمال ہوتی تھیں اور عربوں کی زندگی میں ان کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اس کا اندازہ عرب شعراء کے کلام سے بھی ہوتا ہے جنھوں نے اشعار میں ہندوستان کی بہت سی چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ اس ذکر سے عربی ادب میں ہندوستانی فضا کا تصور ابھرنے لگتا ہے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں:

## ہندی تلوار

قدیم زمانے سے ہندوستان کی تلواریں عربوں کی بہادری میں چار چاند لگاتی

ہیں۔ عربی میں ہندی تلوار کے کئی نام ہیں، سیف، ہند، ہندی، مہند، مہندا
سند والی اور قلعی۔ شریف ادریسی نے نزہتہ المشتاق میں لکھا ہے کہ جنوبی
کے بلادِ سفال اور بلادِ زنج میں لوہے کی کانیں ہیں مگر یہاں کے باشندے تجا
فروخت کرتے ہیں اور ہندوستان کے لوگ اس کی تلواریں بناتے ہیں۔"
(نزہتہ المشتاق ص ۲ مطبوعہ علی گڑھ) عربی شاعری میں ہندی تلوار کا ذکر
کثرت سے آیا ہے جس کثرت سے خود ہندی تلوار استعمال ہوتی تھی۔ زہیر
ابی سلمی نے کہا ہے ؎

کالھند وانی لا یخزیك مشھدہٗ
وَسطَ السیوف اذا ماتضرب البُھَمُ

یعنی دوسری تلواروں کے درمیان میں ہندی تلوار تم کو میدان جنگ میں ناکام
نہیں کرسکتی ہے جبکہ اسلحہ بند لشکر میں جنگ ہو۔

## ہندی نیزے

ہندی تلواروں کی طرح عرب میں ہندی نیزے بھی بہت مشہور تھے
عام طور سے عمان سے لے کر بحرین تک کے علاقے میں تیار کیے جاتے تھے جسے
کہتے تھے اس کے لئے سندھ، گجرات اور بھروچ سے بانس اور بید آتے
پھر ان کو یہاں نیزے کی شکل دی جاتی تھی۔ خطی اور سمہری نیزے ہندوستا
لکڑی کے ہی بنتے تھے، ابنِ منظور دمشقی نے لسان العرب میں لکھا ہے:

وقد کثرمجیئھا فی اشعارھا

یعنی اشعارِ عرب میں اس کا ذکر بہت کثرت سے آیا ہے۔ ابوزبید طائی نے کہا ؎

مِسْنَفاتٌ کانھن قَنَاالھند
لطول الرجیف جذب المرودُ

یعنی چارہ ڈھونڈھنے والے کے دیر کرنے کی وجہ اونٹنیاں اس طرح جکڑی ہوئی تھیں جیسے ہندوستان کے بانس باندھے ہوئے ہیں۔

## مُشک

یہ ہندوستان کی مشہور خوشبو ہے جو یہاں سے عرب جاتی تھی۔ امرءالقیس کہتا ہے ؎

إِذَا قَامَتَا تَضَوَّعَ الْمِسْكُ مِنْهُمَا
نَسِيمَ الصَّبَا جَاءَتْ بِرَيَّا الْقَرَنْفُلِ

یعنی جب وہ دونوں کھڑی ہوتی ہیں تو ان سے مشک کی خوشبو اس طرح پھیلتی ہے جیسے نسیم صبح لونگ کی خوشبو لے کر آئی ہے۔

یہاں قرنفل بھی کرن پھول کا معرب ہے اس کا ذکر بھی عربی ادبیات میں کثرت سے آیا ہے۔

## عود

عود (اگر) ہندوستان کی مشہور لکڑی اور عربوں کی مرغوب ترین خوشبو ہے۔ اس کو عودِ ہندی، عودِ صنفی، عودِ قماری، عودِ مندلی اور عودِ کلبی کے مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ نابغہ شیبانی کہتا ہے ؎

قَدْ عَبِقَ الْعَبِيرُ بِهَا وَ مِسْكٌ
يُخَالِطُهُ مِنَ الْهِنْدِيِّ عُودُ

یعنی اس کے جسم پر زعفرانی خوشبو اور عود ہندی میں مخلوط مُشک لپٹا ہوا ہے۔

## کافور

یہ ہندی لفظ کپور کا معرّب ہے۔ اس کا استعمال عربی زبان میں کئی طرح سے ہوا ہے۔ یوں تو کافور عرب کے ہر بڑے بازار میں فروخت ہوتا تھا لیکن

دارین جس طرح مشک کی بہت بڑی منڈی تھی اسی طرح کافور کا بازار بھی تھا
نابغہ شیبانی کہتا ہے سہ

کَاَنَّ رُضَابَ الْمِسْكِ فوق لثاتها
وكافور داريٍ وراحًا تصفقُ

یعنی محبوبہ کے مسوڑھوں کے اوپر دارین کا کافور اور شراب دونوں مچل رہی ہیں۔

## زنجبیل

یہ ہندی لفظ جنجابیر کا معرب ہے جس کے معنی سونٹھ کے ہیں۔ عرب کے لوگ اسے خشک اور تر دونوں طرح استعمال کرتے تھے اور یہ ان میں بہت ہی مشہور تھی۔ لسان العرب میں لکھا ہے کہ عرب سونٹھ کی خوشبو کی تعریف کرتے ہیں اور وہ ان کو بہت ہی مرغوب ہے (والعرب تصف الزنجبیل بالطیب وھو مستطاب عندھم جداً)۔ اعشٰی نے کہا ہے سہ

كأنَّ القرنفل والزنجبيل
باتا بفيها داريًا مشوداً

یعنی محبوبہ کے لعابِ دہن کی لطافت و نکہت کا حال یہ ہے کہ جیسے اس کے منہ کے اندر شہد کے ساتھ لونگ اور سونٹھ نے مشک داری میں رات گزاری ہے۔

ایک اور شاعر نے بھی کہا ہے:

وزنجبیلُ عاتقٌ مُطیبٌ
یعنی سونٹھ ملی ہوئی پرانی خوشگوار شراب۔

عجب اتفاق ہے کہ قرآن مجید میں بھی جنت کی تعریف میں اس

...بنت نشانی ملک کی تین خوشبوؤں کا ذکر ضرور ہے یعنی مسک، زنجبیل
...ور کافور۔

(باقی آئندہ)

# اکابر دیوبند کے کارناموں کی مستند تاریخ

# ملا صدرا کا رسالہ "وحدۃ الوجود"

## (ایک تعارف)

جناب غلام یحییٰ انجم صاحب، شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

صاحب اعیان الشیعہ کے قول کے مطابق جن چار عبقری شخصیتوں کو علوم و فنون کا ہمالہ بطور خاص فلسفہ و کلام کا ستون سمجھا جاتا ہے ان میں معلم ثانی ابو نصر فارابی (متوفی ۳۴۰ھ تقریباً) شیخ رئیس ابن سینا (۳۷۲-۴۲۷ھ) خواجہ نصیر الدین طوسی (۵۹۷-۶۷۳ھ) کے بعد چوتھے ملا صدرا محمد بن ابراہیم صدر الدین شیرازی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اگر غلو کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً کہہ دیا جاتا کہ علمی اعتبار سے ملا صدرا کی حیثیت مذکورۃ الصدر حضرات سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے خاص کر مکاشفہ اور عرفان و وجدان کے معاملہ میں ان کا کوئی ہمسر نہیں[1] چنانچہ ان کی عبقریت کے اعتراف میں قوم نے انہیں "صدر المتألہین" اور "صدر المحققین" کا خطاب دیا ہے۔

---

۱؎ محسن امین اعیان الشیعہ ۴۵/۱۰۰۔

اس جلیل القدر شخصیت کی سن ولادت تقریباً ۹۸۰ھ ہے کیونکہ انھوں نے ۱۰۵۰ھ میں ساتویں بار حج سے واپسی میں ستر سال کی عمر پاکر وفات پائی۔

علمی نشو ونما کے متعلق اتنا ملتا ہے کہ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے پدر بزرگوا ابراہیم بن یحییٰ الشیرازی القوامی سے حاصل کی جس کی تکمیل اصفہان جاکر ان دو نابغۂ روزگار شخصیتوں سے کی جن کا سکہ معقولات کی دنیا میں اب بھی رائج ہے۔ یعنی شیخ بہاء الدین محمد العاملی ۹۵۳ھ۔ ۱۰۳۱ھ) اور میر باقر داماد (متوفی ۱۰۴۰ھ) ہیں جو نظریۂ حدوث دہر کے بانی ہیں اور جن کی شان میں اختلاف کرنے کے باوجود ملا محمود (متوفی ۱۰۶۲ھ) جیسے فلسفیٔ اعظم ہندوستان شمس بازغہ میں فرماتے ہیں:

"خیرۃ اللہ الیقیں بالمھرۃ السفین مع توغلہ فی سیاحۃ ارض الحقیقۃ وتورطہ سباحۃ یم الحکمۃ ووجودۃ نی اعماق شری الملک باقدام انظارہ الغائرۃ وعروجہ عن اطباق سماء الملکوت بقوادم افکارہ السافرۃ"[1]

انھی مؤخر الذکر استاد کی صحبت میں ملا صدرا نے عمر کا بیشتر حصہ گذارا اور انھیں کی روش پر چل کر اہل علم وفضل میں اس طرح شہرتِ دوام حاصل کی کہ آپ کے بارے میں کہا جانے لگا:

انہ اجلّ فلاسفۃ العصر الاموی شانا واعظمھم خطراحتی لقد بلغ من دقۃ البحث وعمق

---

[1] ملا محمود شمس بازغہ ص ۲۵۳۔

فکیرد طرافۃ التحقیق مبلغاً فی منزلۃ تطلق
یعد منزلۃ کل من ارسطو و ابن سینا"[1]

حسن ذروہ فضل دکمال پر موصوف فائز تھے متاخرین میں سے کسی کی ان تک رسائی ممکن نہ ہو سکی اور متقدمین میں سے کم ہی اس رتبہ سے بہرہ مند ہوئے ہیں۔ صاحب روضات لکھتے ہیں :

کان فائقاً علی سائر من تقدم من الحکماء
الباذخین والعلماء الراسخین الی زمن مولانا
الخواجہ نصیر الدین منقحا اساس الاشراق
بمالا مزید علیہ ومفتحا ابواب الفضیحۃ
علی طریقۃ المشاء الرواق"[2]

اسی قول کی روشنی میں فلاسفہ متقدمین و متاخرین دونوں کے درمیان ان کی شخصیت روز روشن کی طرح نمایاں نظر آتی ہے۔

اس عبقری روزگار نے اپنے وقت عزیز کا بیشتر حصہ درس و افادہ کے علاوہ کتب و رسائل کی تصنیف میں بھی صرف کیا جن کی تعداد بعض سوانح نگاروں کے قول کے مطابق ۳۳ بتائی جاتی ہے ان میں شرح ہدایت الحکمۃ "صدرا" کے نام سے مدارس عربیہ کے منتہی طلبہ کے نصاب میں مشمول ہے۔ دوسری کتاب "اسفار اربعہ" ہے جو شیخ کی "شفاء" محقق طوسی کی "تجرید" امام رازی کی "محصل" میر باقر داماد کے "افق المبین" کے دوش بدوش فلسفہ کی منتخب ادبیات عالیہ میں

---

[1] دائرۃ المعارف الاسلامیہ (۱۴/۳۶) مطبوعہ تہران۔
[2] خوانساری۔ روضات الجنات ص ۳۳۱

شمار ہوتی ہے چنانچہ اس کتاب کی عظمت کے بارے میں محقق شیخ محمد حسین الاصفہانی (متوفی ۱۳۶۱ھ) فرماتے ہیں:

"لو اعلم احداً یفھم اسرار کتاب الاسفار لشددت الیہ الرحال للتلمذ علیہ وان کان فی اقصی الدیار" ؎۱

تیسری اہم تصنیف شیخ الاشراق شہاب الدین مقتول (۵۵۰ــ۵۸۶ھ) کی "حکمۃ الاشراق" جو علامہ قطب الدین شیرازی (۶۳۴ــ۷۱۰ھ) نے شرح لکھی تھی اس کا حاشیہ ہے جو حکمت اشراق کے موضوع پر حرف آخر سمجھا جاتا ہے۔

مذہب وتصوف جس کا خاص اور اہم موضوع "وحدت الوجود" ہے ملا صدرا نے اسی کی تعلیم دی ہے اور اسی موضوع کے تحت متعدد رسالے لکھے ہیں۔ انہی میں سے ایک رسالہ "وحدت الوجود" جو خوش قسمتی سے مولانا آزاد لائبریری کے یونیورسٹی کلکشن میں فارسیہ ومذہب وتصوف ۲۴۹ نمبر کے تحت محمد محسن عباسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا محفوظ ہے جس پر سنِ کتابت ۱۲۱۸ھ مندرج ہے۔ رسالہ زیادہ طویل وضخیم نہیں ہے مگر اس ایجاز واختصار میں مَاقَلَّ دَلَّ کی شان پیدا ہے۔ ذیل میں مطالب مبحوثہ کا خلاصہ دیا جارہا ہے جس سے اس کی اہمیت ہویدا ہوگی۔ رسالہ کی ابتدا اس حقیقت حقّہ سے ہوتی ہے جو کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے اور تمام علمی وحکمی سرگرمیوں کی غایت الغایات ہے یعنی صانعِ عالم کے وجود پر یقین جسے زبانِ شرع میں ایمان باللہ کہتے ہیں۔ مصنف رسالہ فرماتے ہیں:

---

؎۱ محسن امین: اعیان الشیعہ ص (۵/۴/۱۰۰)

"بیان وجود اللہ تعالیٰ کہ جمیع عقلا اتفاق دارند برایں کہ
موجود با صانعی ثابت و متحقق است"

پھر نظریۂ وحدت الوجود کے اثبات میں مصنف نے عقلی و برہانی دلائل بھی دیے ہیں اور اس عقیدہ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے قرآنی شواہد سے بھی استشہاد کیا ہے لیکن اس باب میں زیادہ اہم اول الذکر ہے یعنی نظریۂ وحدۃ الوجود کا عقلی و برہانی دلائل سے اثبات۔ مصنف نے تو طیۂ مقصد کے لئے اس سے پہلے ایک خاص طویل تمہیدی ہے جس کے دو جز ہیں۔ پہلا جز تین افادات پر مشتمل ہے۔

(۱) افادۂ اول کا کہنا ہے کہ ایمان باللہ ایک کائناتی حقیقت ہے جس پر جملہ عقلائے روزگار کا اتفاق ہے اور یہ عقیدہ ان کے قلوب میں اس درجہ راسخ ہے کہ بداہت کی حد تک پہونچ گیا ہے یعنی اتنا ہی بدیہی (A. PRIORI) ہے جیسی یہ حقیقت کہ کل اپنے جز سے بڑا ہوتا ہے۔

(۲) افادۂ دوم کا کہنا ہے کہ اس عقیدہ کی ہمہ گیری کے باوجود باری تعالیٰ کی کنہ د حقیقت ہنوز پردۂ خفا میں ہے اور

رازِ ایں پردہ نہاں است و نہاں خواہد بود

(۳) افادۂ سوم ایک تاریخی توجیہ ہے جو مفکرین عہد اسلام کی جماعت بندی سے متعلق ہے اس کی رو سے حصول معرفت باری کے دو طریقے ہیں: استدلال یا کشف و شہود —— پھر طالب معرفت یا کسی نبی کا پیرو ہوگا یا انبیاء و مرسلین کی اتباع سے بے نیاز ہوگا اس کے نتیجے میں مفکرین کی چار جماعتیں ظہور میں آئیں۔

۱۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو جو استدلال سے کام لیتے تھے

متکلمین کہلائے۔

۲۔ لیکن اتباع رسول کے باوجود جو حضرات ریاضت و مجاہدہ اور کشف و شہود پر اعتماد کرتے تھے صوفیائے کرام کہلائے۔

۳۔ اتباع رسول سے بے نیاز ہو کر جن لوگوں نے نظر و استدلال سے کام لیا وہ حکمار مشائین کہلائے۔

۴۔ اور اگر مؤخر الذکر نے مجاہدہ و... پر بھروسہ کیا وہ حکمار اشراقین کہلائے۔

ظاہر ہے یہ وہی تقسیم ہے جو حاجی خلیفہ (۷) ۱۰۶۷ ھ) نے کشف الظنون میں "حکمۃ الاشراق" کے تحت دی ہے اس لئے یا تو مصنف ...س کے لئے حاجی خلیفہ کی خوشہ چینی کی ہے یا حاجی خلیفہ نے مصنف سے استفادہ کیا پھر دونوں کسی تیسرے مشترک ماخذ کے رہین منت ہیں۔

دوسرے جز کے افادات میں مرکزی حیثیت "وجود مطلق" کے تصور کو حاصل نہیں کی ہے کیونکہ نظریۂ وحدت الوجود کا سنگِ بنیاد یہی تصور ہے۔
وجود مطلق کے تصور کا سرمایہ کیا ہے اور کس طرح اس نے ارتقار کی منازل طے کیں اور پھر کس طرح یہ اسلامی فکر میں داخل ہوا بالخصوص اندلس کی فکری سرگرمیوں میں جن کے گرامی منزلت نمائندے شیخ اکبر تھے جو اسلامی فکر میں اس عقیدے کے بانی یا علی الاقل ممثل اعظم سمجھے جاتے ہیں۔ ان امور کی تفصیل ایک تفصیلی جائزے کی مقتضی ہے مگر چونکہ اس عاجز کی عرضداشت کا مقصد صرف اس رسالہ کا تعارف کرانا ہے اس لئے دوسری تفصیلات سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

بہرحال مصنف نے اس پوری بحث کا آغاز "وجود" کے مختلف مفاہیم و مصادیق کے ذکر سے کیا ہے انھوں نے وجود کے صرف دو مصداق بتائے ہیں؛

۱۔ معنی مصدری جس کا مفہوم "بودن" یا "شدن" ہے یعنی ہونا۔
۲۔ دوسرا مفہوم وہ امر ہے جس کی بنا پر کوئی موجود موجود ہوتا ہے۔

اس معنی میں وجود واجب کا بھی ہوتا ہے اور ممکن کا بھی۔ لیکن واجب تعالیٰ میں یہ وجود عین ذات باری ہوتا ہے مگر ممکن میں اس کے بارے میں اختلاف ہے اس طرح حسب تصریح شرح مواقف (الموقف الثانی المرصد الاول بمقصد ثالث) اس باب میں تین مذاہب ہیں: امام ابوالحسن الاشعری (۲۷۰ — ۳۳۰ھ) اور معتزلہ میں سے ابوالحسین البصری (متوفی ۴۳۶ھ) کا کہنا ہے کہ وجود واجب اور ممکن دونوں میں ماہیت (یا ذات) کا عین ہوتا ہے مگر حکماء کہتے ہیں کہ واجب میں تو عین ماہیت ہوتا ہے مگر ممکن میں غیر ماہیت۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ واجب اور ممکن دونوں میں وجود و ماہیت ایک دوسرے کے غیر ہوتے ہیں اور وجود ماہیت پر زائد ہوتا ہے مگر مصنفِ رسالہ نے ان مذاہب ثلاثہ میں سے صرف دو مذہبوں کو بیان کیا ہے۔

زاں بعد انھوں نے اسمِ "اللہ" کے مسمّیٰ کو متعین کیا ہے کہ اللہ علم ہے ذات واجب الوجود کے لئے جو جمیع صفاتِ عالیہ سے متصف اور تمام سماتِ نقص وحدوث سے منزّہ ہے۔

اس کے بعد اس ذات پاک کے باب میں جو اللہ کا مسمّیٰ ہے تین مذاہب بیان کیے ہیں: متکلمین کا، حکماء کا، اور صوفیاء کرام کا۔ متکلمین کہتے ہیں کہ وہ ذات نمبر ۱ حقیقی جزئی ہے۔ نمبر ۲ خارج اور ذہن دونوں میں بسیط ہے اور نمبر ۳ اس کی صفات اس پر زائد ہیں (یہاں مصنف رسالہ وحدۃ الوجود نے جمہور علمائے علم کلام سے اختلاف کیا ہے کیونکہ جب کہ معتزلہ وغیرہ صفات کو غیر ذات مانتے ہیں اشاعرہ "لاعین و لاغیر" کہتے ہیں)

حکماء کا بھی یہی مسلک ہے مگر وہ صفات کو عین ذات گردانتے ہیں لیکن صوفیاء کرام کا مسلک جو تفصیل چاہتا ہے مصنف نے اس باب میں ان کے تین فریق گرداتے ہیں اور اس تفریق کا منشار واجب کے ساتھ ممکن کا اعتبار ہے چنانچہ:

ایک فریق متکلمین وحکماء کی طرح واجب تعالیٰ کو بھی جزئی حقیقی سمجھتا ہے اور اس کے ساتھ جمہور اہل شریعت کی طرح ممکن کو بھی حقیقی سمجھتا ہے نیز انھیں کی طرح واجب اور ممکن کو ایک دوسرے کا مغائر و مباین دوسرا فریق بھی واجب تعالیٰ کو جزئی حقیقی سمجھتا ہے مگر ممکن کو موجود نفس الامری نہیں سمجھتا بلکہ سراب کی طرح واہمہ محض گردانتا ہے یا بالفاظ دیگر:

ذات واجب نے صور متعددہ اور اشکال مختلفہ میں خود کو ظاہر کیا ہے پس خارج ہو یا ذہن دونوں میں صرف وہی ذات موجود ہے۔ سے دوسرے موجودات جنھیں عرف عام میں ممکنات کہا جاتا ہے سو وہ معدوم محض ہیں اور ان کی موجودیت محض وہمی و خیالی ہے۔

لیکن اس تقدیر پر شریعت ہو یا قانون ملکی (PUBLIC LWA) دونوں کے اوامر و نواہی باطل قرار پاتے ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی موجود ہی نہیں تو پھر وہ کسے حکم دے رہا ہے کہ نماز پڑھ یا نیک کام کر اور کسے منع کر رہا ہے کہ برے کام نہ کر اور کسی کو قتل نہ کرے

جب کہ تجھ بن کوئی نہیں موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

اس لئے ایک تیسرا فریق کھڑا ہوا اور اس نے کلی و جزئی اور عینیت و غیریت کے امتیاز ہی کو ختم کر دیا ان کے نزدیک واجب تعالیٰ شانہ جزئی حقیقی نہیں ہے

بلکہ وجود مطلق ہے لابشرط شیٔ یعنی اس میں کوئی قید وتقیید نہیں ہے جبکہ وہ موجودات جنھیں عرف عام میں ممکنات سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ دوسرے فریق صوفیاء کی طرح وہمی وخیالی نہیں ہیں بلکہ وہ بھی واقع میں موجود ہیں مگر اسی واجب تعالیٰ کے اسی وجود (وجود مطلق) کے ساتھ۔

اسی طرح تمام موجودات (بالعرف عام کے ممکنات) عین باری تعالیٰ ہیں اور اسی کے وجود کے ساتھ موجود ہیں اور وجود مطلق لابشرط شیٔ ہے۔

اس نئے مذہب کے اختراع کے ساتھ انھوں نے اس معاشرتی اشکال کو مندفع کر دیا جو دوسرے فریق کے یہاں ممکنات کو اوہام وخیالات سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے نیکی وبدی کا امتیاز ہی مٹ رہا تھا اور اباحت مطلقہ کی ترویج واشاعت کا راستہ صاف ہو رہا تھا۔

اس لئے انھوں نے اس وجود مطلق لابشرط شیٔ کے ظہور کے لئے دو مرتبے اختراع کیے۔

۱۔ مرتبہ اطلاق جس میں وہ جملہ قیود وشرائط سے خالی اور متعالی ہے اس مرتبہ میں وہ وجود مطلق معبود ہے، اور

۲۔ مرتبہ تقیید جس میں وہ تعینات وتشخصات سے متصف ہوتا ہے یہاں وہ عابد وبندہ ہے اور معبود حقیقی کے جملہ اوامر ونواہی کے بجا لانے کے لئے مکلف ہے، اس طرح انبیاء ورسل کی بعثت وارسال اور کتب مقدسہ الٰہیہ کے نزول وانزال کی ضرورت وافادیت بھی اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔

وحدت الوجود یا PANTHEISM کی اس توجیہ کی رو سے عابد ومعبود اور آمر ومامور میں واجب تعالیٰ مرتبۂ اطلاق میں وجود مطلق سے متصف ہے مگر ممکنات مرتبہ تقیید میں اس سے متصف ہیں۔

مصنف فرماتے ہیں کہ،

"مخفی نہ رہے کہ اس عینیت میں وجود کا شعور بڑے سخت مجاہدہ اور ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے":

"وایں عینیت مخفی می ماند و بعد مجاہدہ و ریاضت منکشف می شود"

اس کے بعد وہ وحدت شہود کی حقیقت بتاتے ہیں یہ ایک مخصوص کیفیت کا نام ہے جس کے نتیجے میں دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ اس نور کے بریق ولمعان میں عرش سے لے کر فرش تک جملہ ماسوائی باری تعالیٰ اس طرح چھپ جاتے ہیں جس طرح سورج کی روشنی میں دوسرے ستارے نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ موجود ہوتے ہیں اسی طرح ماسوائے باری تعالیٰ جملہ ممکنات موجودہ حقیقتاً موجود ہیں مگر وحدت الوجود کی رو سے عارف کی نظر میں نابود محض ہو جاتے ہیں۔ اور اسے صرف ذات باری تعالیٰ شانہ ہی کا شعور باقی رہ جاتا ہے۔

یہ تمہید تھی جسے مصنف علّام نے نظریۂ وحدت الوجود کی عقلی توجیہ کے لئے قائم کیا تھا انھوں نے اس طول طویل تمہید کا خلاصہ آخر میں بدیں طور دیا ہے

اللہ عَلَم ہے ذات واجب الوجود کے لئے ۔ اور اس ذات کے بارے میں اختلاف ہے۔

۱۔ حکماء و متکلمین کے نزدیک یہ ذات مستجمع الصفات جزئی حقیقی ہے اور جملہ موجودات حقیقۃً موجود ہیں اور واجب تعالیٰ سے مبائن و مغائر ہیں۔

۲۔ صوفیاء کرام کے اس باب میں دو گروہ ہیں:

(الف) ایک گروہ واجب تعالیٰ کو جزئی حقیقی قرار دیتا ہے اور موجودیت کو صرف اسی ذات واجب تعالیٰ میں منحصر گردانتا ہے رہے ممکنات تو وہ واہم محض

ہیں اور ان کا وجود اعتباری ہے۔

(ب) دوسرے گروہ کے نزدیک واجب الوجود کی حقیقت وجود مطلق ہے جو نہ عام ہے نہ خاص اور تمام شرائط وقیود سے منزہ ومتعال ہے۔ رہے ممکنات (یا عالم خارجی) تو وہ بھی اسی وجود مطلق کے ساتھ موجود ہیں (مگر مرتبہ تقیید میں) اس طرح واجب وممکن من وجہٍ عین یکدیگر ہیں اور من وجہٍ ایک دوسرے کے غیر ومبائن۔

مصنف اسی توجیہ کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ یہ جامع شریعت وطریقت ہے اور سرمو جادۂ مستقیم سے متجاوز نہیں ہے۔

اس خلاصہ مقال کے بعد انھوں نے نفس مسئلہ یعنی نظریۂ وحدت الوجود کے اثبات کو لیا ہے مگر یہاں انھوں نے منطقی ثبوت کے بجائے تمثیل سے کام لیا ہے اور واجب تعالی کو موجود مطلق ثابت کرنے کے لئے موجودات کے مراتب وجود کی صف بندی (CLASSIFICATION) کی ہے اس کے لئے انھوں نے پہلے اشیاء منورہ کے اشراق و درخشانی کی صف بندی کی ہے کہ ان اشیاء منورہ کی نورانیت میں تین مرتبے ہیں:

مرتبہ اول: جبکہ وہ روشن چیز اسی نور سے منور ہو جو اپنے علاوہ کسی غیر سے حاصل کیا ہو جیسے وجود زمین کہ وہ اس نور سے روشن ہوتی ہے جسے وہ سورج سے حاصل کرتی ہے یہ حضوریت کا ادنی مرتبہ ہے۔

ظاہر ہے کہ اس مرتبہ میں شئے منور سے نور کا انفکاک ذہناً وخارجاً جائز وواقع ہے تاہم یہ بھی تصور کر سکتے ہیں کہ زمین موجود ہو مگر اندھیری یعنی روشنی معدوم ہو اور واقعتاً بھی ایسا ہوتا ہے رات کے وقت زمین موجود ہوتی ہے مگر اندھیری اور نور سے خالی۔

مرتبہ دوم: شئے منور ایسے نور سے روشن ہو جو خود اس کی ذات کا مقتضیٰ ہو، کسی غیر سے حاصل و مستفاد نہ ہو بایں ہمہ وہ شئے عین نور نہیں ہوتی۔

اس کی مثال خود سورج ہے کہ اس کی روشنی خود اس کی ذات کا مقتضیٰ ہے بایں ہمہ سورج اور شئے ہے اور اس کی روشنی شئے دیگر۔

اس طرح یہ نور آفتاب خارج میں آفتاب سے جدا اور منفک نہیں ہو سکتا مگر چونکہ نور آفتاب کا غیر ہے اس لئے ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ممکن ہے یا بالفاظ دیگر ذہناً نور کا آفتاب سے انفکاک ممکن ہے اگرچہ خارج میں یہ جائز نہیں ہے۔

مرتبہ سوم: شئے منوّر خود اپنے ہی نور سے روشن ہو اور اپنی نورانیت میں کسی اور چیز کی محتاج نہ ہو اس کی مثال خود نور کی ذات ہے کہ اپنی ذات ہی کی بنا پر منور ہے اور لوگوں کی آنکھوں میں ظاہر و عیاں ہے اور اپنے ظہور کے لئے کسی دوسرے نور کا جو اس کے کسی غیر سے حاصل ہو محتاج نہیں ہے۔

اس نور کا انفکاک خود سے نہ خارجاً جائز و ممکن ہے اور نہ ذہناً کیونکہ وہ اپنی ذات سے منفک نہیں ہو سکتی۔

ان مراتب سہ گانہ کا ایک مرتبہ پھر گوشوارہ دیتے ہیں۔

مرتبۂ اول میں وہ روشن چیز منوّر بالغیر ہوتی ہے جیسا کہ زمین جو سورج کے نور سے منوّر ہے۔ یہاں تین چیزیں ہیں زمین، روشنی اور آفتاب اور تینوں باہم متغائر ہیں۔

مرتبۂ دوم میں وہ روشن چیز منور بالذات ہوتی ہے مگر جس نور سے وہ منور ہوتی ہے وہ خود جیسا کہ آفتاب منور بالذات ہوتا ہے مگر وہ نور غیر سے حاصل ہوتا ہے یعنی نور سے اس مرتبہ میں دو چیزیں ہوتی ہیں آفتاب اور نور جو دونوں باہم مغائر و

مباین ہیں۔

مرتبہ سوم میں وہ روشن چیز منور بالذات ہوتی ہے مگر جس کے نفس سے وہ منور ہوتی ہے وہ خود اس کی ذات ہی ہوتی ہے جیسے خود نور کہ روشن ہے اپنی ہی ذات سے۔ اس مرتبہ میں وہ صرف ایک ہی چیز ہوتی ہے یعنی نور۔

اور یہ مرتبہ افضل ترین مرتبہ نورانیت ہے۔

اسی تمثیل کی بنیاد پر مصنف نے موجودات کی صف بندی کی ہے۔

مرتبۂ اول میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو اسے موجد سے حاصل ہوتا ہے اس مرتبہ میں تین چیزیں ہیں موجود، وجود، اور موجد۔ اسی مرتبہ میں موجود ............... اپنے وجود سے خارجاً نیز ذہناً منفک اور جدا ہو سکتا ہے۔

مرتبۂ اوسط میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو اس کی ذات کا مقتضی ہوتا ہے جس طرح متکلمین کے نزدیک واجب تعالیٰ جو بذات خود مقتضیٔ وجود ہے۔ اس مرتبہ میں صرف دو چیزیں ہوتی ہیں موجود مقتضی اور وجود جو اس موجود حقیقی (واجب الوجود) کا مقتضی ہے ان دونوں میں خارجاً انفکاک ناممکن ہے اگرچہ ذہناً ممکن ہے۔

مرتبۂ اعلیٰ میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو خود ذاتِ موجود کا عین ہوتا ہے یہ وجود نہ اس موجود اعلیٰ کا غیر ہے اور نہ اس کے غیر سے مستفاد ہے اس لئے اس مرتبہ میں نور کی طرح ایک ہی چیز ہے یعنی وجود مطلق اور اسی طرح یہاں بھی وجود مطلق کا خود اپنے وجود سے انفکاک خارج اور ذہن دونوں میں محال اور ناقابل انفکاک ہے اور یہ موجودیت کا افضل ترین مرتبہ ہے مصنف فرماتے ہیں کہ عقل عالم ہے کہ واجب تعالیٰ اعلیٰ مراتب وجود کے ساتھ متصف ہوا اور موجودیت

کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ بنفسہٖ و بذاتہٖ موجود ہو یعنی اپنی ہی ذات کے ساتھ موجود ہو اور دوسری اشیاء کی موجودیت اسی کی محتاج ہو۔

اور موجود بنفسہٖ وجود مطلق ہے جس کی تفصیل اوپر گذری۔

پس واجب تعالیٰ عینِ وجود مطلق ہے جو مرتبۂ اطلاق میں معبود اور مرتبۂ تقیید و تنزل میں عابد ہے۔

آخر میں اس تمام استدلال کا خلاصہ بدیں طور بیان کرتے ہیں:

چاہئے کہ واجب تعالیٰ اتم و افضل ترین مراتب وجود سے متصف ہو مگر وہ اتم و افضل ترین مرتبۂ موجودیت صرف وہ وجود ہے جو بنفسہٖ و بذاتہٖ موجود ہے، جو اپنی موجویت میں کسی دوسری شئے کا محتاج نہیں ہے۔ پس حقیقت واجب نہیں ہے مگر وجود مطلق جو موجود بنفسہٖ ہے اور باقی جملہ اشیاء اسی سے موجود ہوتی ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ واجب الوجود وجود مطلق ہے جو بنفسہٖ موجود ہے اور باقی دوسری اشیاء اسی وجود سے موجود ہیں جیسا کہ نور جو بنفسہٖ روشن ہوتا ہے اور تمام دوسری اشیاء اسی سے روشن ہوتی ہیں۔

اپنے موقف کو زیادہ مستحکم بنانے کے لئے مصنف نے رسالہ کا اختتام شواہد قرآنی سے کیا ہے مگر ان کی تفسیر و تاویل میں اہل شریعت سے اختلاف ہوسکتا ہے اس لئے ان کے بیان سے صرف نظر کرنا ہی مستحسن ہوگا۔

آخر میں میں صاحب اعیان الشیعہ کے اس تبصرے کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس سے انھوں نے مصنف کی فلسفیانہ کتابوں کو دینی اور دینی کتابوں کو فلسفیانہ کہا ہے فرماتے ہیں:

"نحن ان نعد کتب الفلسفۃ کتبا دینیۃ
ونعد کتب الدینیۃ کتبا فلسفیۃ"

اور یہ واقعہ ہے کہ اس کڑی کمان کو زہ کرنا جس میں نہ تو شریعت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے پائے اور نہ حکیمانہ تحقیق میں کوئی کوتاہی رہنے پائے اپنی جگہ ایک اہم علمی و دینی کارنامہ ہے جس کے لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے

در کفِ جام شریعت در کف سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

# تاریخ اسلام
# خلافتِ راشدہ و بنی امیّہ

از جناب عبد الرؤف صاحب ایم اے

گذشتہ دنوں جناب خورشید احمد فارق پروفیسر عربی دہلی یونیورسٹی کی تصنیف موسوم بہ "تاریخ اسلام۔ خلافتِ راشدہ و بنی امیہ" کے مطالعہ کرنے کا موقع نصیب ہوا۔ مذکورہ تصنیف "جو کم و بیش پچاس پچپن مؤرخینِ متقدمین و متاخرین کے اوریجنل Original sources مصادر و مراجع کو کھنگال کر نظرگاہ عام پر لائی گئی ہے کی تصریحات کے ضمن میں فاضل مصنف نے وضاحت کرتے ہوئے صحیح پر فرمایا ہے کہ "کتاب میں ہماری بعض تصریحات قاری کو روایتی ڈگر سے ہٹی ہوئی ملیں گی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی (حق اور انصاف کی بات کہو چاہے صاحبِ معاملہ تمہارا رشتے دار ہی کیوں نہ ہو) کے حکیمانہ قول پر عمل کرنے کی کوشش کی ہے۔" مگر کتاب کا از ابتدا تا انتہا مطالعہ کرنے پر اپنی کم نظری کے باوصف محسوس ہوا کہ نہ صرف بعض، بلکہ بیشتر تصریحات کے سلسلہ میں اس حکیمانہ قول سے صرف نظر کرتے ہوئے تصویر کے صرف ایک ہی رُخ کو نمایاں کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ سطورِ ذیل کے پڑھنے سے قارئین پر خاکسار کا یہ تاثر واضح ہو جائے گا۔

فاضل پروفیسر صاحب مذکورہ تصنیف کے صہ ۳ پر خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے وظیفہ کی بابت فرماتے ہیں: "خلیفہ ہو کر ابوبکر صدیقؓ کی ذمہ داریاں اتنی بڑھیں کہ انہیں تجارت چھوڑنا پڑی۔ اس کی تلافی انھوں نے بیت المال سے کی جس طرح رسول اللہؐ خالصہ املاک سے اپنے متعلقین کی ضروریات رفع کرتے تھے اسی طرح ابوبکر صدیقؓ نقد، جنس، کپڑا، اونٹ، غلام غرضیکہ جس چیز کی بھی ضرورت ہوتی بیت المال سے لے لیتے تھے ....." یہی تاثر ۱۰۳ نیز دیگر صفحات پر بھی بہ اندک تغیر دیا گیا ہے۔ مگر اس بات کا کہیں اشارۃً وکنایتہً بھی ذکر نہیں فرمایا کہ انھوں نے اپنی سوا دو سالہ مدتِ خلافت (۱۱-۱۳ ھ) میں جو کچھ حقِ خدمت بیت المال سے وصول کیا تھا اس کا حساب لگوا کر اپنی حالتِ احتضار کے قریب واپس بیت المال میں جمع کروانے کی وصیت فرما دی تھی۔ جسے حسب وصیت واپس کر دیا گیا۔ یہ مال جب خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پہونچا تو بے ساختہ اُن کا دل بھر آیا وہ روتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے "اے ابوبکر! تم نے اپنے جانشینوں کا کام بہت دشوار کر دیا"۔[1]

حضرت علیؓ کے تخلف عن البیعۃ کے بارے میں مصنفِ محترم نے فرمایا ہے: "علی حیدرؓ کی بیوی فاطمہؓ بنتِ رسول اللہؐ ابوبکر صدیقؓ سے سخت ناراض تھیں اور علی حیدرؓ کی بیعت کی راہ میں سنگ گراں، ان کی ناراضگی کی ایک وجہ یہ تھی کہ ابوبکر صدیقؓ اُس عظیم منصب پر فائز ہو گئے تھے جو اُن کی رائے میں اُن کے شوہر

---

[1] برائے تفصیل ملاحظہ ہو صدیقِ اکبر مرتبہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم۔ اے طبع سوم صفحہ ۳۰۲، تاریخ الخلفاء مترجم اقبال الدین احمد صہ ۱۲۱، خلافت وملوکیت صہ ۸۴ طبع سوم از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔

کرنا چاہتے تھا۔ دوسرے یہ کہ ابوبکر صدیقؓ نے انھیں رسول اللہؐ کی خالصہ جائیداد دینے سے انکار کر دیا تھا جو مخیریق یہودی کے سات نخلستانوں، خیبر، فدک کے فارموں اور باغوں پر مشتمل تھی اور جس کا فاطمہؓ خود کو قدرتی وارث تصور کرتی تھیں، ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے چند ماہ بعد جب اُن (حضرت فاطمہؓ) کا انتقال ہو گیا...... تو علی حیدرؓ نے بُرے دل سے اُن کی بیعت کر لی..... علی حیدرؓ نے بیعت تو کر لی لیکن اُن کا دل صاف نہیں ہوا (ص۷) علی حیدر نے بی بی فاطمہؓ کی حین حیات ابوبکر صدیقؓ کی بیعت نہیں کی تھی (ص۹۲) خلافت سے محرومی کے بعد اس دوسری ناکامی (خالصہ جائداد سے محرومی) نے علی حیدرؓ کی طبیعت سخت منغص کر دی، حکومت کے خلاف اُن کے تیور چڑھ گئے اور زبانِ طعن کھل گئی (ص۲۰۰-۲۰۱)

لیکن حضرت علیؓ کے بیعتِ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے تخلف (پیچھے رہنا) کے بارے میں اگر ہم عصرِ حاضر کے محقق شہیر مولانا پروفیسر سعید احمد صاحب اکبرآبادی (المتوفی مئی ۱۹۸۵ء) کی تحقیق پر سرسری نگاہ بھی ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ حضرت علیؓ نے خلیفۂ اول سے بیعت کرنے میں ایک دن کا بھی توقف نہیں فرمایا۔ مولانائے موصوف فرماتے ہیں کہ "جب ابوبکرؓ منبر پر بیٹھ گئے تو انھوں نے لوگوں پر ایک نظر ڈالی اور جب علیؓ کو نہیں دیکھا تو ان کی نسبت پوچھا اس پر کچھ انصاری کھڑے ہوئے اور جاکر علیؓ کو لے آئے۔ ابوبکرؓ نے ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور داماد بھی ہیں، کیا آپ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔ علیؓ نے کہا اے خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملامت نہ کیجیے، اس کے بعد علیؓ نے ابوبکرؓ سے بیعت کر لی[1]" حضرت ابوسعید خدریؓ کی اس روایت سے ظاہر ہے کہ

---

لہ صدیق اکبرؓ ص ۷۶۔ بحوالہ مستدرک للحاکم ۳/۷۶۔

حضرت علیؓ کی بیعت میں کسی طرح کا تخلف و اکراہ نہ تھا۔ یہ حدیث صحابۂ مذکور کے علاوہ دوسرے صحابۂ کرامؓ سے بھی منقول ہے۔ لیکن چونکہ زیرِ تبصرہ تصنیف کے فاضل مصنف نے تقدیم وتاخیرِ زمانی کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کتبِ حدیث سے "قدیم تر کتابوں کے حوالے دینا زیادہ مناسب نہ سمجھا" (ملاحظہ ہو برہان دہلی صفحہ ۹۹ بابت ماہ فروری ۱۹۸۴ء) چنانچہ موصوف نے (خواہ طبقۂ جمہور کے نزدیک احادیث شریفہ کا درجہ استناداً و درایتاً سیرت والمغازی کی روایات سے کہیں بڑھ کر ہے) احادیث سے ارادۃً صرف نظر کرتے ہوئے تاریخی مواد پر ہی اکتفا کیا۔ مگر مذکورہ بالا حدیث شریف کو محدثین کے علاوہ ابنِ سعد نے بھی روایت کیا ہے جسے پروفیسر صاحب قدیم تر مورخ سمجھتے ہیں (برہان ایضاً) جبکہ انہی ابنِ سعد سے موصوف نے کم و بیش ۱۲۵ مقامات پر مراجعت فرمائی ہے۔ بیعت کے سلسلہ میں دیگر قرائن وشواہد بھی اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہر طرح خلافت کا اہل اور مستحق سمجھتے تھے اور یہ کہ بیعت کرتے وقت (اول روز ہی) نہ تو ان کی طبیعت میں کسی قسم کی تنغص ہی تھی اور نہ دل میں کسی قسم کا تکدر وانقباض ہی جیساکہ اس ضمن میں حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مابین مکالمہ سے ظاہر ہوتا ہے[۲] فاضل مصنف کی محولہ بالا عبارت کے اس فقرہ "علی حیدرؓ کی بیوی فاطمہؓ بنت رسول اللہؐ ابوبکر صدیقؓ سے سخت ناراض تھیں اور علی حیدرؓ کی بیعت کی راہ میں سنگ گراں"۔ سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی پاکیزہ سرشت میں خلیفۂ اول کی طرف سے کسی طرح کا غبار نہ تھا اور وہ برضا ورغبت بیعت کرنے پر آمادہ تھے مگر حضرت فاطمہؓ ان کی

---

۲ (پورا مکالمہ ملاحظہ ہو) خلافت وملوکیت ص ۹۰ بحوالہ کنز العمال، طبری، ابن عبدالبر الاستیعاب۔

بیعت کی راہ میں سنگ گراں تھیں اس لئے ان کی دل جوئی کی خاطر انھوں نے بیعت سے ممکن ہے کچھ توقف فرمایا ہو چنانچہ انھیں مجمع عام میں بلوانا پڑا۔ سا حضرت فاطمہؓ کی کبیدگی خاطر کا دوسرا سبب کہ انھیں رسول اللہ کی خالصہ جائیداد سے محروم کردیا گیا تھا تو اسے حضرت علیؓ کی بیعت سے علیحدگی کے تناظر میں پیش کرنا قیاس مع الفارق پر ہی منتج ہوگا کیونکہ خالصہ جائیداد سے محروم کرنے کا مسئلہ بیعت عامہ کے وقت معرض وجود ہی میں نہیں آیا ہوگا۔ اس کا تعلق نظم مملکت سے ہے جس کی طرف توجہ یقیناً بعد ہی میں مبذول کی گئی ہوگی۔

یہ تسلیم کرنا کہ حضرت علی حیدرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے سانحۂ ارتحال کے بعد ہی بادل ناخواستہ بیعت کی تھی، شواہد و دلائل کے منافی ہوگا کیونکہ اولاً حضرت علیؓ کا بیعت نہ کرنا مسلمانوں کی اجتماعیت کے لئے سب سے بڑا حادثہ ہوسکتا تھا تو کیا اس وقت جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی فوراً اسلام کی مخالفت کا طوفان امنڈ پڑا تھا۔ حضرت علیؓ جیسی عظیم المرتبت شخصیت یہ کبھی گوارا کرسکتی تھی کہ ان کے کسی فعل سے مسلمانوں کی اجتماعی وحدت میں کسی قسم کا کوئی رخنہ پیدا ہو؟ ثانیاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اسلام میں جو مرتبہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؓ پر جو اعتماد تھا جس کے باعث آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کی طرف قولاً وعملاً اپنا رجحان ظاہر فرمایا تھا، حضرت علیؓ سے زیادہ ان سب سے زیادہ اور کون واقف ہوسکتا تھا۔ اس بنا پر کیا حضرت علیؓ سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ بایں ہمہ وہ بیعتِ عامہ کے وقت سب مسلمانوں سے الگ رہیں۔ حضرت ابوبکرؓ تو ابوبکرؓ! حضرت علیؓ کا کیرکٹر تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی بیعتِ خلافت کے وقت بھی عام مسلمانوں سے الگ نہیں رہے اور اپنے لئے کوئی دعویٰ یا مطالبہ نہیں کیا، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ ثالثاً یہ مان لیا جائے کہ حضرت علیؓ نے واقعی چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اِس

مدت میں جو اہم واقعات وحادثات پیش آئے اور جو درحقیقت اسلام کے لئے زندگی اور موت کا سوال تھے۔ حضرت علیؓ ان سب سے بے تعلق رہے ہوں اور انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کوئی تعاون اور اشتراکِ عمل نہیں کیا تو کیا واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے؟ رابعاً اچھا اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت علیؓ نے بیعت نہیں کی تو کیا حضرت ابوبکرؓ اس گوشہ گیری کی صورت کو برداشت کرکے اسلامی وحدت کی دیوار میں یہ ایک رخنہ کھلا رہنے دے سکتے تھے؟ کیونکہ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علیؓ کا بیعت نہ کرنا ان کو کم از کم بنو ہاشم کی حمایت ونصرت سے محروم کر دیتا ہے[1]۔" علاوہ ازیں "بعض معتدل خیال شیعی حضرات بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اگرچہ رسول اللہؐ کے بعد سیدنا علیؑ افضل الناس اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق تھے لیکن انھوں نے حضرات شیخینؓ کی خلافت کو قبول کر لیا تھا اور اُن کے ساتھ اشتراکِ عمل اور تعاون کو ملحوظ رکھا نیز یہ کہ امت کو اپنے والی اور حاکم کے انتخاب کا حق ہے اور ان کا انتخاب رشد وہدایت کے لئے کافی ہے[2]۔"

حضرت سعد بن عبادہؓ کی بیعت سے علیحدگی کا واقعہ بھی محل نظر ہے۔ آپ کے بارے میں موصوف ص ۱۳ پر فرماتے ہیں کہ جب وہ ڈرانے دھمکانے کے باوجود اپنے موقف سے نہیں ہٹے تو بڑے پیمانے پر خون خرابہ ہونے کے اندیشہ کے سبب اُن سے مزید تعرض نہیں کیا گیا تاہم انھیں مدینہ میں رہنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اور وہ جلاوطن ہو کر شام چلے گئے"۔ عبارت کے خط کشیدہ فقرہ سے ثابت ہوتا ہے

---

۱ صدیق اکبرؓ (مقدمہ ص ۲۱ ـ ۲۲)۔

۲ مذہب اور باطنی تعلیم از مرزا محمد سعید دہلوی۔ ایم۔ اے۔ آئی، ای۔ ایس۔ ص ۱۱۲ ـ ۱۱۴ مطبوعہ اردو مرکز لاہور۔

کہ انہیں مدینۃ الرسول سے زبردستی نکال دیا گیا۔ مگر اس سلسلہ میں موصوف اپنے مضمون "اعتراضات کے جواب" ماہنامہ برہان دہلی بابت فروری ۱۹۸۲ء صـ۹۹ پر یوں رقمطراز ہیں: "جب ابوبکر صدیقؓ اور اُن کے حامی قریشی صحابہ انصار کو خلافت دینے کے لئے تیار نہیں ہوئے اور ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب ہوگیا تو بڑے انصاری لیڈر اور امیدوارِ خلافت سعد بن عبادہؓ نے نئے خلیفہ کی بیعت نہیں کی اور اُن کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دی اور بطور احتجاج گھر بار چھوڑ کر شام کے شہر حوران چلے گئے۔" برہان میں مندرج عبارت کے اس آخری فقرہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صحابی مذکور خلیفۂ وقت پر جمہوری طرز کا دباؤ ڈالنے کی غرض سے بطور احتجاج از خود شام کے شہر حوران تشریف لے گئے تھے۔ اور ہمارے ناقص خیال کے مطابق اُن کا یہ احتجاج بالکل ایسا ہی ہوگا جیسا کہ آج کل جمہوری ممالک میں ممبرانِ حزب مخالف سرکار کی بعض پالیسیوں سے اختلاف کرتے ہوئے پارلیمنٹ سے واک آؤٹ کر جاتے ہیں۔ بہرحال محولہ بالا دونوں عبارتوں میں تناقض ہے جس سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے بھی حضرت صدیق اکبرؓ سے پہلے دن ہی بطیب خاطر بیعت کرلی تھی۔ رہا سوال حضرت سعدؓ کا بعہد صدیقی مدینہ میں اقامت گزینی کا تو صحیح یہ ہے کہ وہ بعہدِ خلیفۂ ثانی شام کے شہر حوران تشریف لے گئے ہیں جہاں اپنی رحلت کے وقت تک مقیم رہے۔[۱] حتی خروج الی الشام فی اول خلافۃ عمر فمات بحوران)

---

[۱] صدیق اکبر ص ۸۵۔ ۸۶، سیرۃ الصدیق ص ۳۰۹، تاریخ ابن خلدون جلد اول قسط دوم ص ۲۴۰ مطبوعہ ادارہ درسِ قرآن دیوبند۔ کنز العمال ۳/۱۳۴ مطبوعہ حیدرآباد دکن۔

دراصل واقعات کی اکثر تصریحات سے یہ بھی متاثر ہے اس لیے [illegible] کردہ مصنف نے اپنے مصادر و مراجع سے کتب احادیث یعنی صحاح ستہ کو [illegible] مکما ہے کیونکہ موصوف کے نزدیک کتب سیر و مغازی کے مصنفین کو تقدم زمانی حاصل تھا اور انھوں نے مدینے میں اخبار و آثار کے معتبر معاشرے کے معقول و موزوں لوگوں سے رسول اللہؐ کے صحابہ کے حالات اخذ کیے تھے۔ یہ مصنف خود بھی ثقہ تھے، ان میں سے کوئی ممتاز فقیہ تھا، کوئی مفتی، کوئی قاضی، کوئی عالم حدیث (ایضاً برہان ص ۹۸-۱۰۱) گویا نعوذ باللہ محدثین کرام نے 'مستند ترین احادیث' کا تمام تر ذخیرہ غیر معتبر معاشرے کے مجہول و مردود اور اراذل لوگوں سے اخذ کیا تھا جو خدانخواستہ خود بھی غیر ثقہ تھے اور اُن میں نہ کوئی فقیہ تھا، نہ مفتی اور نہ قاضی۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔

فاضل پروفیسر صاحب نے اس بارے میں جو چند نام گنوائے ہیں[1] ان کی تقدیم و تاخیر زمانی اور ثقاہت و فقاہت کے سلسلہ میں عرض کرنے سے پیشتر یہ گوش گذار کرنا چاہیں گے کہ موصوف کے مصنفین و مؤلفین کو خواہ تقدم زمانی کی فوقیت حاصل ہو مگر انھیں صحت روایت و درایت میں وہ فوقیت اور برتری ہرگز حاصل نہیں جو محدثین عظام کو حاصل رہی ہے اور پھر کلیہ کے طور پر یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ جاتے ہیں اور بسا اوقات علم کے پچھلے حاملین سے بعد کے سیکھنے والے بدرجہا فائق ہو جاتے ہیں اور اگرچہ وہ زمانے کے لحاظ سے اخیر میں ہوتے ہیں لیکن زندگی کے دوسرے شعبوں کے علاوہ علمی میدان میں بھی ایسے کارہائے نمایاں انجام دے جاتے ہیں جو متقدمین سے نہیں ہو سکے تھے۔ یہ بات محدثین کرام کی محنت و کاوش پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ بہرحال اگر موصوف صرف طبقۂ قدما کے مؤرخین

---

[1] ماہنامہ برہان ایضاً ص ۹۸ — ۱۰۱۔

ہی پر انحصار فرماتے تب تک بھی بجا اور درست تھا مگر پوری تصنیف میں جن پچاس ساٹھ مصنفین سے استفادہ و استناد فرمایا ہے، کیا وہ تمام طبقۂ قدما میں شمار ہوتے ہیں ؟ موصوف نے جن مؤلفین کو قدیم ترین خیال فرمایا ہے اُن میں سے چند کے سنینِ وفات نذرِ ناظرین کیے جاتے ہیں :

موسیٰ بن عقبہ (۱۴۱ھ) محمد بن اسحٰق (۱۵۰ - ۱۵۱ھ) ابو اسمٰعیل ازدی بصری (۱۵۲ھ) ولید بن مسلم القرشی (۱۹۵ھ) محمد بن سعد صاحب طبقات (۲۳۰ھ) مصعب بن عبداللہ زبیری (۲۴۰ھ) محمد بن عمر الواقدی (۲۰۷ھ) سجستانی (۲۶۱ھ) ابن قتیبہ (۲۱۳ھ) بلاذری (۲۷۹ھ) دینوری (۲۸۱ھ) یعقوبی (۳۰۰ھ) وغیرہ علامہ شبلی نعمانی ؒ نے تقریباً ۳۰۰ھ تک فوت ہونے والے مصنفین کو طبقۂ قدما میں شمار فرمایا ہے۔ ؎ بعد ازاں متاخرین کا دور ہے۔ ساتھ ہی اگر ہم محدثین کرام کے سنینِ وفات پر بھی ایک نظر ڈالیں تو علامہ شبلی نعمانی ؒ کے بقول وہ بھی طبقۂ قدما ہی میں شمار ہوں گے۔ امام بخاری ؒ (۲۵۶ھ) امام مسلم ؒ (۲۶۱ھ) امام ابن ماجہ ؒ (۲۷۳ھ) امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) امام ترمذی (۲۷۹ھ) اور امام نسائی (۳۰۳ھ) مگر مستزاد یہ کہ صاحب "تاریخ اسلام۔ خلافت راشدہ و بنی امیہ" نے متاخرین سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا ہے مثلاً ابوالحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۸۶ھ، ابونعیم اصبہانی (۴۳۰ھ) حافظ ابوربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی صاحب اکتفاء (۶۳۴ھ) ابن ابی الحدید (۶۵۵ھ) ابن ابی اصیبعہ (۶۶۸ھ) ابن کثیر صاحب البدایہ والنہایہ (۷۷۴ھ) وغیرہم۔ پھر ایسی صورت میں صحاح ستہ سے مراجعت نہ فرمانے کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر مراجعت فرماتے

---

؎ سیرۃ النبی ؐ جلد اول ص ۳۵ مطبوعہ ۱۳۶۴ھ مطبع معارف اعظم گڈھ۔

تو کوئی وجہ نہ تھی کہ موصوف خلیفہ اول کی ازواج کی تعداد صرف چار [illegible] نے (ص ۱) جبکہ بخاری شریف میں بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ مسطور ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بنو کلب کی ایک عورت سے بھی، جس کا نام ام بکر تھا شادی کی تھی، اور ہجرت کے وقت اُن کو طلاق دیدی تھی[1]۔ اس طرح کی دیگر متعدد مثالیں سیرۃ النبی جلد اول میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کی متفقہ روایت کے مقابلہ میں بھی قابل ترجیح ہے، نیز یہ کہ سیرت میں آج تک کوئی کتاب صحت کے التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی (علامہ شبلیؒ)

لیکن تقدم زمانی ہی اگر معیارِ ثقاہت ہے تو اس سلسلے میں بھی ڈاکٹر محمد لیسین مظہر صدیقی فرماتے ہیں کہ ابتدائے تاریخ نگاری اسلام میں تو راویوں کی شخصیت، دیانت اور ثقاہت وغیرہ کو بھی نہیں پرکھا جاتا تھا[2]۔

سیرت نبوی کے اولین مؤلف محمد بن اسحٰق کی شخصیت متنازعہ فیہ ہے، اگر ایک گروہ آنکو ثقہ سمجھتا ہے تو اسی درجہ کا دوسرا گروہ ان کو ناقابلِ اعتماد قرار دیتا ہے[3]۔ مغازی نگاروں کے سرخیل واقدی کی روایتیں تو موجودہ دور کے سنجیدہ علمی حلقوں میں بالکل قابل قبول نہیں سمجھی جاتی ہیں کیونکہ اس کی لغو بیانی مسلم ہو چکی ہے[4]۔ ایک صاحب نے تو اس کے بارے میں بڑی ظرافت آمیز بات کہی ہے کہ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں کوئی اس کا ثانی نہیں اور اگر جھوٹا ہے

---

[1] صدیق اکبرؓ ص ۴۵۲۔

[2] ماہنامہ برہان دہلی ص ۳۵ بابت دسمبر ۱۹۸۲ء۔

[3] ماہنامہ معارف اعظم گڈھ ص ۲۴۶۔۲۴۷ بابت اپریل ۱۹۸۴ء۔

[4] ایضاً۔

تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں[1]۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ "دنیا جانتی ہے کہ واقدی کی حیثیت ایک داستان گو کی ہے جس کا شمار معتبر مورخین میں نہیں ہو سکتا۔ تاریخ و سیرت میں اس کا حوالہ دینا ایسا ہی ہے جیسے آپ ملکہ الزبتھ کی سوانح عمری میں رینالڈس کا حوالہ دیں[2]۔" بہرکیف واقدی۔۔۔ جس کے متعلق تمام دنیا جانتی ہے کہ وہ اندھیری رات میں لکڑیاں چننے والا تھا اور اس کی غلط روایتوں، افسانہ طرازیوں اور جھوٹے قصے کہانیوں اور بے سند باتوں کی وجہ سے اُسے تمام علماء اسلام نے جھوٹا اور نامعتبر قرار دیا ہے[3]۔ علاوہ ازیں وہ شیعیت سے بھی متہم تھا اور تقیہ کیے رہتا تھا گو معتدل شیعہ تھا[3]۔ بہرحال باعثِ تسوید یہ کہ زیربحث تصنیف کے مصنف نے کم و بیش بارہ مقامات پر واقدی سے رجوع کیا ہے۔ فاضل پروفیسر صاحب نے اپنی تصنیف کے ص ۱۰۲ پر مؤرخ ابنِ ابی الحدید کو معتزلی عالم قرار دیا ہے۔ جبکہ راقم الحروف کی محدود و ناقص معلومات کی حد تک وہ نہ صرف معتزلی بلکہ مسلک تشیع کا بھی پیرو اور متبع تھا۔ مسلک اعتزال کے بانی واصل بن عطا متوفی ۱۳۱ھ / ۷۴۸ء کے بعد اس گروہ کے بعض مشاہیر شیعی عقائد کی طرف میلان رکھنے لگے تھے، چنانچہ اعتزال اور تشیع کی یکجائی کی تاریخ میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مشہور ماہرِ لسانیات امام عمر بن بحر الجاحظ اور ماہر زبان دان ابن ابی الحدید شیعی مسلک اعتزال سے متاثر ہونے والے عرب علماء کی بہترین مثال ہیں۔ چنانچہ ابی الحدید کے شیعہ ہونے کی بنا پر ہی مولانا

---

[1] سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۳۳ نیز ملاحظہ ہوں صفحات ۱۸، ۱۹، ۲۳، ۲۵ اور ۴۸۔

[2] مقالاتِ سلیمان جلد ۲ ص ۱۱۸۔

[3] ماہنامہ معارف اعظم گڈھ ص ۲۴۳ بابت ماہ ستمبر ۸۲ء نیز ماہ نومبر ۱۹۸۲ء ص ۳۳۴۔

[4] سیرتِ نبوی کی اولین کتابیں اور اُن کے مؤلفین مترجم پروفیسر نثار احمد فاروقی ص ۱۲۵۔

ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنی تصنیف "خلافت و ملوکیت" میں ابن سعد کی روایت
لی ہے کہ "سیدنا علیؓ نے بیت المال میں سے اپنے بھائی عقیلؓ بن ابی طالب کو
زائد از استحقاق کچھ دینے سے انکار کر دیا تھا"[1] اور وہ بھی اس لئے کہ اس روایت
کی دوسرے مورخین مثلاً ابن قتیبہ اور حافظ ابن حجر تائید کرتے ہیں۔ جبکہ پروفیسر صاحب
نے اپنی تصنیف میں تقریباً ۲۷ مقامات میں سے ۱۴ مقامات پر تنہا ابن ابی الحدید
کی روایات پر انحصار کیا ہے[2]۔ مذکورۃ الصدر دونوں مشاہیر کے علاوہ صاحب
مروج الذہب مسعودی بھی معتزلی ہونے کے ساتھ شیعی بھی تھے۔ مصادر و مراجع
کے سلسلے میں تاثر خاصی قدرے طویل ضرور ہو گئی ہے مگر دراصل کسی بھی تصنیف کا معیار
ماخذ پر ہی منحصر ہوتا ہے۔ لہٰذا مندرجہ بالا چند مثالوں کے پیش نظر یہ نتیجہ نکالنا
نامناسب نہ ہوگا کہ زیر تبصرہ تصنیف کے دیگر مصادر بھی مشکوک ہوں گے۔ سیرت کی
بیشتر کتابوں کا پایہ نہایت بلند اور برتر ہے جیسا کہ سیرت ابن ہشام کے بارے میں
ایک مستشرق کہتا ہے کہ "سیرت نبوی کی عربی تصنیفات جیسے سیرت ابن ہشام کا پایہ
تاریخی حیثیت سے انجیل سے بڑھ کر ہے"[3]۔ دیگر معاندین و مستشرقین نے بھی کتب
سیر و مغازی کی وقعت و صحت کا اعتراف کیا ہے۔

---

[1] خلافت و ملوکیت۔

[2] دیکھئے زیر بحث کتاب کے صفحات ۷، ۱۳، ۱۰۲، ۱۳۸، ۱۴۸، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۸۳، ۲۰۰، ۲۰۳، ۲۳۲ نیز ۲۲۵ وغیرہ۔

[3] ماہنامہ معارف اعظم گڑھ بابت مارچ ۱۹۸۳ء ص ۱۶۳۔

سنہ ۱۹۵۴ء — حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۔ العلم والعلماء ۔ اسلام کا نظام عفت وعصمت ۔ تاریخ صقلیہ ۔ تاریخ ملت جلد ششم

سنہ ۱۹۵۵ء — اسلام کا زرعی نظام ۔ تاریخ ادبیات ایران ۔ تاریخ علم فقہ ۔ تاریخ ملت حصہ دہم سلاطین ہند ۔ تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی

سنہ ۱۹۵۶ء — ترجمان السنہ جلد ثالث ۔ اسلام کا نظام حکومت ۔ طبع جدید مع اضافہ و ترتیب جدید ۔ بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد دوم ۔ خلفائے راشدین ۔ واہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

سنہ ۱۹۵۷ء — لغات القرآن جلد پنجم ۔ صدیق اکبر ۔ تاریخ ملت حصہ یازدہم ۔ سلاطین ہند ۔ روسی انقلاب ۔ روس انقلاب کے بعد

سنہ ۱۹۵۸ء — لغات القرآن جلد ششم ۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۔ تاریخ جواہر ۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد سوم

سنہ ۱۹۵۹ء — حضرت عمر کے سرکاری خطوط ۔ غدر ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ۔ مصائب سرگزشت ۔

سنہ ۱۹۶۰ء — تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۹ ۔ ۳۰ ۔ حضرت ابوبکر صدیق کے سرکاری خطوط ۔ امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق ۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام ۔

سنہ ۱۹۶۱ء — تفسیر مظہری اردو جلد اول ۔ مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط ۔ اسلامی کتب خانے ۔ برصغیر ۔ تاریخ ہند پر نئی روشنی

سنہ ۱۹۶۲ء — تفسیر مظہری اردو جلد دوم ۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں ۔ معارف الآثار ۔ نیل سے فرات تک ۔

سنہ ۱۹۶۳ء — تفسیر مظہری اردو جلد سوم ۔ تاریخ ردہ ۔ سرکشی ضلع بجنور ۔ علماء ہند کا شاندار ماضی اول

سنہ ۱۹۶۴ء — تفسیر مظہری اردو جلد چہارم ۔ حضرت عثمان کے سرکاری خطوط ۔ عرب و ہند عہد رسالت میں ۔ ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں ۔

سنہ ۱۹۶۵ء — ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اول ۔ تاریخی مقالات ۔ لادینی دور کا تاریخی پس منظر ۔ ایشیا میں آخری نوآبادیات

سنہ ۱۹۶۶ء — تفسیر مظہری اردو جلد پنجم ۔ رموز عشق ۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک ۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ۔

سنہ ۱۹۶۷ء — ترجمان السنہ جلد چہارم ۔ تفسیر مظہری اردو جلد ششم ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ

سنہ ۱۹۶۸ء — تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم ۔ تین تذکرے ۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ۔ اسلامی ہند کی عظمت رفتہ ۔

سنہ ۱۹۶۹ء — تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم ۔ تاریخ الفخری ۔ حیات ذاکر حسین ۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر

سنہ ۱۹۷۰ء — حیات عبدالحی ۔ تفسیر مظہری اردو جلد نہم ۔ مآثر و معارف ۔ حکام ترجیب ۔ حالات زمانہ کی رعایت

سنہ ۱۹۷۱ء — تفسیر مظہری اردو جلد دہم ۔ بیماری اور اس کا روحانی علاج ۔ خلافت راشدہ اور ہندوستان

سنہ ۱۹۷۲ء — فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ۔ انتخاب الترغیب والترہیب ۔ اخبار التنزیل ۔ عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

. (DN) 221 PHONE : 262815 NOVEMBER 1985
-57 Subs. 40/-Per Copy Rs. 3-50

**BURHAN** (Monthl

4136, Urdu Bazar, Jama Masjid, Delhi- 110006.





حمید الرحمن عثمانی پرنٹر پبلشر نے اعلیٰ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

سرورق ٹائٹل بہ اہتمام جلال پریس مٹیا محل دہلی طبع شد

بیادگار حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ



## ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

# برہان



نگرانِ اعلیٰ حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینی

مدیرِ اعزازی
قاضی اطہر مبارکپوری

مرتب
جمیل مہدی

# مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

**سنہ ۱۹۳۹ء** اسلام میں غلامی کی حقیقت - اسلام کا اقتصادی نظام - قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ -
تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام - سوشلزم کی بنیادی حقیقت -

**سنہ ۱۹۴۰ء** غلامانِ اسلام - اخلاق و فلسفۂ اخلاق - فہم قرآن - تاریخ ملت حصہ اول "نبی عربی صلعم" - صراط مستقیم (انگریزی)

**سنہ ۱۹۴۱ء** قصص القرآن جلد اول - وحی الٰہی - جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول -

**سنہ ۱۹۴۲ء** قصص القرآن جلد دوم - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات)
مسلمانوں کا عروج و زوال - تاریخ ملت حصہ دوم "خلافتِ راشدہ" -

**سنہ ۱۹۴۳ء** مکمل لغات القرآن مع فہرستِ الفاظ جلد اول - اسلام کا نظامِ حکومت - سریہ - تاریخ ملت حصہ سوم "خلافتِ بنی امیہ"

**سنہ ۱۹۴۴ء** قصص القرآن جلد سوم - لغات القرآن جلد دوم - مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت (کامل)

**سنہ ۱۹۴۵ء** قصص القرآن جلد چہارم - قرآن اور تصوف - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے)

**سنہ ۱۹۴۶ء** ترجمان السنہ جلد اول - خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ - جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو -

**سنہ ۱۹۴۷ء** مسلمانوں کا نظمِ مملکت - مسلمانوں کا عروج و زوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے
اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم - حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ -

**سنہ ۱۹۴۸ء** ترجمان السنہ جلد دوم - تاریخ ملت حصہ چہارم "خلافتِ ہسپانیہ" تاریخ ملت حصہ پنجم "خلافتِ عباسیہ اول"

**سنہ ۱۹۴۹ء** قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل)
تاریخ ملت حصہ ششم "خلافتِ عباسیہ دوم" بصائر -

**سنہ ۱۹۵۰ء** تاریخ ملت حصہ ہفتم "تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ" تدوین قرآن - اسلام کا نظامِ مساجد -
اشاعتِ اسلام، یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا -

**سنہ ۱۹۵۱ء** لغات القرآن جلد چہارم - عرب اور اسلام - تاریخ ملت حصہ ہشتم "خلافتِ عثمانیہ" جارج برنارڈ شا -

**سنہ ۱۹۵۲ء** تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر - فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول (جس کو
از سرِ نو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے - کتابتِ حدیث -

**سنہ ۱۹۵۳ء** تاریخ مشائخ چشت - قرآن اور تعمیرِ سیرت - مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ -

# برہان

مدیر مسئول: عبدالرحمٰن عثمانی

جلد ۹۸ | ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۶ء شمارہ ۶



عبدالرحمٰن عثمانی پرنٹر پبلشر نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار دہلی سے شائع کیا

# نظرات

آج کا انسان اب یا تو پہاڑوں پر جاکر خوبصورتی دیکھ سکتا ہے، یا خلاء بسیط میں جاکر دنیا پر ایک نظر ڈالنے سے اس کی خوبصورتی کا احساس کرسکتا ہے، لیکن جو اصل دنیا ہے، اس میں سکون اور خوبصورتی اب کسی کے لئے نہیں رہ گئی ہے، سیاست جب تک اصول و اخلاق کا تھا، اس دنیا میں ہزار جنگوں کے باوجود نسبتاً امن قائم رہا، لیکن جب سے سیاست ایک پیشہ بن گئی ہے، اس وقت سے یہ حال ہوگیا ہے کہ جنگ نہ بھی ہو تو اس کی دہشت اور خوف سے انسان بیچھا نہیں چھوٹ سکتا، اتنی آوازیں، اتنے بلاوے، اتنے نظریات، اور اتنے فلسفے کسی زمانے میں بھی دنیا میں جمع نہیں ہوئے جتنے کہ آج نظر آتے ہیں لیکن ہر فلسفہ کا خول اترتا ہے تو اس میں انسان کے — خواہ وہ فرد کی صورت میں یا قوم کی — استحصال کرنے والی ننگی قوت برآمد ہوجاتی۔

ان ملکوں میں جن میں ہندوستان بھی شامل ہے حالت اور زیادہ خراب ہے، جہاں سماجی مکمل نہیں ہوا ہے اور انھیں، نابالغی کی حالت میں ایک دور سے دوسرے دور میں چھلانگ لگانی پڑی ہے۔ اس طرح کے ملک اور ان میں ہندوستان بھی شامل ہے ذہنی طور پر دولخت ہوگئے ہیں، اور ایک ایسی مضحکہ خیز صورت حال کا شکار ہوگئے ہیں کہ ان کے ذہن کا ایک حصہ پرانے دور میں لگا ہوا اور دوسرا حصہ نئے دور سے وابستہ ہوگیا، نتیجہ یہ ہے کہ وہ نہ تو پورے طور پر قدیم رہ سکے ہیں، نہ پورے طور پر جدید بن سکے ہیں۔

---

ترقی یافتہ ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ اپنی دولت کے سہارے پر ایک ایئر کنڈیشنڈ کیڈیلاگ خرید کر اس میں سونے کے پتروں کا جڑاؤ ہر قسم کا آسائشی سامان فراہم کرلیں، لیکن آپ کا دماغ اٹھارہویں صدی کا ہی رہے، ایسی صورت میں چاہے آپ خلاء میں چکر لگا رہے ہوں، ذہنی اعتبار سے قدیم ہی رہیں گے۔ جدید اور ترقی یافتہ ہرگز نہیں بن سکتے اس

لیکن آپ بیسویں صدی کے جدید ذہن کے ساتھ پھٹے پرانے کپڑوں میں دو پہر کے وقت شام کی روٹی کی فکر میں پیدل دوڑتے نظر آئیں تو اس بے سروسامانی، اور اسباب تعیش سے یکسر محرومی کی حالت میں بھی جدید اور ترقی یافتہ ہی جانے رہیں گے قدیم اور رجعت پسند ہرگز نہیں ہو سکتے۔

ایسے سبھی ملکوں میں — جن میں ہندوستان بھی شامل ہے — اور جن کی تعداد اس وقت تیس سے بھی زیادہ ہوگی، ایسے ہی جدید اور ترقی یافتہ لوگ نظر آتے ہیں جو اٹھارہویں صدی کا دماغ کندھے پر رکھے ہوئے، ائرکنڈیشنڈ محلوں اور کوٹھیوں میں سکونت پذیر ہیں، اور جدید ترین لباسوں میں ایرکنڈیشنڈ کاروں کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہیں، ان لوگوں نے جاگیردارانہ اور سامراجی نظام کے دور میں مشینوں کی شکل تو دیکھ لی تھی، لیکن ان مشینوں کی کھٹ کھٹ سے ابھرنے والے اس صنعتی دور کی جھلک بھی نہیں پائی جس نے حقیقی ترقی یافتہ اور جدید ملکوں میں اس ذہنی انقلاب کو جنم دیا تھا، جو آج ایٹمی اور خلائی دور سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے ان کی رہنمائی کر رہا ہے۔

---

اسی صورت حال کا نتیجہ ہے کہ صرف دو چار ملک پورے طور پر جدید اور ترقی یافتہ ہو کر ساتھ خلائی اور ایٹمی دور کے ہر تقاضے کا ساتھ دینے پر قادر ہیں، اور دس بیس ملک تیزی کے ساتھ قدم مار کر ان کے برابر آنے اور قدم سے قدم ملانے کی تگ و دو اور جد و جہد میں لگے ہوئے ہیں، باقی ملک وہ ہیں، جو خلائی اور ایٹمی دور کی برکتوں پر رشک و حرص کی نظریں ڈالنے اور اس کے تباہ کن اثرات اور خوفناک عمل سے لرزہ براندام ہونے کے سوا کوئی سکت اپنے اندر نہیں پاتے، وہ معاشی ترقی، فوجی قوت اور سیاسی استحکام کے لئے عملی طور پر بڑی قوتوں کی مدد پر انحصار کرنے اور بعض اوقات ان کے دست نگر بننے پر مجبور ہوتے ہیں، لیکن سماجی اور معاشرتی شعبوں میں ان کی ہمسری کی کوشش سے باز نہیں آتے۔

---

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ناپختہ سیاسی اور ذہنی کیفیتوں کے سبب وہ تمام کمزوریاں بخرابیا

اسی طرح تمام تناقض اور تضادات ان ملکوں کے [illegible]
سیاسی [illegible] تبدیلیاں ایک تاریخی عمل کے بجائے محض [illegible]
[illegible] کے طور پر جمہوری نظام — جو مشرقی ملکوں میں صرف اس لئے ناکام ہوا کہ [illegible]
نہیں پاسکے، جو خالص جاگیردارانہ اور سامراجی دور کی دین تھا۔ انھوں نے جمہوری نظام تو ان ترقی یافتہ
ملکوں کی تقلید میں اپنے یہاں قائم کر لیا، جو اس کے قیام کے تمام مرحلوں کو طے کرنے کے
بعد اس کی برکتوں سے مالا مال ہونے کے فطری طور پر مستحق بن گئے تھے۔ لیکن ان عناصر
اور ان محرکات کو ختم کرنے میں ناکام رہے، جن کی موجودگی میں جمہوریت دو قدم بھی آگے کی
طرف نہیں چل سکتی۔ اس لئے [illegible] ایشیا کے بیشتر ملکوں میں جمہوری تجربہ
کا جو انجام ہوا، وہ سب پر ظاہر ہے مگر ہندوستان میں جمہوریت ابھی تک چل رہی
ہے لیکن اس کا دامن بھی بڑھتے ہوئے کرپشن نے جس طرح تار تار کر رکھا ہے، اسے
ہر شخص دیکھ سکتا ہے اس لئے اس کے بیان کی کوئی ضرورت نہیں۔

---

جیسا ہم نے کہا کہ ان ملکوں میں جہاں جاگیردارانہ دور کے خاتمہ کا عمل قدرتی
طور پر مکمل نہیں ہو سکا ہے، جتنے بھی سیاسی نظام قائم ہوئے، وہ خود اپنے اندرونی
تضادات کے بوجھ سے خم کھا کر اور لچک کر کچھ کے کچھ ہو گئے، ان ملکوں میں طبقاتی
کشمکش بھی ابتدائی درجے میں رہ گئی ہے، سوشلزم اور جمہوریت اور آمریت کے تجربے
بھی عملی طور پر ناکام ثابت ہو گئے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ آدھی سے زیادہ دنیا میں جس چیز کا
راج نظر آتا ہے وہ بے یقینی کی حالت ہے، جہاں آمریت اور ڈکٹیٹرشپ قائم ہے،
وہاں بھی لوگ پریشان ہیں، جہاں فوجی حکومتیں ہیں، وہاں بھی امن و سکون کے کوئی
آثار نہیں۔ ناپختہ ذہنی کیفیتوں سے ٹکرا کر ہر نظریہ چکنا چور نظر آتا ہے اور ہر نظام
کی روح اس کے قالب سے باہر دکھائی دیتی ہے۔ اسی بے سکونی، اسی پریشانی اور
شورش جیسی حالت کا قدرتی ردعمل انتہائی غیر منطقی اور مصنوعی فضا کی صورت میں ظاہر ہوتا
ہے، جس میں احیائیت کی طرف لوٹ جانے کی خواہش غالب نظر آنے لگتی ہے۔ لوگ
سوچنے لگتے ہیں کہ نئے طریق علاج اور نئے مرہموں سے تو چارۂ زخم نہیں ہو سکا تو آؤ

پرانا ہی طریقہ استعمال کر دیکھیں، لیکن مصیبت جب آتی ہے کہ اس خلفشار، پارہ پارہ سیاسی اور معاشی نظریوں کے گورکھ دھندے اور سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں کی ایک لمبی زنجیر کے ساتھ ماضی پرانے دور میں لوٹنا بھی مشکل اور ناممکن دکھائی دینے لگتا ہے۔ اور نجات کے اس راستہ کو بھی بند دیکھ کر جھلاہٹ میں اور اضافہ ہونے لگتا ہے جو پہلے ہی کچھ کم نہیں تھی۔

---

مثال کے طور پر جو لوگ مذہبی تعصب اور منافرت سے مجبور ہو کر ہندوستان پر ہندو راج قائم کرنے کا تصور پیش کرتے ہیں، ان کے جمہوریت سے غیر مطمئن ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں، البتہ ان کی بے اطمینانی اور مایوسی کی وجوہات پر بحث کی جا سکتی ہے، اور اس کا قیاس لگایا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جمہوری نظام سے اس درجہ مایوس ہو گئے ہیں کہ آگے بڑھنے کے بجائے انھیں پیچھے ہی ہٹنے میں عافیت نظر آتی ہے، لیکن ان کی ذہنی کیفیت اس وقت پوری طرح مشتبہ اور غیر معتبر ثابت ہوتی ہے، جبکہ وہ ان سوالات کا جواب دینے میں بے بس ٹھہرتے ہیں کہ وہ ایک پورے ملک کو اس کی صدیوں کی تبدیلیوں نیم پختہ اور پختہ رسوم و رواج اور معاشرتی اور سیاسی روایتوں کے ساتھ ہزاروں برس پہلے کی فضا میں کیسے لے جا کر ٹیک دیں گے اور یہ کیسے ممکن ہوگا کہ وہ نظام جو گاؤں اور دیہ کی پنچایتوں اور وسائل آمد و رفت سے محروم آبادیوں میں مروج تھا، ایسے عظیم اور گنجان شہروں پر منطبق کر دیا جائے، جن کی آبادی اب لاکھوں کی حد سے گزر کر کروڑ کی حدوں تک پہونچ رہی ہے۔ اور ان متضاد عناصر میں مناسبت کی کیا شکل ہوگی، جو ایک طرف ذاتوں کے مستقل نظام اور دوسری طرف پچھڑی ہوئی جاتیوں کو مساوی درجہ دینے کے اصول، بینکوں کے ملکی اور غیر ملکی روابط، اور تجارت کے نئے اور بین الاقوامی ضابطوں کی پابندی اور اسی طرح کے مسائل کی صورت میں پرانے ہندو راج کے لئے ایک چیلنج کی صورت میں سامنے آئیں گے۔ جب تک مسلمان، عیسائی، اور اب — کہنا چاہئے کہ سکھ قومیتیں، ایک ناگوار اور ناقابل برداشت بوجھ کی صورت میں سامنے تھیں، اس وقت تک تو ہندو راج کا تصور یقیناً دلکش اور دلفریب نظر آ سکتا

[illegible]

[illegible] اس میں ان [illegible] تمام [illegible] کو [illegible] اس کے [illegible]
ر دقوم کے یے مخصوص کر لینے کے تمام خواب آگئیں اور [illegible] عناصر [illegible]
رکے لئے یہ مان کر چلنے کے بعد کہ ہندوؤں کے علاوہ کوئی دوسری [illegible]
بہرا فرقہ ملک میں موجود نہیں رہا۔ خود ہندو راج کا نظریہ کس درجہ ناقابلِ عمل اور
معنی نظر آنے لگتا ہے اس کے بارے میں سوچنے تک کی ضرورت غالباً کسی کو محسوس
ہیں ہوتی۔

---

حقیقت یہ ہے کہ کہ ہندو راج کے نظریہ کی ساری دلکشی اور آب و رنگ، غیر ہندو
بیوں اور غیر ہندو مذاہب کی وجہ سے قائم ہے۔ یہ قومیتیں درمیان سے نکل جائیں تو یہ مسئلہ
،نہ ہو پائے گا کہ ہندو راج سناتن دھرمیوں کے اقتدار میں قائم ہو گا، یا آریہ سماجیوں کے
راس اقتدار میں شمالی ہندوستان کے ہندوؤں کے معتقدات کا غلبہ ہو گا یا جنوب کے ہندوؤں کے
فکر و خیال کا — اور یہ کہ اس راج کی سرکاری زبان ہندی ہو گی یا انگریزی بولنے والے
ہندوؤں کے نظریات اس مسئلہ پر قطعی اور آخری ثابت ہوں گے — اور یہ کہ اس راج میں
رکاری مذہب مورتی پوجنے والوں کا مذہب ہو گا یا مورتی کھنڈن کرنے والوں کا۔ اس
ایک نمونہ تو پاکستان میں دنیا دیکھ ہی رہی ہے، جہاں اسلام کے سرکاری مذہب پر
ب کا اتفاق ہے لیکن اس کی تعبیر و تعریف مختلف طبقوں اور مختلف پارٹیوں کی طرف سے
تنے مختلف انداز میں کی جاتی ہے کہ صاف طور پر محسوس ہونے لگتا ہے کہ پیپلز پارٹی
اسلام اور ہے، مسلم لیگ کا اور ہے، جماعت اسلامی کا اسلام اور ہے،
رحکمران مسلم لیگ کا اسلام اور دیوبندی عقائد کے لوگوں کا اسلام اور ہے،
یلوی جماعت سے متعلق لوگوں کا اور — نتیجہ یہ ہے کہ ملک پر اسلامی نظام کے نفاذ
ے زیادہ متنازعہ وہاں کوئی چیز نہیں رہ گئی ہے۔

---

جن قوموں کے سیاسی نظاموں کو کامیاب اور مستحکم سمجھا جاتا ہے وہ بھی
لسانی تضاد کا اس درجہ شکار ہیں کہ ان کے دعووں اور نظریاتی [illegible]

کا سا اختلاف شک دکھائی دینے لگتا ہے، مثال کے طور پر روس کے کمیونسٹ نظام میں جس کی بنیاد ہی مزدوروں کی پرولتاریت اور اقتدار کے نظریہ پر قائم ہے اور جو مزدوروں کے ہڑتال اور زیادہ بہتر زندگی کے حق کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے، اس کے اپنے اور حلقہ اقتدار میں آنے والے ملکوں میں مزدوروں کو ہڑتال کا حق حاصل نہیں ہے، وہ ساری دنیا میں مزدور تنظیموں کی جدوجہد اور ان کے ہڑتال کے حق کی حمایت کرتے ہیں، لیکن پولینڈ والیسا کے ہڑتال کے حق کے مطالبہ کا جواب، وارسا میں فوجی کارروائیوں اور ٹینکوں کے استعمال کے ذریعہ دیتے ہیں، ساری دنیا میں قوموں کے حق خود ارادیت کی تائید کرتے ہیں لیکن ہنگری، پولینڈ، چیکوسلاویکیہ اور افغانستان کے لوگوں کو حق خود ارادیت لینے پر کسی طرح تیار نہیں ہوتے۔ ان کے مقابلہ میں مغربی ملکوں میں جہاں مساوات، جمہوریت اور قوموں کو آمریت سے آزاد کرانے کا موقف اتنا مستحکم ہے کہ وہ اس کو جمہوری اور آزاد نظام کی کامیابی کا ثبوت اور اس کی ضمانت قرار دیتے ہیں، کمزور ملکوں کو ڈپلومیسی، تجارت اور قرضوں کے جال میں پھنسا کر بے بس اور محکوم بنانے کے منصوبے دھڑلے کے ساتھ روبہ عمل لائے جاتے ہیں، اور ان ملکوں کی حقیقی نمائندہ حکومتوں کو گرا کر اپنی آلۂ کار حکومتیں قائم کرنے کی سازش دن رات چلتی رہتی ہے۔

---

ہندوستان میں جہاں سب طبقوں، تمام مذاہب اور تمام فرقوں کے لئے مساوی سلوک اور مساوی مواقع کے اصول پر جمہوریت قائم ہوئی تھی، تھوڑی دور آگے چل کر ہی، سیکولرازم اور جمہوریت کا تصور اس لئے دھندلا پڑ گیا کہ لوگ پرانے جاگیردارانہ نظام سے اپنا ذہنی رشتہ توڑنے کے لئے تیار نہ تھے، اور حکومت کو بدستور، ایک ایسی چیز سمجھتے تھے، جو راجاؤں اور بادشاہوں کی طرح ہر اختیار اور ہر طرح کے وسائل کی بلا شرکت غیرے مالک ہو۔ اس جاگیرداری اور شہنشاہی ذہنیت

کالازمی نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت کو خود اپنی ملکیت سمجھنے کا تصور عوام [illegible] ہو گیا اور وہ حکومت میں شرکت کے جذبہ کے بجائے، حکومت کو اپنے سے الگ، بلکہ اپنے اوپر حاکمیت قائم کرنے والا ایک ادارہ سمجھنے لگے، اور اس طرح وہ ایک [illegible] سی کیفیت کا شکار ہو گئے جس میں حقوق کے مطالبہ اور مراعات کے حصول کا جذبہ غالب اور فرائض کا احساس اور ذمہ داریوں کا خیال اس طرح مغلوب و معدوم ہو کر رہ گیا کہ آج اس کا نشان تک بھی عوامی نقل و حرکت اور سماجی و سیاسی سرگرمیوں میں دکھائی نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ کہنے کو تو ہندوستان میں دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت قائم ہے لیکن عملی طور پر، اور ذہنی طور پر یہاں کے عوام اٹھارھویں صدی کے ماحول میں رہ رہے ہیں [illegible] ذہنی انتشار کا نتیجہ ہے کہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ساری دنیا میں عام انسانی زندگی، بے اطمینانی، بدنظمی اور ایسی مشکلات کا شکار ہو گئی ہے کہ کسی جگہ سکون اور دل جمعی کا نشان نہیں رہا۔

# اسلام و سائنس

مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری (نیپال)

حق تعالیٰ نے انسان کو دماغ دے کر سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت بخشی۔ مگر تنہا دماغ کافی نہیں ہے کیونکہ اس کو علم کی ضرورت ہے جیسے آنکھ میں دیکھنے کی صلاحیت دی گئی ہے مگر تنہا آنکھ کافی نہیں ہے کیونکہ اس کو خارجی روشنی کی ضرورت ہے۔ روشنی کے بغیر کوئی آنکھ اس کو دیکھ نہیں سکتی۔ چنانچہ رات کے وقت ایک تاریک کمرہ میں آنکھ رکھتے ہوئے بھی کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ اگر بجلی کا بلب روشن کر دیا جائے تو ہر چیز صاف نظر آنے لگتی ہے۔ اسی طرح وحی الٰہی دماغ اور عقل کے لئے روشنی ہے، اس روشنی کے بغیر ہم تنہا دماغ سے اشیاء کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے۔

یہ کائنات کیا ہے؟ اس کا خالق و مربی کون ہے؟ اور اس کائناتی نظام کا سلسلہ کب تک رہے گا؟ اس کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ انسان کا فائدہ کس چیز میں ہے؟ نقصان کس چیز میں ہے؟ یہ سب باتیں وحی الٰہی سے معلوم ہوتی ہیں، علم الٰہی کے بغیر جو لوگ حقائق اشیاء معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ سب بھٹکتے رہتے ہیں۔

اس علم الٰہی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ انسان کو خدا شناس بناتی ہے۔ ایک مثال پر غور کیجئے کہ ایک آدمی کسی اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر موجود ہے لیکن وہاں روشنی نہ

[illegible] ہے [illegible] ہیں اس کا [illegible]
[illegible] اتفاق سے وہ لوگ بھی پیٹ ناگام پر موجود ہوتے ہیں۔ لیکن اگر [illegible]
تو سبھی لوگ نظر آتے اور وہ شخص ان کی مناسب تکریم و خدمت بجا لاتا۔ اسی طرح
دماغ کی روشنی علم الٰہی ہے اس علم و معرفت کے بغیر آدمی اپنے رب کی اطاعت و
عبادت کو بجا نہیں لا سکتا کیونکہ وہ اپنے رب کو پہچانتا ہی نہیں تو اطاعت و
خدمت کیسے بجا لائے گا اس لئے علم کی تحصیل ضروری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی
دعاؤں میں پڑھتے تھے۔ "رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا" (سورۃ طٰہٰ) یعنی اے میرے رب میرے
فہم و بصیرت میں علم کے ذریعہ زیادتی پیدا کر۔

اس قرآنی دعا کو ہم بھی اپنا وظیفہ بنائیں تاکہ صحیح علم حاصل ہو اور ہم خدا شناس
بن سکیں۔ شیخ سعدی شیرازی نے کیا ہی خوب لکھا ہے ؎

پے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

**علم کی فضیلت وجدانی ہے**

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ علم کے محمود و مستحسن ہونے کا فیصلہ خود وجدان سے ہو جاتا ہے چنانچہ دیکھئے کہ آپ جاہل مطلق ہوں لیکن آپ کو جب واقعہ کوئی جاہل کہہ کر خطاب کرے تو آپ کو برا لگے گا کہ دیکھو فلاں شخص مجھ کو جاہل کہتا ہے۔ لیکن آپ کی جہالت کے باوجود کوئی آپ سے کہے کہ آپ بڑا اچھا علم رکھتے ہیں آپ کے علم و فہم کا کیا کہنا۔ تو اگرچہ آپ جاہل مطلق ہوں پھر بھی اس کا یہ کہنا آپ کو اچھا معلوم ہوگا۔ کیونکہ اس نے علم کی طرف آپ کی نسبت کی [illegible] صاف معلوم ہوتا ہے کہ علم کے انتساب کو ہر انسان اپنے لئے وجہ عظمت اور باعث فضیلت جانتا ہے۔

خدا شناسی کا ... بغور دیکھئے زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے اور ہوا، بارش وغیرہ کے فوائد و منفعت ہمیں حاصل ہو رہے ہیں، دنیا کی ایک معمولی سی چیز ہی کہ ایک سوئی تک بھی ہمیں مفت نہیں مل سکتی مگر یہ ہماری عظیم الشان خدمت کرنے والے، سورج، چاند ستارے ہمارے غلہ پکانے والے، اور اس میں وسعت، خوشبو، مزہ، رنگ وغیرہ ڈالنے والے سارے کے سارے ہماری مفت خدمت انجام دے رہے ہیں۔ شیخ سعدیؒ اسی حقیقت کی طرف ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند

تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ایں ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار

شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرمان نبری

دنیا کا قاعدہ ہے کہ احتیاج طرفین سے ہوتا ہے ہم دھوبی کے محتاج ہیں کہ وہ ہمارے کپڑے صاف کرے، دھوبی ہمارا محتاج ہے کہ ہم سے پیسے لے۔ ہم معمار کے محتاج ہیں کہ وہ مکان تعمیر کرے وہ ہمارا محتاج کہ ہم سے پیسے حاصل کرے۔ ہم ڈاکٹر کے محتاج کہ وہ ہمارا علاج کرے اور وہ ہمارا محتاج ہے کہ ہم سے پیسے حاصل کرے اس طرح کی صدہا مثالیں ہیں۔ یہاں قاعدہ الٹ گیا۔ یہاں احتیاج! صرف ایک طرف سے ہے ہم ان تمام چیزوں، آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، ہوا، بارش وغیرہ کے محتاج ہیں۔ مگر یہ چیزیں ہماری ذرہ بھر محتاج نہیں ہیں۔ ہم نہ ہوں گے جب بھی یہ ساری چیزیں اپنے فیوض کو جاری رکھیں گی ؎

دریغا کہ بے ما بسے روزگار

بروید گل و بشگفد لالہ زار

یہاں انصاف کیجیے کہ جب ہم ایک سڑک اور ایک ...
عظیم احسان اور ضروریات زندگی کی اتنی اہم چیزیں ہمیں مفت ... پابندی کی
طرح کے نظم کے ساتھ بلا ناغہ کون دے رہا ہے؟ حکومت سڑک بناتی ہے تو ٹیکس لیتی
ہے۔ پانی کا انتظام کرتی ہے تو ٹیکس لیتی ہے۔ بجلی اور روشنی فراہم کرتی ہے تو ٹیکس لیتی
ہے۔ الیکٹرک پنکھوں کی سپلائی پر ٹیکس لیتی ہے۔ مگر چاند، سورج اور کروڑہا ستاروں
کی روشنی اور فیوض پر اور آسمان کے مسلسل پانی اور باران رحمت کے نزول پر ہوا
کے سرد و خنک جھونکوں پر کسی قسم کا آج تک کوئی ٹیکس نہیں لگایا گیا تو جس ذات نے
بلا عوض بلا ٹیکس یہ فیض جاری کر رکھا ہے۔ ہم اسی کو خالق کائنات رب العالمین اور
خدائے برحق سمجھتے ہیں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہتے ہیں۔ اور صرف وہی اس
کے لائق ہے ارشاد ہے: لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا لله الذی
خلقهن ان كنتم اياه تعبدون (سورۂ حم سجدہ) یعنی چاند سورج کی پرستش
نہ کرو۔ بلکہ اسی ذات کی پرستش کرو جس نے ان کو پیدا کیا۔ اگر تم اطاعت کرنا چاہتے
ہو۔

مطلب یہ ہے کہ چاند و سورج کے فوائد و فیوض کو دیکھ کر تم یہ نہ سمجھو کہ ان کے
یہ ذاتی فیوض ہیں۔ بلکہ یہ فیوض و فوائد ان چیزوں میں ان کے خالق ودیعت کئے ہوئے
ہے اس لئے مستحق عبادت صرف ان کا خالق ہی ہے۔ کسی نے کیا ہی خوب
لکھا ہے ؎

خرد اللہ اللہ اک رنجور ہیں واں
مہ و مہر اعلیٰ سے مزدور ہیں واں
جہاں ماہ مغلوب و قہر ہیں واں
نبی اللہ صدقے [illegible]

نہ پرستش ہے رہبان و احبار کی واں
نہ پروا ہے اخیار و ابرار کی واں

چاند سورج کائنات میں خدا کے احکام کے تابع ہیں اور پھر کسی طرح بھی کوئی ذاتی اختیار نہیں رکھتے۔ خدا جب چاہتا ہے انھیں گہن میں ڈال دیتا ہے۔ ان کی روشنی مدھم پڑ جاتی ہے۔ یہ ان کے مخلوق و مملوک ہونے اور خالق کائنات کی عظمت، وجلالت اور قدرت مطلقہ پر ایک واضح دلیل ہے۔

**زمین کے فوائد پر غور**

ارشاد باری ہے: والارض فرشناها فنعم الماهدون۔ یعنی ہم نے ہی زمین کو بچھایا اور ہم اچھے ہموار کرنے والے ہیں۔

دیکھئے زمین نہ ہوتی تو رہائش و آسائش کے لئے ہمارے مکانات اور کوٹھیاں اور بلڈنگیں کس چیز پر کھڑی ہوتیں، زمین نہ ہوتی تو کہاں ہمارے کاروبار کے لئے فیکٹریاں، ملیں اور کارخانے قائم ہوتے۔ زمین نہ ہوتی تو کہاں ہمارے آم کے باغات ہوتے۔ انار، سیب، انگور، اخروٹ اور بادام وغیرہ فروٹ و پھل کہاں سے حاصل ہوتے۔ زمین نہ ہوتی تو گلاب، چنبیلی، جوہی وغیرہ کے درخت کہاں لگتے اور ہم طرح طرح کے خوشبو، عطریات و زعفران کہاں سے حاصل کرتے۔ زمین نہ ہوتی تو ہماری کھیتیاں کہاں ہوتیں۔ چاول، گیہوں، مٹر، چنا وغیرہ اناج ہم کس طرح حاصل کر سکتے۔ زمین نہ ہوتی تو ہمارے کنویں، پوکھر، تالاب، آبشار کہاں ہوتے؟ ہم کو اور ہمارے جانوروں کو پانی کہاں سے میسر آتا؟ پھر اس سے حاصل کردہ بجلی کیسے مل سکتی؟ جس سے سارے کارخانوں اور ملوں میں رونق ہے۔ زمین نہ ہوتی تو مریضوں کے اسپتال، شفاخانے کہاں ہوتے؟ اور دوائیں کہاں رکھی جاتیں، آپریشن روم کہاں ہوتا؟ مریضوں کے بستر کہاں لگتے؟ اور پھر زمین نہ ہوتی تو ہماری دواؤں کے لئے جڑی بوٹیاں

کہاں پیدا ہوتیں؟ اور دنیا کی [illegible] برگ ستارہ، شاہ چیرہ وغیرہ کے [illegible] ہوتے۔ یہ زمین نہ ہوتی تو [illegible] سائنس یونیورسٹیاں، مدرسے، یونیورسٹیاں، دارالعلوم اور [illegible] کہاں قائم ہوتے؟ زمین نہ ہوتی تو ڈاک خانے کہاں قائم ہوتے اور خطوط و [illegible] دنیا بھر میں کیسے بھیجے جاتے؟ زمین نہ ہوتی تو اسٹیشن کہاں اور کس پر قائم ہوتے اور پورے ملک میں ہم سفر کس طرح کرتے؟

یہ زمین نہ ہوتی تو ہوائی جہازوں، خلائی راکٹوں، ہیلی کوپٹروں کے لئے ہوائی اڈے کہاں بنائے جاتے؟ اور ہم بین الاقوامی سفر اور ممالک غیر کی سیاحت کیسے کرتے؟ یہ زمین نہ ہوتی تو ہمارے عدل و انصاف کے لئے عدالت گاہیں اور سرکاری عمارتیں کہاں قائم ہوتیں؟ زمین نہ ہوتی تو ہمارے انکشافات و ایجادات، تحقیقات اور ذخیرے کے لئے محفوظ کرنے کے محل کہاں قائم ہوتے؟ اور یہ زمین نہ ہوتی تو گائے، بھینس اور مویشیوں کے لئے چراگاہیں کہاں ہوتیں؟ اور گھاس و چارہ کی چیزیں کہاں سے ہوتیں؟ پھر دودھ، کھویا، بالائی، مکھن اور گھی جیسی نعمتوں سے ہم محروم ہو جاتے۔ زمین نہ ہوتی تو لکڑی وغیرہ کے درخت کہاں لگتے؟ اور پھر ہماری عمارتیں کیسے بنتیں اور چولہا جلانے کے لئے ہم لکڑی کہاں سے لاتے؟ زمین نہ ہوتی تو ہم اناج کہاں سے حاصل کرتے؟ کھیتی کے لئے آلات ٹریکٹر وغیرہ کس سے بنتے؟ ہماری [illegible] کے لئے گاڑی وغیرہ کس چیز سے بنتے؟ اگر یہ زمین نہ ہوتی تو ہم ربڑ کہاں سے حاصل کرتے اور ربڑ کی یہ ساری مصنوعات ٹائر، ٹیوب وغیرہ کیسے میسر آتیں؟ اگر یہ زمین نہ ہوتی تو ہم تیل، پیٹرول وغیرہ کیسے پاتے؟ یہ سارے خزانے تو زمین کے پیٹ میں دفن ہیں اللہ کے بغیر ہمارا گذارا کیسے ہوتا؟ اگر یہ زمین نہ ہوتی تو یہ پہاڑ کہاں قائم ہوتے اور طرح طرح کے پتھر سنگ مرمر و سنگ [illegible] وغیرہ ہم کہاں سے

حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ ابھی ابھی حقیقت کی رو سے ثابت ہے۔ اگر زمین نہ ہوتی تو ہم دنیا بھر کے انجنوں، کارخانوں اور مشینوں کے لئے کوئلہ کہاں سے پاتے؟ جبکہ کوئلہ کا سارا خزانہ زمین کے بطن میں دفن ہے۔ زمین نہ ہوتی تو ہم روئی کہاں سے حاصل کرتے اور ہمارے کپڑے کیسے بنتے؟ زمین نہ ہوتی تو ہمارے بھیڑ دنبے کہاں پرورش پاتے؟ اور ان کے بغیر ہم اونی کپڑے کیسے تیار کر سکتے؟ زمین نہ ہوتی تو ریشم کے کیڑے کہاں پیدا ہوتے؟ اور ان کے بغیر ہم ریشمی کپڑوں کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اگر زمین نہ ہوتی تو سونا و چاندی کی کان اور بعض دیگر کے معدن کہاں ہوتے؟ اور سارے عالم میں جو کاروبار روپیوں اور اشرفیوں کے ذریعہ چلتے ہیں وہ کس طرح انجام پا سکتے؟ اگر زمین نہ ہوتی تو یہ کاغذ کے درخت اور اس کے کچے سامان کہاں بنتے؟ اور پھر کاغذ کے بغیر ساری دنیا میں علمی و تصنیفی کاموں کا کس طرح کمال ہوتا؟ اور آج ہزاروں لاکھوں اوراق جو طرح طرح کے کاغذوں پر چھپتے ہیں ان کا کس قدر نقصان ہوتا؟

الغرض زمین نہ ہوتی تو سارے عالم کی رونق ہی یکدم کافور ہو جاتی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس زمین کو کس نے بنایا۔ کس نے اس کا فرش بچھایا؟ کس نے اس کو زلزلوں اور اضطراب سے محفوظ رکھا اور پرسکون بنایا؟ ہم اس بنانے والے فاطر السماوات والارض کا نام خدا رکھتے ہیں۔ سچ فرمایا ہے خدا تعالیٰ نے وَفِی الْاَرْضِ آیَاتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ۔ یعنی اصحاب علم و یقین کے لئے زمین میں معرفت رب کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ آج تک سائنس دانوں میں بایں ہمہ اکتشافات و ایجادات یہ طاقت نہیں ہے کہ خدائی کائنات سے کچھ لئے بغیر صرف ایک چٹکی دھول بنا دیں۔ یا ایک گز زمین ہی بنا کر دکھا دیں۔ ہرگز نہ کبھی بنا سکے ہیں اور نہ بنا سکیں گے۔ اس کا خالق صرف خداوند کریم ہے اور وہ رب العالمین بھی ہے۔

### علت مؤثرہ زمین نہیں

لیکن زمین میں یہ قدرت نہیں ہے کہ [illegible] گلاب اور گیندا پیدا کرے۔ رنگ برنگ کی چیزوں اور مختلف خواص کی دواؤں کو پیدا کرے۔ ان تمام پیداواروں کے لئے زمین علت سبب مؤثر نہیں ہے بلکہ زمین تو صرف ایک معدن و مخزن ہے اور منبع و مخرج ہے نہ کہ علت و سبب۔ اصل سبب مؤثر تو خدا ہے۔ اس لئے کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ شکر بنانے والی مشین سے صرف شکر برآمد ہوگی۔ اور بسکٹ والی مشین سے صرف بسکٹ اور کاغذ ساز مشین سے صرف کاغذ برآمد ہوتا ہے۔ لیکن یہ زمین تو مختلف اجناس، مختلف پھول، مختلف پھل، مختلف رنگ اور مختلف خواص کی چیزوں کو جنم دیتی ہے۔ کسی عارفِ خدا نے زمین کے اس خاصہ کے متعلق کیا ہی خوب لکھا ہے ؎

چرا در یک زمیں چندیں نباتِ مختلف بینم
زنخل وانار وسیب وبید چوں آبی وچوں تیوک
اگر علت طبائع شد وجود جملہ را چوں شد؟
یکے ممسک یکے مسہل یکے دارو یکے طاعون

معلوم ہوا کہ ان مختلف پیداواری کے لئے زمین علت مؤثرہ نہیں ہے بلکہ ایک اور ہی طاقت ہے جو زمین کے بطن سے مختلف خواص اور مختلف ذائقوں، مختلف قابلیتوں اور مختلف منافع کی چیزوں کو پیدا کرتی ہے۔ اسی کا نام ہم خدا رکھتے ہیں۔

### قدرت کا کمال

سائنس کی بنائی ہوئی مشینوں میں ایک من گیہوں یا چنا یا مٹر ڈال دیجئے تو ایک من آٹا نکال کر دے گی لیکن خداوند کریم کی ایک زبردست و پرحکمت مشین ہے اسی کا نام زمین ہے اس میں ایک دانہ ڈال دیجئے تو سینکڑوں دانے باہر نکال دیتی ہے۔ ایک [illegible]

ال دیتی ہے تو سیکڑوں من دانے پیدا کر دیتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

مثل الذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله کمثل حبة
انبتت سبع سنابل فی کل سنبلة مائة حبة والله
یضاعف لمن یشاء والله واسع علیم ○ (سورہ بقرہ)

یعنی ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانہ کی طرح ہے جس اس دانے سے سات بالیوں کو اگایا اور ہر بالی میں سو دانہ ہے اور جسے اللہ چاہتا ہے اس سے بھی بڑھا دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور بڑے علم والا ہے۔

پوری خلق خدا اس کی زمین سے ہمیش بہا فوائد اٹھا رہی ہے اور ساری مخلوقات کی زندگی اور شاہ وگدا کے عیش کا مدار زمین اس بے پناہ پیداوار اور بے حد و بے حساب خیر و برکت پر ہے اقبال مرحوم نے کیا خوب لکھا ہے ؎

کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار؟ ... ... کا ہے یہ
یہ زمیں کس کی ہے کس کا ہے یہ نور آفتاب؟
پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون ؟
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
موتیوں سے کس نے بھر دی خوشۂ گندم کی جیب؟
موسموں کو کس نے سکھلایا ہے خوئے انقلاب؟

دہ خدا، یا یہ زمیں تیری نہیں تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں میری نہیں

پہاڑوں کے بطن سے زور و شور کے ساتھ دن رات بہنے والے چشمے، یہ ناپیدا کنار سمندر، یہ فلک بوس اور عظیم المنافع پہاڑ اور قدرت کے

[illegible] سے [illegible] پھل [illegible] یہ پیڑوں کے پتے، یہ [illegible]
سب خدا کی بے پناہ بخشش اور انعام اور بے حد و حساب [illegible]
کانی والی ہیں ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار۔

**تخلیق انسانی پر غور** ارشاد ہوتا ہے وفی انفسکم افلا تبصرون یعنی اپنے نفسوں میں غور کیوں نہیں کرتے یعنی آدم کو خدا نے مٹی سے پیدا کیا اور اپنی قدرت سے اس میں روح ڈالی اور حضرت حوا کو پیدا فرما کر پھر ماں باپ کے نطفہ سے انسان کا سلسلہ قائم کیا۔ مقام غور ہے۔ اور خاص طور پر جدید دنیا کے لئے بھی ..... جو موٹر، ہوائی جہاز، تار، ٹیلیفون، ریڈیو وغیرہ ایجاد کرتی ہے کہ یہ سب چیزیں انسان کی پیدائش اور اس کی کاریگری کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ موٹر یا ہوائی جہاز یا دوسری مشینوں اور انجنوں وغیرہ میں لوہے وغیرہ کے ہزاروں پرزوں کو پیٹ پاٹ کر، ڈھال ڈھول کر اور مختلف مقامات میں جوڑ جاڑ کر پٹرول اور ڈیزل اور کروڈ آئل وغیرہ ان کی نالیوں میں پہونچا کر اس کو دوڑایا، چلایا اور اڑایا کرتے ہیں۔ یہ سب انسانی صنعت سے تیار ہوتی ہیں اور ان کے پلاسٹک پرزوں کے خراب ہونے پر دوسرے پرزے بدل کر کام نکالا کرتے ہیں۔ مگر منی کے ایک تولہ ڈیڑھ تولہ پانی پر اس طرح کاریگری کرنا اور اس کے تمام اعضاء و لوازمات کے ساتھ جیتا جاگتا انسان بنانا قدرت کا شاہکار ہے۔ ذرا دیکھئے کہ منی کے نطفہ میں سے سر کی کھوپڑی بنائی جو کتنی سخت ہڈی ہے اور اسی نطفہ سے سر کا بھیجہ اور دماغ کی گودی بنائی جو کتنی نرم و ملائم ہے۔ پھر دماغ میں سیکڑوں تاروں کا کنکشن ڈالا اور اس میں چمکتی ہوئی آنکھ بنائی پھر اسی نطفہ سے بولنے والی بلبل ہزار داستان زبان بنائی۔ حرکت و نطق کے ذریعہ پیدا کرنے کے لئے دو ہونٹ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم الشان کاریگری کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا: الم نجعل لہ عینین ولسانا وشفتین

یعنی کیا ہم نے اُن کے لئے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے ایک اور جگہ ارشاد ہے: انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلناہ سمیعا بصیرا (دھر)

یعنی ہم نے انسان کو مرکب القوی نطفہ سے پیدا کیا کہ اس کی آزمائش کریں پس ہم نے اس کو دیکھنے والا اور سننے والا بنایا۔ ذرا غور کیجئے کہ اس نطفہ سے خدا نے دل، جگر، گردہ، مثانہ بنایا۔ اس نطفہ سے معدہ کے دیگر تمام اعضاء و احشاء بنائے اور اسی میں اتنی تعداد رگ اور باریک نسیں اور ریشے بنائے جن میں روزانہ خون جذب ہوتا ہے اگر ان تمام رگ و ریشوں کو ایک قطار میں کر دیا جائے تو بقول ایک فرنگی محقق کے نوسو اسی میل لمبی لائن تک یہ پہونچ جائے گی۔ پھر اسی نطفہ سے اعضاء رئیسہ بنائے۔ وہ دل بنایا کہ اگر وہ بگڑ جائے تو دوسرا دل نہ بنایا جا سکے اور اگر اس کی حرکت بند ہو جائے تو پھر اس میں حرکت نہ پیدا کی جا سکے۔ اعضاء رئیسہ کے علاوہ دوسرے اعضاء کا بھی یہی حال ہے اگر آنکھ ضائع ہو جائے تو دوسری آنکھ نہ مل سکے۔ اگر زبان گونگی ہو جائے تو دوسری زبان نہ بن سکے۔

الغرض ایک تولہ ڈیڑھ تولہ منی کے نطفہ میں خالق اکبر نے تمام ضروری طاقتوں اور صلاحیتوں کو پیدا فرمایا پھر خدا نے چاہا تو نر بنایا اور چاہا تو مادہ بنایا چنانچہ ارشاد ہے: الم یک نطفۃ من منی یمنی ثم کان علقۃ فخلق فسوی فجعل منہ الزوجین الذکر والانثی الیس ذالک بقادر علی ان یحیی الموتی (سورۂ قیامہ)

یعنی کیا انسان کو منی کے نطفہ سے نہیں بنایا جو پہلے گوشت کا لوتھڑا بنا پھر اس میں تمام اعضاء کو پیدا کیا پھر اس کو سیدھے قد کا بنایا پھر اس سے نر و مادہ کے جوڑا حسب منشاء بنایا۔ پھر ایسا زبردست کاریگر اور قادر مطلق کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ مرنے کے بعد پھر انسان کو زندہ کرے۔ شیخ سعدی نے تخلیق انسانی پر

[illegible]
کیا خوب کہا ہے ؎

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کردہ است بر آب صورت گری؟

ازاں قطرہ لولوئے لالا کند
وزیں صورتے سرو بالا کند

پانی پر یہ بے مثال کاریگری خدائے مطلق کے علاوہ کیا کوئی اور بھی کر سکتا ہے؟ حاشا وکلا۔

## نطفہ تخلیق انسانی کے لئے علت مؤثرہ نہیں

اس نطفہ سے انسان ضرور ہی پیدا ہو جائے ایسا ضروری نہیں ہے کیونکہ اصل سبب مؤثر خود اللہ تعالیٰ اور اس کی مشیت ہے ایسا دیکھا گیا ہے کہ باہم نطفہ ملتا ہے مگر نہ لڑکا پیدا ہوتا ہے اور نہ لڑکی اور کبھی دونوں پیدا ہوتے ہیں اور کبھی صرف لڑکا اور کبھی صرف لڑکی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لله ملك السماوات والارض يخلق ما يشاء يهب لمن يشاء
اناثا ويهب لمن يشاء الذكور او يزوجهم ذكرانا واناثا
ويجعل من يشاء عقيما ۝ (سورۂ شوریٰ)

یعنی خدا ہی کے لئے زمین و آسمان کی بادشاہت ہے اور جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکا ہی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔

پھر یہ نطفہ تمام اعضاء کی سلامتی کا ضامن بھی نہیں ہے کیونکہ انسان کبھی اندھا اور کبھی بہرا اور کبھی لولا، لنگڑا بھی پیدا ہوتا ہے اور کبھی کبھی بچہ تو مر جاتا ہے کر ساقط

ہوجاتا ہے اور کبھی بے جان اور مردہ پیدا ہوتا ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ یہ نطفہ روح کے لئے یا انسانی اعضاء کی صحت وسلامتی کے لئے مؤثر نہیں ہے بلکہ مؤثر اس کی مشیت ہے۔

## کائنات عالم کے لئے انسان کی ضرورت

موٹر، ہوائی جہاز، تار، ٹیلیفون، کارخانے، فیکٹریاں، ملیں، ریل، ٹرین، سب بے کار اور ایک قلم معطل ہوجائیں۔ اگر ان کا بنانے والا انسان اور ان کو حرکت میں لانے والا انسان درمیان سے حذف ہوجائے۔

انسان جس روز صفحۂ ہستی سے ختم ہوجائے گا تو یہ تمام مصنوعات، ایجادات اور کارخانے مشنریاں، فیکٹریاں سب لغو محض ہو کر رہ جائیں گی۔ اور غور کیجئے ایک مثال کو سامنے رکھئے۔ ٹیلیفون سے آپ بات کرتے ہیں۔ اور مدراس میں بیٹھکر کلکتہ بمبئی سے گفتگو کر لیتے ہیں اور خوش ہوجاتے ہیں کہ سائنس کے کمال سے آپ کو کس قدر فائدہ پہونچ رہا ہے۔ لیکن قدرت کے عطیہ کو بالائے طاق رکھ کر قدرت کی اس عظیم کاریگری کو بھول جاتے ہیں، سوچئے کہ اگر طرفین سے بولنے والی زبان اور سننے والے وہ کان نہ ہوں تو وہ ٹیلیفون ہے کس کام کا۔ ٹیلیفون آپ کی میز پر رکھا ہوگا اور کسی کام کا نہ ہوگا۔ مگر جب آپ ہاتھ سے اٹھاتے ہیں اور ہیلو، ہیلو اپنی زبان سے پکار کر اپنے کان سے اس کی بات سنتے ہیں تو یہ ٹیلیفون کارآمد بن جاتا ہے اور دونوں طرف سے زبان، کان اور ہاتھ اور دل کا ارادہ اور دماغ کی سلامتی کام کر رہی ہے جو قدرت کے ان شاہکاروں پر غور کرے گا اسے یہ ایجاداتِ عادۃً متحیر نہیں کر سکتیں۔ اکبر الہ آبادی مرحوم نے کیا ہی خوب لکھا ہے ؎

جو ہے محو تاروں کی چال کا اسے انجنوں کا خیال کیا
وہ نظر زمیں پہ کیوں جھکے کہ جو آسماں سے قریب ہے

معلوم ہوا کہ کائنات عالم کے لئے خود حضرت انسان بھی [illegible]

## ایک تمثیل

حاصل انسان نہ ہو تو ایک ذرا سا کام بھی [illegible] میں انجام نہ پاسکے۔ اور انسان اگر درمیان سے اٹھ جائے تو دنیا کے سارے کارخانے بیکار، خلائی راکٹوں کی اڑان ختم، چاند تک رسائی بے معنی۔

کسی نے یہ لطیفہ بیان کیا ہے کہ شاہجہاں کے پاس دو کنیزیں تھیں ایک کا نام "جہاں" تھا دوسرے کا نام "حیات" تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم دونوں میں سے میرے لئے زیادہ کار آمد کون ہے۔ جس کا نام "جہاں" تھا اس نے برجستہ عرض کیا ؂

تو بادشاہ جہانی جہاں بکار آید

دوسری کنیز نے جس کا نام "حیات" تھا فی الفور کہا ؂

اگر حیات نہ باشد جہاں چہ کار آید

بظاہر یہ ایک لطیفہ ہے مگر اس میں حقیقت کا ایک خزانہ پنہاں ہے۔ دنیا میں سب کچھ ہو مگر انسان نہ ہو تو ان چیزوں کو برتنے والا ان کو استعمال کرنے والا ان سے فائدہ اٹھانے والا اور ان کو کار آمد بنانے والا کون ہوگا؟

## سائنس نے کوئی بنیادی چیز پیدا نہیں کی

اب اس پر بھی غور کیجئے کہ خداوند کریم نے غلہ، اناج، گیہوں، مٹر، چنا، چاول، دال وغیرہ پیدا کیا، مگر سائنس والے اب تک کوئی غلہ نہ بنا سکے۔ خداوند کریم نے انار، سیب، موسمی، کیلا، اخروٹ اور بادام، پستہ، فروٹ وغیرہ بنایا ہے۔ طرح طرح کے مغزیات دنیا کو عطا فرمائے ہیں۔ سائنس والوں نے اس قسم کا کوئی نیا پھل اور نیا مغزیات میں سے کوئی نئی چیز تیار نہیں کی۔

دنیا کے یہ معروف غلے اور یہ فروٹ چھوڑ کر سائنس والے اپنے ایجاد کردہ کسی پھل اور کسی بنائے ہوئے غلے کی نشاندہی تو فرمائیں۔ یہ نہ ان کے دائرہ اختیار کی چیز ہے

ندہ کسی ایسی چیز کی تخلیق کے لئے ان کا دعویٰ ہے۔ خالق کائنات نے ایسا دعویٰ کیا ہے اس کو اس کا حق بھی ہے : فلینظر الانسان إلی طعامہ ، انا صببنا الماء صبًا ، ثم شققنا الارض شقًا ، فانبتنا فیھا حبًا وعنبًا وقضبًا وزیتونا ونخلا وحدائق غلبًا وفاکھۃ وابًا متاعًا لکم ولانعامکم (سورہ عبس)

یعنی آدمی کو اپنے کھانے کی طرف دیکھنا چاہیے کہ ہم نے زمین پر پانی ڈالا اور پھر زمین کو پھاڑ دیا پھر ہم نے اناج کے دانے اگائے اور انگور، ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اگائے اور گھنے باغات، میوہ جات اور چارے پیدا کئے جس میں تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے لئے فائدہ ہے۔

پھر جب قدرت کے عطا کردہ غلوں اور اس کے پیدا کردہ پھلوں اور مقویات ذائقات کو ہم کھاتے اور انہیں سے فائدہ اٹھاتے ہیں پھر تو ہم کو اس کے سامنے سر نیاز اور سر عبودیت خم کرنا چاہیے اور صاف صاف شکریہ ادا کرنا چاہیے اور اس کی آقائی کا دم بھرنا چاہیے ؎

تیرا دیا کھاتا ہوں میں تیری ثنا گاتا ہوں میں
تیرا ہی کہلاتا ہوں میں تجھ بن نہیں کوئی مرا

دنیا میں کبوتر، مرغ، تیتر، بٹیر اور دوسری چڑیوں کے علاوہ خصی و دنبے وغیرہ کے گوشت مروج ہیں، مچھلی وغیرہ بھی میسر ہے۔ کیا کسی سائنسداں نے بھی کوئی گوشت ایجاد کیا ہے ؟

(باقی)

معلوم ہوا کہ کائنات عالم کے لئے خود حضرت انسان بھی بمنزلہ روح کے ہیں

## ایک تمثیل

حاصل انسان نہ ہو تو ایک ذرا سا کام بھی موجودہ عقلی ترقی کے عہد میں انجام نہ پاسکے۔ انسان اگر درمیان سے اُٹھ جائے تو دنیا بھر کے سارے کارخانے بیکار، خلائی راکٹوں کی اُڑان ختم، چاند تک رسائی بے معنی۔

کسی نے یہ لطیفہ بیان کیا ہے کہ شاہجہاں کے پاس دو کنیزیں تھیں ایک کا نام "جہاں" تھا دوسرے کا نام "حیات" تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم دونوں میں سے میرے لئے زیادہ کار آمد کون ہے۔ جس کا نام "جہاں" تھا اس نے برجستہ عرض کیا:

تو بادشاہ جہانی جہاں بکار آید

دوسری کنیز نے جس کا نام "حیات" تھا فوراً کہا ؏

اگر حیات نہ باشد جہاں چہ کار آید

بظاہر یہ ایک لطیفہ ہے مگر اس میں حقیقت کا ایک خزانہ پنہاں ہے۔ دنیا میں سب کچھ ہو مگر انسان نہ ہو تو ان چیزوں کو برتنے والا ان کو استعمال کرنے والا ان سے فائدہ اٹھانے والا اور ان کو کار آمد بنانے والا کون ہوگا؟

## سائنس نے کوئی بنیادی چیز پیدا نہیں کی

اب اس پر بھی غور کیجئے کہ خداوند کریم نے غلہ، اناج، گیہوں، مٹر، چنا، چاول، دال وغیرہ پیدا کیا، مگر سائنس والے اب تک کوئی غلہ نہ بنا سکے۔ خداوند کریم نے انار، سیب، موسمی، کیلا، اخروٹ اور بادام پستہ، فروٹ وغیرہ بنایا ہے۔ طرح طرح کے مغزیات دنیا کو عطا فرمائے ہیں۔ سائنس والوں نے اس قسم کا کوئی نیا پھل اور نئی مغزیات میں سے کوئی نئی چیز تیار نہیں کی۔

دنیا کے یہ معروف غلے اور میوے فروٹ چھوڑ کر سائنس والے اپنے ایجاد کردہ کسی پھل اور کسی بنائے ہوئے غلے کی نشاندہی تو فرمائیں۔ یہ نہ ان کے دائرہ اختیار کی چیز ہے

اور کسی ایسی چیز کی تخلیق کے لئے ان کا دعویٰ ہے ۔ خالق کائنات نے ایسا دعویٰ کیا ہے اس کو اس کا حق بھی ہے : فلینظر الانسان إلیٰ طعامہ ، انا صببنا الماء صبًا ، ثم شققنا الارض شقًا ، فانبتنا فیھا حبًا وّعنبا وقضبًا وزیتونا ونخلا وحدائق غلبًا وّ فاکھۃً وابًّا متاعًا لکم ولانعامکم (سورۂ عبس)

یعنی آدمی کو اپنے کھانے کی طرف دیکھنا چاہیے کہ ہم نے زمین پر پانی ڈالا اور پھر زمین کو پھاڑ دیا پھر ہم نے اناج کے دانے اگائے اور انگور، ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اگائے اور گھنے باغات، میوہ جات اور چارے پیدا کئے جس میں تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے لئے فائدہ ہے۔

پھر جب قدرت کے عطا کردہ غلوں اور اس کے پیدا کردہ پھلوں اور مقویات و فواکہات کو ہم کھاتے اور انھیں سے فائدہ اٹھاتے ہیں پھر تو ہم کو اس کے سامنے سر نیاز و سر عبودیت خم کرنا چاہیے اور صاف صاف شکریہ ادا کرنا چاہیے اور اس کی آقائی کا دم بھرنا چاہیے ؎

تیرا دیا کھاتا ہوں میں تیری ثنا گاتا ہوں میں
تیرا ہی کہلاتا ہوں میں تجھ بن نہیں کوئی مرا

دنیا میں کبوتر، مرغ، تیتر، بٹیر اور دوسری چڑیوں کے علاوہ خصی و دنبے وغیرہ کے گوشت مروج ہیں، مچھلی وغیرہ بھی میسر ہے ۔ کیا کسی سائنسداں نے بھی کوئی گوشت ایجاد کیا ہے ؟

(باقی)

# عربی ادب میں ہندوستانی فضا

(۲)

مولوی سید محمد ضیاء الدین شمسی طہرانی لکچرار شعبہ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

نویں صدی ہجری کے مجدد امام جلال الدین سیوطی نے ہندوستان کے کئی لفظوں کا استعمال قرآن میں ثابت کیا ہے۔ ان میں یہ تین لفظ خصوصی اہمیت کے مالک ہیں:

**فلفل** یہ پیپلا کا معرب ہے۔ عربی میں اس سے صیغے بھی بنائے گئے ہیں۔ مثلاً مفلفل اس چیز کو کہتے ہیں جس میں فلفل کی خوشبو ملائی گئی ہو۔ عربی ادب میں اس لفظ کا استعمال بہت کثرت سے ہوا ہے۔ امرء القیس کہتا ہے

كَأَنَّ مَكَاكِيَّ الْجِوَاءِ غُدَيَّةً
صُبِحْنَ سُلَافًا مِنْ رَحِيقٍ مُفَلْفَلِ

یعنی مقام جواء کی مرغابیاں ایسی حواس باختہ تھیں گویا ان کو کالی مرچ ملی ہوئی بہترین صبوحی پلائی گئی ہے۔

**ساج** یہ ساگوان کا معرب ہے جو ہندوستان کی بہترین عمارتی لکڑی کہی جاتی ہے اس کا استعمال قدیم زمانے سے عرب میں ہوتا تھا۔ احادیث سے

ثابت ہے کہ پیغمبر اسلام نے اس لکڑی سے بنا ہوا سامان استعمال فرمایا ہے۔
شیاف بھی ۔

وقبة لا تكاد الطير تبلغها
اعلى محاريبها بالساج مسقوف

یعنی اس قبہ کی بلندی کو پرندے بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اس کی سب سے
اونچی محراب پر ساگوان کی چھت بنی ہے۔

قسط: یہ لفظ کُشٹ کا معرب ہے اسے کُسط اور کشط بھی کہتے ہیں۔ یہ ہندوستان کی مشہور دوا ہے جو عرب میں بھی مشہور تھی اور بکثرت استعمال کی جاتی تھی۔ احادیث میں اس کے بہت سے فضائل و فوائد درج ہیں۔ پیغمبر اسلام نے اس کے استعمال کی تاکید کی ہے۔ ابن ابی حاتم نے تجارتی کشتی کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے ؎

فقد اوقرن من قسط و رند
ومن مسك احم ومن سلاح

یعنی یہ کشتیاں بھاری مقدار میں قسط، عود، مُشک اور اسلحہ
لائیں۔

ذی: یہ تاڑی کا معرب ہے۔ اگرچہ تاڑی عرب میں بھی ہوتی تھی مگر ابن خرداذبہ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند سے بھی تاڑی عرب میں جاتی تھی۔ ایک شاعر نے اس کا ذکر یوں کیا ہے ؎

شربنا من الداذى كاننا
ملوك لنا بر العراقين والبحر

یعنی ہم نے یوں تاڑی پی کہ نشہ میں بادشاہ بن گئے اور عراق عرب اور عراقِ عجم اور سمندر ہمارے قبضہ میں آ گئے۔

ان الفاظ کے استعمال کے علاوہ عرب شعراء نے ہندوستان کے مقامات احوال پر اشعار کہے ہیں اور اس ملک کی ہمہ گیر فضا کی بڑے ہی دلکش انداز میں تصویر کشی کی ہے۔ اس سلسلے میں غالباً سب سے پہلا شاعر فرزدق ہے جس حاکم سندھ تمیم بن زید قینی کے پاس ایک سپاہی کے بارے میں منظوم سفا لکھی تھی۔عباسی دور کے مشہور شاعر ابو العتاہیہ ۲۱۳ھ نے بھی اپنے دو شعروں میں سندان کا ذکر کیا ہے۔اسی طرح ابو عبادہ بحتری (۲۸۴ھ) نے سند بیاس اور مجاسں کا تذکرہ کیا ہے۔حکم بن عمرو تغلبی اور اعشیٰ ہمدانی مکران اور ہند و سندھ کا تذکرہ کیا ہے۔ابو الضلع سندھی جس نے بغداد زندگی گزاری اور وہیں انتقال کیا، ایک نظم لکھی ہے جس میں سرزمین خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ابو الضلع کی عظمت کی دلیل یہ ہے کہ دعبل اس کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف کیا ہے۔ ابن الجراح نے کتاب الورقہ ۲۹۶ھ منتخب و ممتاز عربی کے شعراء کا ذکر کیا ہے ان میں ابو الضلع کا چالیس ہے۔قزوینی نے ہندوستان سے متعلق اس کی نظم کے مندرجہ ذیل اشعار آثار البلاد میں درج کئے ہیں (ص ۸۵) سے

لقد انکر اصحابی وما ذالک بالأمثل
اذا ما مدح الهند او سهم الهند فی المقتل
لعمری انها ارض اذا القطر بها ینزل
یصیر الدر و الیاقوت والدر لمن یعطل
فمنها المسك والكافور والعنبر والمندل
واصناف من الطيب يستعمل من ينغل
ومنها العاج والساج ومنها العود والنیل
وان التوتیا فیها کمثل الجبل …

وفیہ الداھمین وفیہ نبت الفلفل
ومنھا البہر والنمر ومنھا الفیل والدعقل
ومنھا الکوک والببغا والطاووس والجوزل
ومنھا شجر الرائج والساسم والفلفل
سیوف مالھا مثل قد استغنت عن الصیقل
اسماح اذا ماھزت اھتزلھا والجحفل
فہل ینکر ھذا الفضل
الا الرجل الاخطل

ان اشعار کا مطلب یہ ہے کہ جب میدان جنگ میں ہندوستان کی اور اور اس کے سامان کی تعریف کی گئی تو ہمارے دوستوں نے اسے ناپسند کیا لیکن ان لوگوں کی ناپسندیدگی بالکل نامناسب تھی۔

زندگی کی قسم یہ تو ایک ایسی سرزمین ہے کہ یہاں کی بارش کا ہر قطرہ زیور سے محروم انسانوں کے لئے یاقوت، موتی اور شیریں دودھ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ہندوستان مشک، کافور اور صندل کا مخزن ہے۔ یہاں عنبر اور عود پیدا ہوتا ہے اور طرح طرح کی خوشبودار چیزیں یہاں پیدا ہوتی ہیں اور ان لوگوں کے کام آتی ہیں جنھیں ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں ہاتھی دانت، جائے پھل، عود، صندل اور توتیا کثرت سے پایا جاتا ہے۔ یہاں شیر، ببر، چیتا، ہاتھی، بھالو، سارس، طوطا، مور، اور کبوتر بھی کثرت سے ہوتے ہیں یہاں ناریل اور آبنوس کے درخت اور سیاہ مرچوں کے پودوں کی فراوانی ہے اس ملک کی تلواریں بے نظیر ہیں جنھیں صیقل کرنے کی

ضرورت نہیں ہوتی اور یہاں ایسے نیزے بنتے ہیں جن کے مقابل سے بڑی بڑی فوجیں بھاگ کھڑی ہوتی ہیں"

عربی کے مشہور شاعر ابوالعلا معری سے متعلق ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری نے ایک محققانہ کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ وہ بھارت کے اکثر اہنسا وادی اصولوں سے بہت متاثر تھا۔ وہ گوشت مطلقاً نہ کھاتا اور اکثر برت رکھا کرتا تھا۔ اس نے یہ وصیت بھی کی تھی کہ اسے مرنے کے بعد دفن نہ کیا جائے بلکہ ہندوؤں کی طرح جلایا جائے۔ عربی ادب کے امام جاحظ نے ایک رسالہ گوروں اور کالوں کے متعلق لکھا ہے اس میں اس نے اہل ہند کے خصائل وشمائل، ان کے علوم وفنون اور ان کی صنعت وحرفت کا تذکرہ نہایت شاندار الفاظ میں کیا ہے:

"میں جانتا ہوں کہ اہل ہند نے علم ریاضی وہیئت ونجوم میں بہت ترقی کی ہے۔ علم طب میں بھی ان لوگوں کو کمال حاصل ہے اور اس علم کے مخفی رازوں سے وہ اچھی طرح واقف ہیں۔ مشکل امراض کے علاج میں وہ بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ سنگ تراشی، معماری، مصوری اور دوسرے فنون میں انھیں آخری درجہ کا کمال حاصل ہے۔ ان کی بنائی ہوئی رنگین تصویریں محراب اور دوسری عمارتوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں شطرنج کا اعلیٰ درجے کا کھیل رائج ہے۔ اس کے لئے دوسرے کھیلوں کی بہ نسبت عقل وفہم کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ یہ لوگ نہایت عمدہ چمکدار تلواریں بناتے ہیں۔ وہ بہترین شمشیر باز ہیں اور اس میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ انھیں ایسے منتر معلوم ہیں جن سے جسم سے زہر کے آثار دفع کئے جاسکتے ہیں اور جہاں درد اور دکھ کا علاج کیا جاتا ہے۔ ان کا فن موسیقی بہت ہی دلفریب ہے۔

ان کے ایک باجے کا نام کنکولا ہے۔ یہ باجا کدو پر صرف ایک تار لگا کر بنایا جاتا ہے اور ستار اور جھانجھ کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں مختلف قسم کے ناچ مروج ہیں۔ نیزہ بازی میں خاص کمال حاصل ہے۔ یہ لوگ فن . . . . سے بھی واقف ہیں۔ ان کا ایک خاص رسم خط ہے، جو مختلف زبانوں کے حروف تہجی پر مشتمل ہے۔ اس رسم خط کے علاوہ دوسرے متعدد رسم خط بھی رائج ہیں۔ ان کے ادب میں طویل نظموں اور خطبوں کی کثرت ہے۔ فلسفہ اور ادب سے انھیں خاص ذوق ہے۔ کتاب کلیلہ و دمنہ (جو دراصل پنچ تنتر کا ترجمہ ہے) ان ہی سے ہم لوگوں کو ملی ہے۔ غرض یہ لوگ نہایت طباع اور مستعد ہوتے ہیں۔"

(رسائل الجاحظ ص ا طبع مصر ۱۳۲۴ھ)

جاحظ کے اس اقتباس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عربی ادب میں ہندوستانی فضا کی رنگا رنگی کا تصور کس قدر وسیع و ہمہ گیر ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد یہاں کی فضا عربی ادب پر براہ راست اثر انداز ہو رہی ہے۔ ہندوستان کے رسم و رواج، فلسفہ، تہذیب و تمدن، ادب پر اور اہم شخصیتوں پر عربی میں مفصل کتابیں اور نظمیں لکھی جا رہی ہیں۔ یہاں کی اکثریت مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، مولانا آزاد، رابندر ناتھ ٹیگور، اقبال اور اندرا گاندھی کا احترام کرتی ہے اور ان کے افکار و تاثرات سے غیر معمولی طور پر متاثر ہے۔

# تنبیہ الغفول

## ایک تعارف

جناب محمد صلاح الدین عمری ۔ ریسرچ اسکالر، شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

زیر نظر مخطوطہ "تنبیہ الغفول فی اثبات اسلام آباء الرسول" کے مصنف قاضی ارتضا علی خاں خوشنود، انیسویں صدی کے ایک متبحر عالم اور باذوق فارسی وعربی شاعر ہیں۔

قاضی صاحب کی پیدائش قصبہ گوپامئو (ضلع ہردوئی، اودھ) کے ایک علمی گھرانے خاندان فاروقیاں میں ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۳ء میں ہوئی۔ علوم دینیہ کے علاوہ قاضی صاحب کو دنیاوی علوم پر بھی عبور حاصل تھا۔ نیز آپ ایک صاحب طرز ادیب اور اچھے عربی و فارسی شاعر بھی تھے۔ آپ کی متعدد علمی تصانیف کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے جس موضوع پر لکھا اس میں اپنی تنقیدی و تحقیقی صلاحیتوں کے جوہر لٹائے ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد آپ اپنے والد قاضی مصطفیٰ علی خاں بہادر فاروقی کے پاس مدراس چلے گئے تھے، جہاں ایک عرصہ تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ آپ کی علمی لیاقت کو سراہتے ہوئے وہاں کے نواب

نے آپ کو دارالافتاء کی ذمہ داریاں سونپ دیں۔ پانچ سال کے بعد چتوڑ میں حکومت کی جانب سے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر سرافراز کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد مفتی صدر عدالت کے منصب پر آپ کا تقرر ہوا اور پھر آپ کی بے پناہ علمی قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت نے آپ کو تمام ممالک محروسہ متعلقہ حکومت مدراس کے عہدۂ قضاء کی عظیم خدمت سپرد کردی۔ صاحب نزہتہ الخواطر نے آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"وکان رحمہ اللہ من کبار العلماء وانتہت الیہ ریاسۃ العلم والتدریس بمدراس، انتفع بہا جمع کثیر من العلماء ولہ مصنفات مفیدۃ ممتعۃ۔"

(یعنی آپ کا شمار عظیم علماء میں ہوتا تھا، مدراس میں درس و تدریس کی سربراہی آپ ہی پر ختم ہوگئی۔ آپ سے علماء کی ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا ہے۔ آپ کی مفید اور نفع بخش تصنیفات بھی ہیں)۔

قاضی صاحب کی مستقل علمی تصانیف میں نفائس ارتضیہ، نقد الحساب، فرائض ارتضیہ، فوائد سعدیہ، مواہب سعدیہ، صلوٰۃ ارتضیہ، تنبیہ الغفول، رسالہ در امام مہدی علیہ السلام اور تصریح المنطق کے علاوہ بہت سی کتابوں کی شرحیں اور حاشیے بھی آپ نے لکھے ہیں۔ جن میں قصیدہ بردہ کی فارسی شرح مراصد ارتضیہ فی کواکب المضیۃ، منحۃ السراء فی شرح الدعاء السمیٰ بکاشف الضراء، حاشیہ صدرا، حاشیہ میر زاہد، حاشیہ ہدایۃ الحکمۃ، حاشیہ جلالیہ، شرح چہل کاف، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ بر نفائس ارتضیہ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ کی یہ سب تصانیف کتب خانہ فاروقی، گوپامئو میں محفوظ ہیں۔ چند کتابوں کے علاوہ آپ کی بیشتر تصانیف غیر مطبوعہ ہیں۔ قاضی صاحب فارسی، عربی اور ہندی میں شاعری بھی کرتے تھے۔ خوشنود تخلص تھا۔ ایک فارسی دیوان بھی کتب خانہ فاروقی میں محفوظ ہے۔ عین ممکن ہے کہ آپ کی اور بھی علمی تصانیف مدراس کے

کسی کتب خانہ میں موجود ہوں۔

نیرعبث کتاب تنبیہ الغفول بھی مخطوطہ کی شکل میں کتب خانہ فاروقیہ میں موجود ہے۔ اس کا اصل نسخہ تو فارسی زبان میں ہے لیکن اس کا ایک عربی ترجمہ بھی اسی نام سے کتب خانہ میں ہے۔ اگرچہ تصریح الاقلب (مصنفہ مولانا یار محمد صاحب قصبحی) میں قاضی صاحب کے تذکرہ کے تحت ان کی اس کتاب کو مطبوعہ لکھا گیا ہے لیکن کوئی تفصیل نہیں کہ کب کہاں اور کتنی تعداد میں طبع ہوئی۔ اس کا کوئی مطبوعہ نسخہ کتب خانہ فاروقی میں بھی موجود نہیں۔ کتاب میں جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے۔ آباء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام کے بارے میں مدلل بحث کی گئی ہے۔ آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب بھی حضرت آدم تک مرتب کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد کتاب کو اس مسجع عبارت سے شروع کیا گیا ہے:

"جائیکہ تاجدار لولاک، وشہریار سریر افلاک، زبان فصاحت بیان بکلمہ لا احصی کشاید، از دست وزبان کہ برآید کز عہدۂ شکرش بدر آید، جل جلالہ عم نوالہ و در مقامیکہ عرفان و عارج معارج ایقان نغزہ ما عرفناک سرآید الخ"

تقریباً دو صفحوں کی اس تمہیدی عبارت کے بعد مصنف اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "بداں اے عزیز وفقك الله بالتقوى وايدك باتباع سنن الهدى کہ باجماع اہل ایمان ایذار آں سرور انس وجاں، موجب نکال دنیا وخسران عقبی است، و اذیتے بالا تر ازیں نتواند بود کہ درحق آباد آں رسول اکرم کہ بہترین مخلوقات حسبًا ونسبًا از وے ظہور نیاید نسبت خلود و عذاب با استحقاق جہنم کردہ شود"

پھر وہ قرآن کریم کی آیت ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ و أعد لھم عذابا مھینا (یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا و آخرت میں لعنت بھیجی ہے اور ان کے لئے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے) نقل کرنے کے بعد ذخائر العقبی کی حضرت ابوہریرہ سے مروی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ جب سُبیعہ بنت ابی لہب نے دربار رسالت میں شکایت کی کہ اے رسول اللہ! لوگ مجھے بنت حمالۃ الحطب کہتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو گئے اور فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ میرے اعزہ کو برا بھلا کہہ کر مجھے اذیت دیتے ہیں اور میری اذیت خدا کی اذیت کا موجب ہے...... قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ جب سُبیعہ —— جس کے والدین یقیناً دوزخی ہیں —— کو ان الفاظ سے پکارنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی شدید اذیت پہونچاتا ہے تو آبار رسول —— جن کے بارے میں آثار صریحہ خاموش اور اخبار صحیحہ مشتبہ ہیں —— کے بارے میں اس قسم کا کوئی فیصلہ کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کس قدر اذیت ناک ہوگا۔ پھر وہ شیخ کمال الدین تمیمی سے نقل کرتے ہیں کہ کسی نے قاضی ابوبکر مالکی سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص والد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دوزخی کہتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ وہ ملعون ہے۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ "بدانکہ در اثبات ایں مقصد لطیف و مطلب شریف دو مسلک است۔"

(۱) پہلا مسلک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آبار و امہات کرام، اخبار صحیحہ اور آثار صریحہ کی رُو سے زمانۂ جاہلیت میں مروّج زنا سے مبرّا تھے اور پاک و صاف زندگی گذارتے تھے اور جو بھی ان صفات و خصائل حمیدہ سے متصف ہو

وہ مشرک نہیں ہے۔ چنانچہ اس موقف کی دلیل میں ثابت کرتے ہوئے متعدد حدیثیں اور خصوصاً ان کی احادیث بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ... حضرت ... سے ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم کے وقت سے ہی اللہ تعالیٰ مجھے پاک اصلاب سے، صاف، مہذب ہے، برابر پاک ارحام میں منتقل کرتا رہا اور کسی نسب میں اگر دو فرقے ہوتے تو میں ان میں سے بہتر فرقہ میں تھا۔ اسی طرح دیگر احادیث بھی تقریباً اسی مضمون کی شامل کی گئی ہیں۔

(۲) دوسرے مسلک کی تفصیل میں وہ لکھتے ہیں کہ آدم سے کنانہ تک سب ہی موحد تھے۔ پھر آدم سے نوح بن ملک بن متوشلخ بن اخنوخ یعنی ادریس بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم سب ہی شریعت حقہ پر تھے اور بت پرستی نوح کے زمانہ میں رائج ہوئی۔ چنانچہ مستدرک، تفسیر ابن جریر اور ابن منذر وغیرہ میں آیۃ "کان الناس أمۃ واحدۃ" (لوگ ایک ہی قوم تھے) کے سلسلہ میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ "آدم و نوح کے درمیان دس صدیاں گذریں ان صدیوں کے سب لوگ شریعت حق پر تھے پھر جب ان میں اختلافات ہونے لگے تو اللہ نے نبیوں کو مبعوث کیا۔" اس ضمن میں بھی مصنف نے تین روایتیں نقل کی ہیں پھر وہ لکھتے ہیں کہ اسی طرح نوح کے عہد سے لے کر ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن شاروح بن اُراغو بن فالغ بن عابر بن شالخ بن اَرفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام تک کوئی بھی مشرک نہیں ہے۔ اس کو بھی وہ طبقات ابن سعد کی روایت سے ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ان الناس من عہد نوح لم یزلوا ببابل وھم علی الاسلام الخ" طوفان نوح کے زمانہ سے لوگ ہمیشہ بابل میں اقامت گزیں رہے اور سب کے سب شریعت اسلامیہ کے پیرو تھے۔ یہاں تک کہ ان کے بادشاہ نمرود بن کوش بن کنعان نے ان کو عبادت اصنام کی دعوت دی۔ اس مسلک میں بھی وجاہت و متا

اور دلائل حیاتیہ کی روشنی میں بحث کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد کے مسلم کو ثابت کرتے ہیں۔

پھر حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے احیاء کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ اور دیگر محدثین کی روایتیں نقل کرتے ہیں کہ جب ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں جا رہے تھے کہ آپ کا گذر عقبۃ الحجون سے ہوا۔ اس وقت آپؐ پر رقت طاری ہوگئی اور آپؐ رنجیدہ ہوگئے۔ آپؐ کو دیکھ کر ہم بھی آبدیدہ ہوگئے۔ پھر آپؐ کو کامیابی حاصل ہوئی اور آپؐ اتر کر بولے اے حمیرا (عائشہ) تو یہیں ٹھہر، میں اونٹ کے پہلو میں کھڑی ہوگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر کے بعد تشریف لائے تو آپؐ کے چہرہ سے خوشی و مسرت جھلک رہی تھی۔ میں بولی آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! آپؐ جب گئے تھے تو بہت غمزدہ اور آبدیدہ تھے، میں بھی آپؐ کے رونے سے رو دی تھی۔ کیا بات ہے اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپؐ نے فرمایا۔ میں اپنی ماں کی قبر کے پاس گیا اور خدا سے دعا کی کہ ان کو زندہ کر دے۔ چنانچہ خدا نے ان کو زندہ کر دیا اور وہ مجھ پر ایمان لے آئیں۔ پھر اللہ نے ان کو اسی حالت پر واپس کر دیا یعنی وہ فوت ہوگئیں۔ مصنف نے اس طرح کی پانچ روایتیں نقل کرکے دلائل پیش کئے ہیں۔

آخر میں مصنف نے اس سلسلہ میں دس اعتراضات کے جوابات بالترتیب بڑے تفصیلی اور مدلل انداز میں دیئے ہیں۔

اختتام کے طور پر وہ لکھتے ہیں کہ فافهم واستقم ولا تتبع خطوات الشيطن فان الشيطان للانسان عدو مبين، الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيد الخلق محمد و اله وصحبه اجمعين۔

خاتمہ میں جو کاتب کا تحریر کردہ ہے اس طرح کی عبارت ہے:

... العقائد تمت ، الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ

محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم ... فی اثبات اسلام آباء الرسول تصنیف جناب زبدۃ العلماء ... فاضل الاسلام

... حضرت قاضی مولانا محمد ارتضیٰ علی خاں صاحب وقبلہ ادام اللہ ظلال افضالہم

وضاعف اجلالہم موافق حکم جہاں مطاع صاحب علی گہر والا نسب صاحبزادہ ... نسبت

بتاریخ ہفتم شہر جمادی الثانی ۱۲۴۷ھ از خط کمترین بدر الدین ... رسیدہ ۔ تمت ۔

اس کے بعد نیچے سرخ روشنائی سے یہ شعر لکھا ہوا ہے ۔

الٰہی بیامرز ایں سہ را

مصنف، نویسندہ، خوانندہ را

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب اس طرح دیا ہوا ہے:

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب ، بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اد بن ادد بن الہمیسع بن سلامان بن ثابت بن حمل بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم بن آزر بن ناحور بن شارخ بن ارعو بن فالغ بن عابر (یا عابر) بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

ان سب اسناد کی تفصیل حاشیہ پر دی گئی ہے جس میں ہر فرد کی اولاد ذکور و اناث ، اس کے ماں باپ کے نام کے ساتھ کنیت ، بھائی بہنوں کا تذکرہ ، دیگر حالات اور سکونت نیز اختلافات کی تفصیل بھی دی گئی ہے۔

# منطق و فلسفہ

## ایک علمی و تحقیقی جائزہ

جناب محمد اطہر حسین قاسمی بستوی

**مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی رائے**

مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ معقولی کتابوں سے متنفر رہتے تھے اور ان کو اشراقیین و مشائین کا جمع کیا ہوا گوہ موت کہتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ کے قافلہ کا ریاست رامپور جانے کا ارادہ ہوا تو وہ زمانہ نواب احمد علی خاں کا تھا، جب علمائے رامپور (جو معقولات کے شیدائی تھے) کو اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سید صاحب کے لوگوں کو بالخصوص مولوی اسمٰعیل صاحب کو نیچا دکھایا جائے اور مشورہ سے ایک عالم صاحب کو گفتگو کے لئے منتخب بھی کر لیا گیا۔ اس زمانہ میں رامپور میں ایک صاحب شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے جو رامپور ہی کے رہنے والے تھے، جب ان کو اس مشورہ کی اطلاع ہوئی تو وہ رامپور سے پیدل روانہ ہوئے اور دو تین منزل چل کر سید صاحب کے قافلہ سے ملاقات کی

اصحاب لوگوں سے کہا کہ آپ صاحبوں کا رامپور تشریف لے جانا مصلحت نہیں ہے کیونکہ وہاں کے علماء نے آپ لوگوں سے مناظرہ کا شور کیا ہے اور مناظرہ پر تلے ہوئے ہیں اور اگر جانا ہی ہے تو اور لوگ جائیں مگر مولانا اسمٰعیل صاحب کا جانا کسی طرح مصلحت نہیں ہے کیونکہ وہاں کے علماء ان کے خلاف طور پر درپے ہیں، اس کے بعد وہ مولانا اسمٰعیل صاحب کے پاس گئے اور ان سے خصوصیت سے اس واقعہ کو بیان کیا اور درخواست کی کہ آپ ہرگز رامپور تشریف نہ لے جاویں۔ مولانا نے فرمایا کہ:

"یہ آپ کا احسان ہے کہ آپ نے ہم لوگوں کی وجہ سے اس قدر تکلیف گوارا کی اور ہم آپ کے ممنون ہیں لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی وجہ سے اتنی پریشانی ہو کیونکہ وہ لوگ یا معقول میں گفتگو کریں گے یا منقول میں گفتگو کریں گے، تو جو بات ہمیں معلوم ہوگی ہم اس کا جواب دیں گے اور جو نہ معلوم ہوگی ہم صاف کہدیں گے کہ ہم نہیں جانتے اور اگر وہ معقول میں گفتگو کریں گے تو خدا نے عقل ہمیں بھی دی ہے، وہ اشراقیہ اور مشائیہ کا جمع کیا ہوا گوہ اچھالیں گے، اس کے جواب میں ہم بھی اپنی عقل سے گوہ اچھالیں گے دیکھیں وہ کہاں تک چلتے ہیں۔"

غرض مولانا نے اپنا ارادہ فسخ نہیں کیا اور قافلہ کے ہمراہ رامپور پہونچے، جب رامپور پہونچے ہیں تو حسب قرارداد باہمی علمائے رامپور نے اپنے منتخب عالم کو مناظرہ کے لئے بھیجا، اس نے پہونچ کر مولانا سے سوالات شروع کئے اور مولانا نے تمام سوالات کا جواب دیا، یہ گفتگو تین روز تک رہی، جب سائل کے سوالات کا سلسلہ ختم ہوا تو مولانا نے فرمایا کہ آپ کے سوالات تو ختم ہوئے، اب مجھے اجازت ہو تو چند سوالات میں بھی کروں، انھوں نے اجازت دی مولانا نے صرف چار سوالات کئے دو معقول کے اور دو منقول کے، مگر ان کو جواب نہ بن آیا، اس لئے انھوں نے مہلت چاہی

کہ یہاں جواب دینا مگر آپ نے اجازت دے دی، اگلے دن صبح کی نماز کے وقت اُن کا حجرہ نہیں کھلا، لوگوں نے نماز کے لئے اٹھانا چاہا مگر وہاں سے کوئی جواب نہ آیا تب لوگوں کو شبہ ہوا تو لوگ کواڑ اتار کر اندر داخل ہوئے، دیکھا تو عالم صاحب مرے پڑے ہوئے ہیں اور انھوں نے سر میں پتھر مار کر خودکشی کر لی ہے۔

(ارواح ثلاثہ ص۸۵)

## قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کا ارشاد

بیہقیٔ وقت حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ حکمت وفلسفہ کو لاشیٔ محض فرماتے تھے اور اس میں کمال پیدا کرنا گویوں کا کمال قرار دیتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| وخواندن حکمت فلاسفہ لاشیٔ محض است کمال درآں مثل کمال مطربان است درعلم موسیقی کہ موسیقی ہم فنے است از فنون حکمت ریاضی۔ (مالا بد منہ ص۱۶۳) | اور فلسفیوں کی حکمت پڑھنا لاشیٔ محض ہے، اس میں کمال پیدا کرنا ایسا ہی ہے جیسے فن موسیقی میں گویوں کا کمال کہ وہ بھی حکمت ریاضی کے فنون میں سے ایک فن ہے۔ |

## علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ کا فرمان

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اپنی زندگی ارسطو اور افلاطون کے وسوسوں اور ان کے پراگندہ خیالات میں گذارتے ہیں وہ کبھی قرآن کریم کے حقائق ود قائق اور اس کے رموز واسرار سے واقف نہیں ہو سکتے اور انھیں اس کے علوم عجیبہ کی ہرگز ہوا نہیں لگ سکتی، چنانچہ لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| واما من صرف عمرہ بوساوس ارسطاطالیس واختار | جو عمر اپنی ارسطو کے وسوسوں اور خیالات میں بسر کرے اور موردل |

[illegible] القائلة على دليل [illegible] الطاويين فهو بمعزل من فهم غوامض الكتاب وادراك ماتضمنه من العجب العجاب

[illegible] کے پردے پھٹ [illegible] وہ نہ کتاب اللہ کے اسرار کا ادراک کر سکتا ہے اور نہ اس کے عجائبات کو پاسکتا ہے۔

(تفسیر روح المعانی جلد اول ص۸)

دیکھئے کتنے فصیح و بلیغ انداز میں علامہ بغدادیؒ نے بندگان خدا کو قرآن کریم کی ترغیب اور معقولات سے ترہیب کا سبق دیا ہے۔

## مفتی محمد صادق جونپوریؒ کا ارشاد

مصنف شمس بازغہ (فلسفہ) ملا محمود جونپوری متوفی ۱۰۶۲ھ کے شاگرد مفتی محمد صادق جونپوریؒ متوفی ۱۰۶۳ھ ایک عابد و زاہد اور متقی انسان تھے، طبیعت میں توکل اور فقر و استغنا زیادہ تھا، دنیا و اہل دنیا سے کوسوں دور رہتے تھے اور اس کے ساتھ بڑے صاحب کشف و کرامت تھے، ان کی بہت سی کرامتیں مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے دیار پورب میں علم اور علماء میں لکھی ہیں، بایں ہمہ مفتی محمد صادق صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ معقولیوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے، ایک دن ان کے استاذ مشہور فلسفی ملا محمود جونپوریؒ نماز کے وقت تشریف لائے اور امامت کے لئے آگے بڑھے مگر استاذ ہونے کے باوجود مفتی صاحب نے ان کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے ہٹا دیا اور خود آگے بڑھ کر امامت کی، نماز پڑھنے کے بعد مفتی صاحب نے دست بستہ اپنے استاذ سے عرض کیا کہ:

"حضرت! میں حتی الامکان نماز نہیں پڑھاتا ہوں کیونکہ مجھے حکماء و فلاسفہ کے کلام میں ایمان مشتبہ معلوم ہوتا ہے اس لئے میں نے نماز ضائع نہیں

ہمسفر دی بلکہ خود ہی امامت کردی۔"

محمود ہنیچا اپنے عزیز شاگرد کی یہ بات سن کر بے انتہا خوش ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اپنے شاگردوں میں ایک کو عابد و زاہد اور عالم باعمل پایا۔

(دیار پورب میں علم اور علماء ص ۳۳۷)

**شاہ اسحٰق دہلویؒ کی رائے** شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فلسفہ کو لغو اور مہمل سمجھتے تھے اور اس کو لایعنی و بیکار قرار دیتے تھے، اسی لئے اس کو کبھی نہیں پڑھایا، ہمیشہ حدیث و تفسیر ہی پڑھاتے رہے، ایک مرتبہ انھوں نے ایک طالب علم کو بے چین دیکھا، اس سے وجہ پوچھی تو اولاً اس نے متکبرانہ طور پر اغماض کیا کہ کچھ نہیں، پھر اصرار کرنے پر بتایا کہ شمس بازغہ (فلسفہ) کا ایک مقام حل نہیں ہوا اور استاذ سے اس کے بارے میں اختلاف ہو گیا، میں تین روز سے اس میں الجھا ہوا ہوں، شاہ اسحٰق صاحبؒ نے از روئے شفقت فرمایا کہ ذرا ہمیں تو دکھاؤ، اس نے یہ سمجھ کر کہ یہ ایک محدث علم حدیث کے ماہر ہوں گے، فلسفہ کی کتابوں سے کیا واسطہ، بڑے استغنا سے کتاب ان کے آگے رکھ دی، شاہ صاحبؒ نے اس مقام کا مطالعہ کر کے اس کی ایک ایسی واضح تقریر کر دی کہ اس کے سب شبہات جاتے رہے، اب تو یہ طالب علم قدموں میں گر پڑا، شاہ صاحبؒ نے فرمایا "میاں ہم نے پڑھا سب کچھ ہے مگر اس کو لغو سمجھ کر چھوڑ رکھا ہے۔"

(مجالس حکیم الامت ص ۲۳۶)

**محققین صوفیاء کا ارشاد** فلسفہ اور اس کے معانی میں غور و خوض عقل کے لئے حجاب بن جاتا اور وصول حق سے مانع ہو جاتا ہے اس لئے اس سے ضرور بچنا چاہیئے، چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"محققین اہل کشف و صوفیاء نے فرمایا ہے کہ لطائف قلبیہ کے ہر ہر لطیفہ میں

دس دس ہزار حجابات ظلمانی و نورانی ہیں اور لطیفہ قالبیہ کو ملا کر سات لطیفے میں تو ستر ہزار حجاب ہوئے، ذکر سے ظلمت دفع ہوتی ہے اور نور لطیفہ کا سالک کو نظر آتا ہے، یہ علامت ان حجابات کے اٹھ جانے کی ہے مثلاً:
حجاب نفس کا شہوت و لذت ہے اور حجاب دل کا نظر کرنا ہے غیر حق پر اور حجاب عقل کا معانی فلسفہ میں غور و خوض کرنا اور حجاب روح کا مکاشفات عالم مثال کے ہیں وعلیٰ ہذا، ان میں سے کسی کی طرف ملتفت نہ ہو، مقصود حقیقی کی طرف متوجہ رہے اور غیر مقصود کی نفی کرتا رہے۔"

(تعلیم الدین ص۱۳۴)

## حضرت تھانوی رحؒ کے ارشادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ معقولات کو مذموم عادات میں شمار فرماتے تھے اور اس میں توغل و انہماک کو واجب المنع قرار دیتے تھے، چنانچہ اس کے مفاسد کو بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"منجملہ ان رسوم کے طالب علموں کا بڑے بڑے عہدوں کو حاصل کرنے کے لئے باوجود ضائع ہونے دین کے انگریزی پڑھنا یا معقول و فلسفہ میں دینیات سے زیادہ توغل و انہماک ہے، چونکہ ان دونوں چیزوں کا ضرر رساں ہونا تجربہ و مشاہدہ سے ثابت ہو چکا ہے اس لئے داخل وعید قرآنی ہو کر واجب المنع ٹھہریں گے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ یعنی یہ لوگ ایسی چیز سیکھتے ہیں جو انھیں نقصان دیتی ہے نفع نہیں دیتی"

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ فلاسفہ کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:

"تمہارا فلسفہ ایسا ہے کہ پڑھتے پڑھتے دماغ خراب کرلیا اور آخر میں نتیجہ کیا ؟ کچھ بھی نہیں، سوائے اس کے کہ اشراقیین کی رائے یہ ہے اور

مشائیین کی رائے یہ ہے ہمعلوم نہیں کہ کونسی غلط ہے اور کونسی صحیح ہے اور ہمارا علم یہ ہے کہ اول ہی دن ہم نے پڑھا کر وضو میں اتنے فرض ہیں اور وضو کرنا شروع کردیا، اسی وقت سے حاصل نکلنے لگا (ثمرہ) پر ثواب کی امید ہوئی اور تمہیں کیا ملا؟ کونسا ثواب مشائین اور اشراقیین کی رائے پڑھنے کی امید ہے، بس یہی فرق ہے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم میں اور حکمار کی تعلیم میں، فلسفہ تو بڑی چیز ہے منطق ہی میں دیکھئے کس قدر مباحثات اور مناظرات ہیں، ایک ذرا سی بات ہی طے نہیں ہو پاتی، خواہ مخواہ فضول جھگڑے بھرے ہیں اور اس پر نازاں ہیں کہ ہمارے علوم بڑے دقیق ہیں مگر اس دقت کا حاصل کیا ہے؟ اگر کوئی بات مشکل سے حاصل ہو لیکن یہ امید ہو کہ اس کو حاصل کرکے کوئی نتیجہ معتدبہ حاصل ہوگا تب بھی مضائقہ نہیں لیکن یہاں حاصل کا نام صفر ہے۔"

(اشرف الجواب لشفاء المرتاب جلد چہارم ص ۱۷۶)

**مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد** حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فلاسفہ کو شیطانی گروہ قرار دیتے تھے اور ان کے لئے ناکامی ونامرادی لازم گردانتے تھے اور فرماتے تھے کہ فلاسفہ کی تصدیق انبیاء کی تکذیب ہے اور ان کے علوم کی تکذیب ہے، چنانچہ ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ ہے کہ فلاسفہ کی تصدیق اور ان کے علوم کی تصدیق انبیاء کی تکذیب اور ان کے علوم کی تکذیب ہے اس لئے کہ ان دونوں کے علوم ایک دوسرے سے بالکل مقابل سرے پر واقع ہوئے ہیں، ایک کی تصدیق دوسرے کی تکذیب کو مستلزم ہے، اب جو چاہے انبیاء کے دین کا پابند ہو اور اللہ تعالیٰ کی جماعت میں سے اور اہل نجات میں سے ہو اور جو چاہے

نفس ہوجائے اور شیطان کے گروہ میں سے ہو اور یا اسلام و اذعان ہو۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ (جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر ہوجائے، بیشک ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کی ہے جن کی قناتوں نے ان کو گھیر لیا ہے اور اگر وہ پیاس سے فریاد کریں گے تو ان کی دادرسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے سیسہ کی طرح ہوگا جو منہ کو جلا دے گا اور وہ بری چیز ہوگی) اور سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ کے اتباع کی پابندی کی، ان پر اور ان کے برادران انبیائے کرام اور ملائکہ عظام پر مکمل ترین اور اعلیٰ ترین درود و سلام ہو۔"

(مکتوب ۲۳ ج ۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی)

**مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد** مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۷۵ھ معقولات کو مردہ تصور کرتے تھے اور اس کے شغل کو مہمل اور اس کے پڑھنے پڑھانے کو اضاعت وقت قرار دیتے تھے، چنانچہ نہایت درد و کرب کے ساتھ لکھتے ہیں:

"فلسفہ کا تعلق حقائق و واقعات سے نہیں ہوتا بلکہ وہ مفروضہ اوہام سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوتے اس لئے مقبول ہونے کے بعد تھوڑے دنوں پر پھر ہر فلسفہ کا فلسفہ مسترد ہوتا رہا ہے، پہلے بھی یہی ہوتا رہا ہے۔ ......... اب بھی یہی ہورہا ہے، آئندہ بھی یہی ہوتا رہے گا۔ ہمارے زمانہ میں یہ فلسفہ قطعی طور پر مردہ ہوچکا ہے لیکن ہمارے ... منطقیات

کہ دیا گیا مرحوم و مدفون فلسفہ کی کتابیں پڑھاتے جارہے ہیں، آپ ہی بتایئے کہ طلبہ کا کتنی وقت اور عمر کا گرانمایہ حصہ ایک ایسے مہمل شغل میں برباد ہوتا ہے۔"

(سوانح قاسمی جلد دوم ص ۲۹۷)

مولانا دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"میرا خیال تو یہ ہے کہ واقعی غور و فکر اور محنت و کاوش کی جو مقدار اور جو وقت معقولات کی کتابوں کی عبارتوں کو سمجھنے میں خرچ کیا جاتا ہے اور اب بھی خرچ کرنے والے بیدردی کے ساتھ اسی مشغلہ میں صرف کرتے ہیں، اگر ان کے بجائے اللہ کی کتاب کے ساتھ یہی تعلق پیدا کرلیا جائے تو علم کا نیا باب لوگوں پر کھل جائے گا اور حضرت نانوتویؒ کا یہ ارشاد بجا طور پر صادق آئے گا کہ قرآن مجید کے الفاظ ہی میں غور کرنا چاہیے۔"

(سوانح قاسمی جلد اول ص ۳۷۶)

## شیخ الاسلامؒ کی تنقید

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۷۷ھ بھی معقولات کی کثرت سے بیزار تھے اور موقع بموقع نصاب تعلیم میں ان کی زیادتی پر تنقید فرماتے تھے، ۱۹۲۸ء میں لکھنؤ میں آل پارٹیز کانفرنس ہوئی جس میں نہرو رپورٹ پیش کی گئی، شب کی نشست میں مرحوم تصدق حسین شیروانی نے کسی تجویز پر تقریر فرمائی، اس کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ ندوۃ العلماء میں تشریف لے گئے، وہاں طلباء کے درس قرآن کے متعلق ایک جلسہ منعقد کیا گیا تھا جس میں آپ نے تقریر فرمائی، دوران تقریر قرآن کریم کے فضائل و آداب بیان کئے اور قدیم نصاب درس میں معقولات کی زیادتی اور قرآن مجید کے درس و مطالعہ کی کمی اور اس کی حق تلفی پر تنقید فرمائی۔

(شیخ الاسلام [illegible] ص ۱۹۱)

**حضرت شیخؒ کا ارشاد** حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۴۰۲ھ معقولات کو کافروں کی زبان سمجھتے تھے اور اس کے مضر اثرات سے بچنے کی تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

"قرآن و حدیث میں جو اثرات ہوں گے وہ ظاہر ہے اور کافروں کی زبان میں جو اثر ہوگا وہ بھی ظاہر ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جس دن میں نے میبذی (فلسفہ) شروع کی تھی اس رات کو میں نے خواب دیکھا تھا کہ میں ہاتھی پر سوار ہوں، بڑی خوشی سے خواب اباجان کو سنایا، انھوں نے کہا کہ ہاتھی اور سؤر کی صورت ایک سی ہوتی ہے (صرف بڑے اور چھوٹے ہونے کا فرق ہے) میبذی شروع کرنا ظاہر میں تو ہاتھی پر بیٹھنا ہے لیکن حقیقت میں سؤر پر بیٹھنا ہے۔"

(فضائل زبان عربی ص۳۱)

**حضرت رائے پوریؒ کی نفرت** حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۸۲ھ معقولیوں سے سخت نفرت کرتے تھے اور ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے اکثر احتراز فرماتے تھے، چنانچہ ان کا سوانح نگار لکھتا ہے:

"آپ علمائے معقولات کے پاس اٹھنے بیٹھنے اور ان کے حالات سے واقف ہونے کی بنا پر ان سے زیادہ متاثر اور ان کے عقیدت مند نہیں رہے تھے، ان کی آزادروی اور ان میں بعض کے عدم تورع اور بلند بانگ دعاوی سے آپ کی طبیعت متنفر ہوگئی تھی، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ان منطقیوں اور ادیبوں میں تکبر اور حُبِ جاہ دیکھا، وہ کسی عالم کو خاطر میں نہیں لاتے اور ہمچو من دیگرے نیست ان کا قول ہوتا ہے۔"

(سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ص[illegible])

**حضرت شیخ الہندؒ کا طریقۂ کار** حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ بھی معقولات سے کچھ زیادہ مانوس نہیں تھے بلکہ یک گونہ اس سے متنفر اور بیزار تھے، چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے کبھی حدیث کی چوکی پر منطق و فلسفہ کی کتاب نہیں رکھی جیساکہ ان کے شاگرد مولانا ثناء اللہ امرتسری بیان کرتے ہیں کہ:

"حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ بڑے پایہ کے عالم تھے، ہر فن کی تعلیم دیتے تھے مگر حدیث کے ساتھ آپ کو خاص انس تھا، میرا چشم دید واقعہ بلکہ روزانہ کے واقعات ہیں کہ آپ جس چوکی پر حدیث کی ... رکھ کر پڑھاتے تھے معقولات کی کتابیں اس پر نہیں رکھتے تھے، یہ واقعہ میں ساری مدت تعلیم میں دیکھتا رہا، بحق حدیث آپ کے حسن عقیدہ کا اظہار ان اشعار میں کروں تو بجا ہے، آپ گویا زبان حال سے فرماتے تھے ؎

| | |
|---|---|
| کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے | دُر دانۂ درج مصطفیٰ ہے |
| صوفی عالم حکیم دینی | کرتے رہے اسی کی خوشہ چینی |
| بابا کے ہاں سے کون لایا | جس نے پایا یہیں سے پایا" |

(اخبار اہلحدیث امرتسر ص ۸ ۲۶ محرم ۱۳۶۱ھ)

**مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ کا ارشاد** مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی معقولات کے مداح نہیں تھے بلکہ اس کو پڑھنے کی ترغیب بھی نہ دیتے تھے، ان کے صاحبزادے مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ لکھتے ہیں کہ مدرسہ مظاہر علوم میں مشکوٰۃ اور حدیث کی کتابیں لمبی لمبی تقریروں سے ہوتی تھیں تو میں نے اپنے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ صاحب سے کئی دفعہ اجازت چاہی کہ حدیث کی فلاں کتاب کی سماعت کرلوں مگر انھوں نے بڑی شدت سے منع فرمایا اور یہ فرمایا کہ:

"حدیث کی کتاب اپنے حضرت قدس سرہٗ (مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ) کے علاوہ

کسی سے نہیں پڑھی، البتہ منطق و فلسفہ کی کتاب کسی استاد سے پڑھی تو مضائقہ نہیں اور تو چونکہ بے ادب اور گستاخ ہے، منطق اور فلسفہ وغیرہ کے اساتذہ میں سے اگر کسی کی گستاخی کرے گا تو وہ کتابیں جاتی رہیں گی، بلا سے جاتی رہیں لیکن حدیث کے اساتذہ میں سے اگر کسی سے تو نے گستاخی کی تو یہ گوارہ نہیں ہے کہ تیری حدیث ضائع ہو۔"

(دلی کامل ص ۳۴)

## سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ کا موقف

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی معقولات سے ناراض اور برافروختہ ہوتے تھے، اور ان کی آمد پر معقولات کا درس بند کر دیا جاتا تھا چنانچہ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں:

"مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا مملوک علی نانوتوی سے دین کی کوئی کتاب نہیں بلکہ منطق کا مشہور متن سلّم العلوم پڑھتے تھے، اسی عرصہ میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مولانا مملوک علی صاحب سے ملنے کے لئے تشریف لائے، ابھی قریب بھی نہیں پہونچے تھے کہ مولانا مملوک علی صاحب کی نظر سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب پر پڑی، دیکھنے کے ساتھ ہی مولانا مملوک علی صاحب نے پڑھنے والے طلبہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ "لو بھائی کتاب اٹھاؤ حاجی صاحب آرہے ہیں" مولانا گنگوہی نے جھنجھلا کر حضرت نانوتویؒ سے کہا بھئی یہ اچھا حاجی آیا ہمارا سبق ہی گیا، حضرت نانوتوی نے فرمایا بابا ایسا مت کہو یہ بزرگ ہیں اور ایسے ایسے ہیں، مولانا گنگوہیؒ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے تھے کہ ہمیں کیا خبر تھی کہ یہی حاجی ہمیں مونڈیں گے۔"

(سوانح قاسمی جلد اول ص ۱۷۶)

**مولانا محمد تقی امینی کا ارشاد** مولانا محمد تقی امینی ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی فلسفہ سے خوش نہیں ہیں، بلکہ وہ اس کو روح انسانی کے لیے سخت مہلک اور مضر سمجھتے ہیں اور اس کو جسم بے جان اور درخت بے پھل گردانتے ہیں، چنانچہ اپنی فصیح و بلیغ زبان میں مقطراز ہیں:

"فلسفہ کسی دور میں بھی انسانی دکھ درد کا علاج کرنے اور نیز روح انسانی کو مطمئن کرنے میں کامیاب نہیں ہوا ہے اور دنیا بالآخر مذہب ہی کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوئی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ہر جدید فلسفہ مذہب کے انحطاط کے دور میں بروئے کار آتا ہے لیکن روح انسانی کو اس سے تشفی نہ ہونے کی وجہ سے بعد میں مذہب کے ساتھ سمجھوتہ کی صورتیں نکالی جاتی ہیں اور مذہب کو تاویل و تحویر کے ذریعہ اس کے مطابق بنانے کی کوشش ہوتی ہے، یہ صورت حال فلسفہ کے لئے یقیناً مفید ہوتی ہے کہ مذہب کے ذریعہ وہ اپنے پائے چوبیں کو مضبوط کرتا ہے لیکن مذہب کے لئے سخت مضر ہوتی ہے، اس سے اس کا اصلی کردار ختم ہو جاتا ہے، اس کی جذب و انجذاب کی حالت ختم ہو جاتی ہے اور بالآخر وہ فلسفہ کی صف میں اپنی اقدامی حیثیت کو ختم کر کے صرف مدافعانہ صورت میں باقی رہتا ہے۔"

(لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر ص ۱۲۳)

**مولانا ابوالکلام آزادؒ کی رائے** مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم فلسفہ کے شیدائی و فدائی تھے مگر خود اس کے حق میں نہیں ہوئے بلکہ اس کو کلیلہ و دمنہ کی کہانی اور الف لیلیٰ کی داستان کہتے تھے اور اس کے مفاسد و مضر اثرات کو برملا ظاہر کرتے تھے، چنانچہ "غبارِ خاطر" میں فرماتے ہیں:

"طالب علمی کے زمانہ سے فلسفہ میری دلچسپی کا خاص موضوع رہا ہے، عمر کے

ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی برابر نمایاں ہوتی گئی کہ تجربے سے معلوم ہوا کہ عمل زندگی کی تلخیاں گوارا کرنے میں فلسفہ سے کچھ زیادہ مدد نہیں مل سکتی، وہ ہماری طبیعت میں ایک طرح کی رواقی بے پروائی پیدا کر دیتا ہے اور ہم زندگی کے حوادث و آلام کو عام سطح سے کچھ بلند ہو کر دیکھنے لگتے ہیں لیکن اس سے زندگی کے طبعی انفعالات کی گتھیاں سلجھ نہیں سکتیں، وہ ہمیں ایک طرح کی تسکین ضرور دے دیتا ہے لیکن اس کی تسکین سرتاسر سلبی ہوتی ہے۔ ایجابی تسکین سے اس کی جھولی ہمیشہ خالی رہی، یہ فقدان کا احساس کم کر دے گا لیکن حاصل کی کوئی امید نہیں دلائے گا، اگر راحتیں ہم سے چھن گئی ہیں تو فلسفہ ہمیں کلیلہ ودمنہ کی دانش آموز چڑیا کی طرح نصیحتیں کرے گا لیکن کیا اس کھونے کے ساتھ پانا بھی ہے اس بارے میں وہ ہمیں کچھ نہیں بتلاتا کیونکہ بتلا سکتا ہی نہیں اور اس لئے زندگی کی تلخیاں گوارہ کرنے کے لئے صرف اس کا سہارا کافی نہ ہوا۔"

(غبارِ خاطر ص۳۶)

مولانا دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"فلسفہ شک کا دروازہ کھول دے گا اور پھر اسے بند نہیں کر سکے گا۔"

(غبارِ خاطر ص۳۷)

## مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح کا ارشاد

التعلیق الصبیح اور تفسیر معارف القرآن ادریسی کے مصنف مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ معقولات کو اغلوطات اور خرافات کہا کرتے تھے اور اس کی طلسماتی ادعائیں سے بچنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ معقولیوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| فيا معشر الاخوان والخلان | دوستو اور بھائیو! تمھیں کیا ہوا کہ |
| مالكم قد اعرضتم عن هذه | اس زبان (عربی) سے اعراض کئے |
| اللسان ومالكم قد صدفتم | بیٹھے ہو اور قرآن وحدیث اور صحابہؓ |
| عن علوم السنة والقرآن و | تابعین کے علوم سے منہ موڑ لئے |
| علوم الصحابة والذين | ہو، تمھیں کیا ہوا کہ تمھارے دلوں میں |
| اتبعوهم باحسان ومالكم | انگریزیت کی آگ اور اس کی بکواس |
| قد اشرب في قلوبكم | اور منطقیانہ بیہودگیاں اور خرافات |
| حب مزمة البرطانية | اور فلسفۂ یونان کی ملمع سازیاں گھونٹ |
| وبطانتها والاغلوطات | گھونٹ کر پلادی گئی ہیں، وہ چند |
| المنطقية وتلميعاتها وتمويهات | گنے چنے نام ہیں جن کو تم نے اور |
| فلسفة اليونان ان هي الا | تمھارے باپ دادوں نے رکھ رکھا |
| اسماء سميتموها انتم | ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن کی کوئی |
| وآباءكم ما انزل الله | حجت نہیں اتاری ہے۔ |
| بها من سلطان۔ | |

(دیباچۂ مقامات حریری محشیٰ بحواشی مولانا کاندھلوی ص)

## باب ہشتم

## تکفیرات و تعزیرات

ماضی کی تاریخ بتاتی ہے کہ معقولیوں نے جب جب دنیا میں اپنا سر غرور ابھارا تو علمائے دین نے انھیں کچل کر رکھ دیا اور کبھی انھیں پنپنے کا موقع نہیں دیا، کہیں قتل کئے گئے، کہیں تلوار سے اڑائے گئے، کسی کو زہر ہلاہل دیا گیا، کسی کو قید وبند

کی مشقت میں پکڑا گیا، کسی کی کتابیں نذر آتش کی گئیں، کسی کے خلاف فتوے لگائے گئے، غرضیکہ انھیں زندگی بھر ذلت و رسوائی اٹھانی پڑی اور چین و اطمینان کا سانس کبھی نہ لینے پائے۔ اگلی سطروں میں انہی واقعات سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے اور ان کے مخفی چہروں کی پورے طور سے نقاب کشائی کی جا رہی ہے:

**فلاسفہ کی تکفیر**

فلاسفہ کے عقائد و خیالات اور ان کے افکار و نظریات مثلاً تعدد قدماء کا قول، آسمانوں میں خرق و التیام کا انکار، ہیولیٰ صورت کی قدامت کا قول، حق تعالیٰ کے جزئیات کے عدم علم کا قول وغیرہ وغیرہ اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ انھیں مطلقاً دائرۂ اسلام سے خارج کیا جائے اور انھیں اسلام اور مسلمانوں کے لئے سم قاتل گردانا جائے خواہ وہ متقدمین ہوں یا متاخرین، اوائل میں ہوں یا اواخر میں۔ چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فانی رأیتهم اصنافا ورأیت علومهم اقساما وهم على كثرة اصنافهم يلزمهم سمة الكفر والالحاد وان كان بين القدماء منهم والاقدمين وبين الاواخر منهم والاوائل تفاوت عظيم في البعد عن الحق اصنافا۔

میں نے فلاسفہ کی اور ان کے علموں کی کئی قسمیں دیکھی ہیں مگر مختلف اقسام میں منقسم ہونے کے باوجود ان پر کفر و الحاد لازم آتا ہے خواہ حق سے قریب یا دور ہونے میں ان کے متقدمین و متاخرین اور اوائل و اواخر کے درمیان کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو۔

(المنقذ من الضلال ص۱۱)

**جبلی باطنی کی کہانی:** یونان کے نامور فلسفی ایذقلیس کا پیروکار عہد اسلام میں محمد بن عبداللہ الجبلی الباطنی القرطبی تھا مگر علمائے دین نے اس پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا جس کا سبب اس کے وہ کفریہ عقائد تھے جو یونانی فلسفہ کے زیر اثر پیدا ہوئے تھے۔ وہ اپنے مرشد کے فلسفہ کا بڑا شیدائی تھا، اس نے زندگی بھر اس کی اشاعت کی، اس نے اپنے والد اور ابن وضاح الخشنی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا لیکن جب اس نے اپنے پیشوا کے فلسفہ کا پرچار شروع کیا تو لوگ اس سے متنفر ہو گئے، علماء نے کفر کا فتویٰ لگایا، چنانچہ وہ مشرق کی طرف بھاگ نکلا، مدتوں مشرقی ممالک میں گھومتا رہا، وہاں اعتزال وکلام اور ارباب جدل ومناظرہ کی مجلسوں میں شامل ہو گیا پھر اندلس چلا گیا جہاں زہد و تقویٰ کا لبادہ اوڑھ کر اپنے فلسفہ کی اشاعت میں لگ گیا، کچھ لوگ اس کی صورت سے دھوکا کھا کر اس کے جال میں پھنس گئے اور کچھ متنفر ہو گئے، لوگوں کے عقیدت کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی چرب زبانی سے بڑی بڑی مشکلوں کو سر کر لیتا تھا۔

(تاریخ الحکماء اردو ص ۳۹)

**امام منطق کی جلاوطنی:** تاریخ بتاتی ہے کہ معقولی افراد جب کہیں پہونچتے اور وہاں اپنی حرکات شروع کرتے تو وہاں کے علماء ان کو جلاوطن کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ شاہ توران عبداللہ ازبک کے عہد میں جب معقولی عالم ملا عصام الدین اسفرائنی کے ذریعہ سمرقند و بخارا میں معقولات کا کچھ زور بندھا تو خبیث الطبع شریر طلباء جہاں کہیں سیدھے سادے سلیم الطبع آدمی کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ گدھا ہے کیونکہ اس سے لاحیوان مسلوب ہے اور چونکہ انتفاء عام مستلزم انتفاء خاص ہوتا ہے اس لئے سلب انسانیت بھی لازم ہے، گویا اس طریقہ سے ہر اچھے بھلے انس کو ثابت کر دیا کرتے کہ وہ گدھا ہے، اس لئے قاضی ابو المعالی نے

عبداللہ ازبک شاہ توران کے حکم سے قاضی عصام الدین اسفرائنی کو ان کے علماء کے ساتھ ماوراء النہر سے نکلوا دیا اور معقولات کی تعلیم و تعلم کی ناشرعیت کو ثابت کر دیا۔

(تلخیص المصنفین باحوال المصنفین ص۲۱)

## منطقی کی بُری سزا

بہت سے معقولیوں اور فلسفیوں نے بڑی بڑی ڈینگیں ماریں کہ ہم یہ کریں گے وہ کریں گے ایسا کر سکتے ہیں ویسا کر سکتے ہیں مگر آخر کار انھیں منہ کی کھانی پڑی، بری طرح سے سزائیں پائیں اور زندگی بھر افسوس کرتے رہے۔ ایک قاری نے قرآن پاک میں جب اس آیت کی تلاوت کی: اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ۝ (یعنی اگر تمہارے چشموں کے پانی خشک ہو جائیں تو کس میں قدرت ہے کہ پانی اوپر لا سکے) یعنی یہ میری ہی قدرت ہے کہ پانی کو زمین کی گہرائی میں مخفی کر دیتا اور چشموں کو خشک کر دیتا ہوں پھر میں ہی اس کو دوبارہ چشموں میں لاتا ہوں، اس آیت کو سن کر ایک منطقی فلسفی نے کہا کہ میں لا سکتا ہوں، بس جب وہ رات کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ ایک بہادر مرد نے اس کو ایک طمانچہ مارا جس سے اس کی دونوں آنکھیں اندھی ہو گئیں پھر اس بہادر نے کہا او بدبخت! اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو اپنی آنکھوں کا نور واپس لے آ۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوا تو اپنی آنکھوں کو بے نور پایا اور اندھا ہو گیا۔

(معارف مثنوی ص۲۳۵)

## یعقوب کِندی کے خلاف سازش

یعقوب بن ابی اسحٰق کندی متوفی ۲۶۰ھ جس کو مامون الرشید نے یونانی کتابوں کے ترجمہ کے لئے مقرر کیا تھا۔ علماء اسلام نے اس کی بھی مخالفت کی اور اس کے در پے

ہو گئے۔ بلخ کے ایک فقیہ ابو معشر اس غرض سے بغداد گئے کہ وہ بغداد میں جاکر کندی کے حلقہ درس میں شریک ہوں اور علم نجوم کی تعلیم حاصل کرنے کے بہانے سے موقع پائیں تو اس کو قتل کر دیں لیکن ناکام رہے، ابو معشر کے سوا یعقوب کندی کے سب سے بڑے دشمن موسیٰ بن شاکر کے فرزند محمد اور احمد تھے، انھوں نے یعقوب کندی کے خلاف سازش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متوکل نے اس کو سزا دی، موسیٰ بن شاکر کے بیٹوں نے اس کی تمام کتابیں ضبط کر لیں، ایک اور بڑا تاجر بھی جو یعقوب کندی کے پڑوس میں رہتا تھا اس کا سخت مخالف تھا اور لوگوں کو اس کے خلاف بھڑکایا کرتا تھا۔

(تاریخ حکمائے اسلام جلد اول ص۸۶)

**ابن باجہ کو زہر دیدیا گیا** چھٹی صدی ہجری کے نامور فلسفی ابن باجہ متوفی ۵۳۳ھ کو سرقسطہ کے رئیس ابوبکر بن ابراہیم صحراوی نے اپنا وزیر بنا لیا کیونکہ اس نے اس کی شان میں بہت سے قصائد مدحیہ لکھے مگر عوام ابن باجہ کے فلسفہ دانی کی وجہ سے اس کی وزارت کو ناپسند کرتے تھے، تاہم ابوبکر بن ابراہیم صحراوی نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی اور ابن باجہ بدستور اس کا وزیر رہا، لیکن وزارت کے زمانہ میں اس کو کبھی اطمینان حاصل نہیں ہوا، چنانچہ وہ ایک بار ابوبکر بن ابراہیم کا سفیر ہو کر عماد الدولہ بن ہود کی خدمت میں گیا تو اس نے اس کو قید کر لیا اور اس کے قتل کے درپے ہو گیا جب ابن باجہ کو اس کی خبر ہوئی تو کسی حیلہ سے بھاگ نکلا، سب سے بڑی مصیبت عوام کی ناراضگی تھی، ابتدا میں تو ابوبکر بن ابراہیم صحراوی نے اس کی چنداں پرواہ نہ کی لیکن رفتہ رفتہ فوج میں بھی شورش پیدا ہو گئی اور ایک بڑی جماعت ملازمت ترک کر کے چلی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے مرابطین کے دربار کا رخ کیا اور شاطبہ میں ابراہیم بن یوسف بن تاشفین کی سرکار میں ملازمت کرنی چاہی لیکن یہاں بھی

یہاں تک

اس کو ناکامی ہوئی۔ ابراہیم بن یوسف نے اس کو قید کر دیا اور اس کا تمام مال و دولت ضبط کر لیا۔

(تاریخ حکمائے اسلام جلد دوم ص[illegible])

ابن باجہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسے جوانی کی حالت میں زہر دیا گیا کیونکہ وہ اپنے فلسفہ میں بہت آزاد خیال تھا۔

(ماہنامہ دار العلوم دیوبند ص۳۴ فروری ۱۹۹۵ء جلد ۷۹ شمارہ ۵)

(باقی آئندہ)

# سرسید احمد خاں
# کی
# ایک نادر نعت

جناب حکیم محمد حسین خاں شفا رام پور

کچھ کیفیتیں اور لذتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کو آدمی محسوس تو کرتا ہے لیکن ان کا الفاظ میں اظہار ممکن نہیں ہوتا۔ اسی قسم کی لذتوں میں سے ایک لذت القاء یا الہام بھی ہے۔ "اہلِ دل" اور "خاصانِ خدا" کا کہنا ہے کہ جب عبادت و ریاضت یا تدبر و تفکر کے دوران ایک استغراقی کیفیت طاری ہوتی ہے اور وجدانِ سلیم "عالم سفلی" سے ملاء اعلیٰ اور پھر مبدا فیاض سے مل جاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں انسان کو "انکشاف حق" یا "دیدار حق" میسر آجاتا ہے۔ اس لئے اسے یقین ہوتا ہے کہ زندگی کا بھید مل گیا۔ عقدۂ لاینحل کھل گیا۔ معراج ہوگئی۔ اس کیفیت کے دوران کبھی کبھی صاحبِ کشف ایسی باتیں کہہ جاتا ہے یا ایسے کام کر جاتا ہے جو عام انسانوں کی سمجھ اور صلاحیت سے بالاتر ہوتے ہیں۔ کاملین و عابدین کی حیات و ملفوظات اس قسم کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔

سرسید احمد خاں کی زندگی میں بھی ایک واقعہ کچھ اسی قسم کا پیش آ

ذکر انھوں نے اپنی مرتبہ "تفسیر قرآن" میں کیا ہے۔ سرسید اپنے مذہب اور قوم کے لئے انھوں نے سیرتِ رسول اکرمؐ اور تفسیر قرآن اسی جذبہ کے تحت تصنیف کی تھیں کہ یوروپ کی نشاۃِ ثانیہ کے بعد مغربی افکار کی یلغار اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا سائنسی ذہن و معقولیت پسندی کہیں حال و مستقبل کی نسل کو اسلام اور اسلامی تعلیمات سے برگشتہ نہ کر دے۔ جیسے قدما کی غلط تشریحات اور فلسفۂ یونان کی روشنی میں اسلامی عقائد کی تعبیرات نے پہلے ہی مشکوک بنا دیا تھا۔ تدبرِ قرآن کے دوران سرسید کو حیاتِ بعد ممات، حشر اجساد، جزا و سزا، وغیرہ ایسے عقائد پر غور کرنا پڑا جن کی معقول و عصری ذہن کے لئے قابل قبول تشریح سے سرسید کی عقل قاصر تھی۔ ان مسائل پر غور کرتے ہوئے سرسید پر استغراقی کیفیت طاری ہوئی اور انھیں یہ محسوس ہوا کہ خود شارع اسلامؐ ان مسائل کے رموز و نکات سرسید کو بتا رہے ہیں۔ جن سے ان کا ذہن مطمئن ہو گیا اور پھر انھوں نے ایک بحث روح سے متعلق سورۃ الاعراف میں صفحہ ۸۴ سے ۱۲۵ تک تحریر کی اور اپنے نزدیک ان مسائل کو عقل کی روشنی میں جدید ذہن کو مطمئن کرنے کے لئے حل کر دیا۔ چونکہ سرسید کا خیال تھا کہ وہ پہلی مرتبہ غیبی اشارے سے ان مسائل کو حل کر رہے ہیں اور انھیں اس اہم کام میں اپنے جدِ اعلیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید حاصل ہے۔ اس بنا پر اس بحث کے اختتام پر ہدیۂ تشکر کے طور فی البدیہہ ایک فارسی نعت موزوں ہو گئی جس کو انھوں نے اسی بحث میں تحریر کر دیا تاکہ یادگار رہے۔

سرسید نے جس زوال پذیر زمانہ میں جنم لیا تھا اس میں بے عملی، خود فریبی اور شعر و شاعری عام تھی۔ ابتدائے جوانی میں رسم زمانہ کے موافق آہی تخلص رکھ کر سرسید نے شعر و شاعری شروع کی چنانچہ متعدد تذکروں میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن جلد ہی سرسید نے ضروریات ملک و قوم کو سمجھ لیا اور اپنا وقت

یں معروف کرنا ضروری کیا جس نے انھیں زندہ جاوید بنادیا۔ یہ سرسید کی پہلی و آخری نعت ہے جو تفسیر قرآن کا جزو ہونے کی وجہ سے عام نظروں سے اب تک اوجھل تھی۔ ہم اسے مع اردو ترجمہ کے پیش کر رہے ہیں۔

اس نعت سے قبل بطور شان نزول سرسید نے تحریر کیا ہے۔

کچھ حقائق ہیں جو نہ حکمت یونان میں پائے جاتے ہیں اور نہ فلسفۂ علم کلام میں بلکہ یہ انوار ہیں مشکوٰۃ نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جو بلاواسطہ سفینۂ [illegible] منور ہوکر سے یعنی میرے سینہ میں پہنچے ہیں گوکہ نابلدان کو تم حقیقت ان انوار محمدی کو نعوذ باللہ کفر و زندقہ سے تعبیر کریں۔

اس کے بعد سرسید نے مؤلفہ کہہ کر اپنی یہ نعت لکھی ہے ؎

| | نعت | ترجمۂ نعت |
|---|---|---|
| (۱) | فلاطوں طفلکے باشد بہ یونانے کہ من دارم | اس یونان یعنی مدینۃ العلم النبی میں جو میں رکھتا ہوں افلاطون جیسا حکیم ایک طفل مکتب ہے۔ |
| | مسیحا رشک میدارد بہ درمانے کہ من دارم | روگی انسانوں کے لئے میرے پاس جو دوا ہے مسیحا بھی اس پر رشک کرتے ہیں۔ |
| (۲) | زکفر من چہ می خواہی ز ایمانم چہ می پرسی | میرے کفر اور میرے ایمان کے بارے میں اے لوگو تم کیا پوچھتے ہو۔ |
| | ہماں یک جلوۂ عشق است ایمانے کہ من دارم | میرا ایمان خدا اور رسول کے عشق کا ایک جلوہ ہے۔ |

(۳) خدا دارم دلے بریاں ز عشق مصطفیٰ دارم

میں خدا [illegible] مصطفیٰ [illegible]

ندارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم

[illegible] جو ساز و سامان میرے پاس ہے (یعنی دولت ایمان) وہ کسی کافر کے پاس نہیں ہے۔

(۴) ز جبریل امیں قرآں بہ پیغامے نمی خواہم

میں جبریل امیں سے قرآن کا پیغام سننا نہیں چاہتا۔

ہمہ گفتار معشوق است قرآنے کہ من دارم

میرے پاس جو قرآن ہے جو مکمل میرے محبوب کی زبان سے ادا ہوا ہے

(۵) فلک یک مطلعِ خورشید دارد باہمہ شوکت

آسمان کے پاس اس قدر شان و شوکت کا صرف ایک خورشید ہے

ہزاراں ایں چنیں دارد گریبانے کہ من دارم

لیکن میرے گریبان میں اس جیسے ہزاروں صبح [illegible]

(۶) ز برہاں تا بہ ایماں سنگ ہا دارد رہِ واعظ

واعظ عقل و دلائل سے مشکلوں کے پھیرے ایمان تک پہنچتا ہے

ندارد ہیچ واعظ ہمچو برہانے کہ من دارم

لیکن میرے پاس جو دلائل ہیں وہ کسی واعظ کے پاس نہیں ہیں۔

---

تفسیر القرآن ص ۱۱۴ (۲) سورۃ الاعراف ، جلد سوم نولکشور لاہور۔

(۲) گلستان سخن مطبوعہ ۱۲۸۱ھ میں سرسید کا بحیثیت شاعر صفحہ ۲۰ ، ۱۲ سے [illegible] تک ذکر ہے۔

(۳) سرسید کی چند فارسی غزلیں مختلف کتابوں میں منتشر اشعار کی کتابوں کے ساتھ اول و آخر میں طویل منظومات بھی ہماری نظر سے گذرے [illegible] دریافت [illegible]

# جناب حکیم ظل الرحمٰن کے اعتراضات

محمد ثناء اللہ عمری ایم اے عثمانیہ

"مساجد اور معابد قرآن حکیم کی روشنی میں" اس عنوان سے راقم کا ایک مضمون دو قسطوں میں برہان کے جنوری اور فروری ۱۹۸۵ء کے شماروں میں شائع ہوا تھا۔ اس پر اکتوبر ۱۹۸۵ء کے برہان میں جناب حکیم ظل الرحمٰن صاحب دہلوی نے کچھ نقد وارد فرمایا ہے اس سلسلے میں کچھ گزارشات پیش کرتا ہوں:

۱۔ پہلا اعتراض "خدا پرستی کے معبد و مرکز اور عبادت گاہ" پر ہے، جواباً عرض ہے کہ یہ سورۂ آل عمران کی آیت ۹۶ کا ترجمہ ہے، اور ترجمہ اس بضاعت کا نہیں ہے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد اول۔

۲۔ دوسرا اعتراض اَوَّلَ بَیْتٍ کی تشریح سے متعلق ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم نے اپنی کتاب "سفر حجاز" (مطبوعہ ادارۂ انشائے ماجدی کلکتہ) کے صفحہ ۲۸۹ پر ابن ابی حاتم کے حوالے سے حضرت علی مرتضیٰؓ کا یہ قول نقل فرمایا ہے: کَانَتِ الْبُیُوْتُ قَبْلَهٗ وَلٰکِنَّهٗ اَوَّلُ بَیْتٍ وُضِعَ لِعِبَادَةِ اللّٰهِ۔ اس سے ناچیز کی لکھی ہوئی بات ہی کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ حکیم صاحب کے ارشاد کا۔

۳۔ تیسرا اعتراض سورۂ فیل کی شانِ نزول سے متعلق ہے۔ حکیم صاحب نے لکھا ہے کہ مکہ کے قریب قیام کے بعد ابرہہ کی فوج کے ساتھ کسی حجازی قبائل کے علاوہ لڑائی کی شہادت نہیں ملتی اور نہ ہی کسی بیماری کے پھیلنے کی تاریخی شہادت ہے۔ سردست میرے پاس وہ مآخذ موجود نہیں ہیں جن سے اخذ کرکے میں نے لکھا تھا کہ ابرہہ کی فوج اور حجازی قبائل کے مابین جھڑپ ہوئی تھی۔ میں نے کوشش کی مگر متعلقہ تفسیری کتاب دستیاب نہ ہوسکی، البتہ بیماری پھیلنے کی تاریخی شہادت کے لئے حکیم صاحب قطب شہید کی تفسیر ظلال القرآن کی چھٹی جلد کا صفحہ ۳۹۷۶ ملاحظہ فرمالیں یا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفہیم القرآن جلد ششم کا صفحہ ۴۶۷ دیکھ لیں۔

۴۔ چوتھا اعتراض واقعہ نخلہ کے سلسلہ میں "غنیمت" کے لفظ پر ہے۔ بعض عرب مفسرین کے علاوہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بھی اس ضمن میں لفظ غنیمت کا استعمال کیا ہے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اول ص ۱۶۵۔

شکر گزار ہوں کہ حکیم صاحب نے میرے مضمون کو درخورِ التفات گردانا۔ امید کہ ان تصریحات سے ان کی تشفی ہوجائے گی، البتہ ابرہہ اور حجازی قبائل کی جھڑپ کی بات متعلقہ ماخذ دستیاب ہونے کے بعد لکھ سکوں گا۔ وباللہ التوفیق۔

# انتخاب الترغیب والترہیب

مؤلف: حافظ محدث زکی الدین المنذریؒ    ترجمہ: مولوی عبداللہ صاحب دہلوی

اعمال خیر پر اجر و ثواب اور بدعملیوں پر زجر و عتاب پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اس موضوع
المنذری کی اس کتاب سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔ اس کے متعدد تراجم وقتاً فوقتاً شائع ہوئے
نامکمل ہی شائع ہوئے۔ کتاب کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر اس کی ضرورت تھی کہ اس
مکررات اور سندوں کے اعتبار سے کمزور حدیثوں کو نکال کر اصل متن تشریحی ترجمہ اور حواشی
ساتھ ملاکر طبع کرایا جائے۔

ندوۃ المصنفین دہلی نے نئے عنوانات اور نئی ترتیب کے ساتھ شائع کرانے کا پروگرام
بنایا ہے جس کی پہلی جلد آپ کے سامنے ہے۔ اس جلد کے شروع میں حدیث اور اس کے متعلق
ایک مبسوط اور طویل مقدمہ بھی ہے۔ اس کے بعد اصل کتاب مع تشریحی ترجمہ شروع ہوتی ہے۔

جلد اوّل جس میں کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ پر ۱۹۰ احادیث مذکور ہوئیں۔
تقطیع متوسط ۲۰×۲۶ قیمت مجلد ۳۰/ روپے صفحات ۴۵۰۔

جلد دوم بقیہ کتاب الصلوٰۃ، کتاب الصوم اور نماز عیدین پر مشتمل ہے جس
میں ۳۰۳ احادیث مذکور ہوئیں۔ صفحات ۴۰۰ قیمت مجلد ۳۰/ روپے۔

جلد سوم میں کتاب الحج، کتاب الجہاد اور فضائل قرآن و حدیث کے ابواب آگئے
ہیں۔ اس جلد میں ۳۶۰ احادیث شامل ہیں۔ ابواب حج ۸۷ احادیث ابواب جہاد میں ۲۰۸
اور فضائل القرآن میں ۶۵ احادیث۔ قیمت ۲۰/ روپے مجلد ۳۰/ روپے۔

**ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی**

# خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان

از مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

ہندوستان میں ۱۱۵ سالہ عباسی دورِ خلافت کے غزوات وفتوحات اور اہم واقعات وحادثات عباسی امراء وحکام کی ملکی وشہری انتظامات، عرب وہند کے درمیان گوناگوں تجارتی تعلقات، بحرِ بصرہ کے ساتھ بحری امن وامان کا پیام، ہندی علوم وفنون اور علمائے اسلامی اور علوم وفنون اور علمائے اسلام اور ہندی موالی ومالک وغیرہ مستقل عنوانات پر نہایت مفصل ومستند معلومات پیش کی گئی ہیں۔ نیز یہاں کے مسلموں اور غیر مسلموں کے عالم اسلام سے علمی وفکری اور تہذیبی وتمدنی روابط کی تفصیلات درج ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی خلفاء وامراء نے پہلی بار افسانوی ہندوستان کو دنیا کے سامنے حقیقی رنگ میں پیش کیا ہے۔

قیمت غیر مجلد چالیس روپے

مجلد مع گردپوش پچاس روپے

ملنے کا پتہ

ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی

۱۹۵ء — حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۔ العلم والعلماء ۔ اسلام کا اقتصادی نظام جدید
تاریخ صقلیہ ۔ تاریخ ملت جلد ہفتم

۱۹۵ء — اسلام کا زرعی نظام ۔ تاریخ ادبیات ایران ۔ تاریخ علم الفقہ ۔ تاریخ ملت حصہ ہشتم سلاطین ہند بعض
تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی

۱۹۵ء — ترجمان السنہ جلد ثالث ۔ اسلام کا نظام حکومت (طبع جدید مکمل بہ ترتیب) جدید بین الاقوامی
سیاسی معلومات جلد دوم ۔ خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات ۔

۱۹۵ء — لغات القرآن جلد پنجم ۔ صدیق اکبر ۔ تاریخ ملت حصہ یازدہم سلاطین ہند دوم ۔ انقلاب ۱۸۵۷ء سے پہلے اور بعد ۔

۱۹۵ء — لغات القرآن جلد ششم ۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۔ تاریخ گجرات ۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد سوم

۱۹۵ء — حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط ۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ۔ مصائب کورکن

۱۹۶ء — تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۹ ۔ ۳۰ ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط
امام غزالی کا فلسفۂ مذہب و اخلاق ۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام ۔

۱۹۶ء — تفسیر مظہری اردو جلد اوّل ۔ مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط ۔ اسلامی کتب خانے ۔ عرب و ہند
تاریخ ہند پر نئی روشنی

۱۹۶ء — تفسیر مظہری اردو جلد دوم ۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں ۔ معارف الآثار ۔
نیل سے فرات تک ۔

۱۹۶ء — تفسیر مظہری اردو جلد سوم ۔ تاریخ ردہ ۔ سرکشی ضلع بجنور ۔ علماء ہند کا شاندار ماضی اوّل

۱۹۶ء — تفسیر مظہری اردو جلد چہارم ۔ حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط ۔ عرب و ہند عہد رسالت میں ۔
ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں ۔

۱۹۶ء — ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اوّل ۔ تاریخی مقالات
لادینی دور کا تاریخی پس منظر ۔ ایشیا میں آخری نوآبادیات

۱۹۶ء — تفسیر مظہری اردو جلد پنجم ۔ رموز عشق ۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک ۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ۔

۱۹۶ء — ترجمان السنہ جلد چہارم ۔ تفسیر مظہری اردو جلد ششم ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ

۱۹۶ء — تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم ۔ تین تذکرے ۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات
اسلامی ہند کی عظمت رفتہ ۔

۱۹۶ء — تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم ۔ تاریخ الطبری ۔ حیات ذاکر حسین ۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر

۱۹۶ء — حیات عبدالحی ۔ تفسیر مظہری اردو جلد نہم ۔ مآثر و معارف ۔ اعلام الترغیب ۔ حالات زمانہ کی رعایت

۱۹۶ء — تفسیر مظہری اردو جلد دہم ۔ بیماری اور اس کا روحانی علاج ۔ خلافت راشدہ اور ہندوستان

۱۹۷ء — فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ۔ انتخاب الترغیب والترہیب ۔ اخبار التنزیل
عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

o. D (DN) 231 PHONE : 262815 DECEMBER 1986
—87 Subs. 40/- Per Copy Rs. 3-50

# BURHAN (Monthly)

Urdu Bazar, Jama Masjid, Delhi-110006.



عبیدالرحمن عثمانی پرنٹر پبلشر نے ... پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

میسرز ... باہتمام جلال پریس ... طبع شد

بیادگار حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

نگرانِ اعلیٰ حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینی

# برہان



مدیرِ اعزازی
قاضی اطہر مبارکپوری

مرتب
جمیل مہدی

# مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

سنہ ۱۹۳۹ء اسلام میں غلامی کی حقیقت - اسلام کا اقتصادی نظام - قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ -
تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام - سوشلزم کی بنیادی حقیقت -

سنہ ۱۹۴۰ء غلامانِ اسلام - اخلاق و فلسفۂ اخلاق - فہم قرآن - تاریخ ملت حصہ اول "نبی عربی صلعم" - صراطِ مستقیم (انگریزی)

سنہ ۱۹۴۱ء قصص القرآن جلد اول - وحی الٰہی - جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول -

سنہ ۱۹۴۲ء قصص القرآن جلد دوم - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات)
مسلمانوں کا عروج و زوال - تاریخ ملت حصہ دوم "خلافتِ راشدہ"۔

سنہ ۱۹۴۳ء مکمل لغات القرآن مع فہرستِ الفاظ جلد اول - اسلام کا نظامِ حکومت - سرمایہ - تاریخ ملت حصہ سوم "خلافتِ بنی امیہ"

سنہ ۱۹۴۴ء قصص القرآن جلد سوم - لغات القرآن جلد دوم - مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت (کامل)

سنہ ۱۹۴۵ء قصص القرآن جلد چہارم - قرآن اور تصوف - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے)

سنہ ۱۹۴۶ء ترجمان السنہ جلد اول - خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ - جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو -

سنہ ۱۹۴۷ء مسلمانوں کا نظمِ مملکت - مسلمانوں کا عروج و زوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے
اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم - حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی۔

سنہ ۱۹۴۸ء ترجمان السنہ جلد دوم - تاریخ ملت حصہ چہارم "خلافتِ ہسپانیہ" تاریخ ملت حصہ پنجم "خلافتِ عباسیہ اول"

سنہ ۱۹۴۹ء قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل)
تاریخ ملت حصہ ششم "خلافتِ عباسیہ دوم" بصائر -

سنہ ۱۹۵۰ء تاریخ ملت حصہ ہفتم "تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ" تدوینِ قرآن - اسلام کا نظامِ مساجد -
اشاعتِ اسلام، یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا۔

سنہ ۱۹۵۱ء لغات القرآن جلد چہارم - عرب اور اسلام - تاریخ ملت حصہ ہشتم "خلافتِ عثمانیہ" جارج برنارڈ شا۔

سنہ ۱۹۵۲ء تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر - فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول (جس کو
از سرِ نو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے) کتابت حدیث -

سنہ ۱۹۵۳ء تاریخ مشائخ چشت - قرآن اور تعمیرِ سیرت - مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ -

# برہان

ایڈیٹر
جمیل مہدی

مدیر اعزازی
قاضی اطہر مبارکپوری

معاون ایڈیٹر
عمید الرحمٰن عثمانی

| شمارہ ۱ | شوال ۱۴۰۵ھ مطابق جولائی ۱۹۸۵ء | جلد ۹۵ |
| --- | --- | --- |



عمید الرحمٰن عثمانی پرنٹر پبلشر نے اعلیٰ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار دہلی سے شائع کیا

# نظرات

جمیل مہدی

گزشتہ دو مہینوں میں ہندوستانی مسلمانوں کی اسلامی زندگی سے متعلق کم از کم دو واقعات ایسے پیش آئے جن کی بدولت ملک گیر پیمانے پر ہیجان اور جوش و خروش کی ایک حالت پیدا ہو گئی۔ ان میں سے ایک واقعہ سپریم کورٹ کی طرف سے ایک فیصلے سے متعلق تھا، جو عدالت العالیہ نے شاہ بانو، بنام محمد احمد کے ایک مقدمہ میں دیا تھا، اور جس کی رو سے شوہر محمد احمد کو اس بات کا پابند بنایا گیا تھا کہ وہ شاہ بانو کو طلاق کے بعد کی مدت میں گذارہ کی رقم اس وقت تک ادا کرتا رہے جب تک یا تو وہ دوسری شادی نہ کر لے، یا اس کے گذارے کا کوئی دوسرا معقول انتظام ہو جائے۔

سپریم کورٹ نے اپنے اس فیصلہ کو قرآنی احکام اور اسلام کی منشاء کے عین مطابق قرار اور چیف جسٹس چندر چوڑ نے، ایسی آیات قرآنی کا بھی حوالہ دیا، جو ان کی رائے میں ایک بیوی کو طلاق کے بعد بھی گذارے کی ادائیگی کے حق میں تھیں، اس کے ساتھ سپریم کورٹ نے اپنے اس فیصلے میں حکومت کے اس رویہ پر ناگواری ظاہر کی کہ اس نے ابھی تک مختلف فرقوں کا ایک ہی قوانین پر عمل آوری کی اجازت دے رکھی ہے اور دستور ہند کی اس دفعہ کو نافذ نہیں کیا

ت ہندوستان میں یکساں شہری قانون رائج کرنے، اور سبھی فرقوں کو یکساں طور پر مشترکہ
کا پابند بنانے کا ہے۔

---

دوسرا واقعہ کلکتہ ہائی کورٹ میں چند شرارت پسندوں کی طرف سے قرآن کے خلاف پٹیشن دائر
ے کی صورت میں سامنے آیا، جس میں عدالت سے قرآن کے خلاف اس بنا پر دادرسی کی درخواست
ی تھی کہ اس کے اندر ایسا مواد موجود ہے، جو لوگوں کو منافرت اور تشدد پر اکساتا ہے۔
سماج کے اندر مستقل بدامنی کا سبب بنتا ہے، درخواست کنندگان نے قابل اعتراض اور
منافرت انگیز کتابوں اور لٹریچر کی اشاعت پر پابندی لگانے والے قانون کے حوالے سے عدالت
درخواست کی تھی کہ قرآن کی اشاعت پر پابندی لگادی جائے۔ ان کا کہنا یہ بھی تھا کہ قرآنی احکام
اس کا متن ہندوستان کے اندر فرقہ وارانہ ہم آہنگی، اور سیکولرازم کے فروغ کی راہ میں سب سے
ی رکاوٹ ہیں، اور ان کی موجودگی میں ہندوستانی دستور کی منشا پوری نہیں ہو سکتی اس لئے
ن کی اشاعت اور اسے ایک قابلِ اعتراض کتاب کی حیثیت سے، خلافِ قانون قرار دینا
دستور کی رو سے ضروری ہے۔

---

ہم نے مندرجہ بالا سطروں میں سپریم کورٹ کے فیصلے اور قرآن کے خلاف رٹ پٹیشن کا
ہوم اصطلاحی الفاظ سے گریز کرتے ہوئے اس لئے بیان کر دیا ہے کہ اس وقت ہم ان کے قانونی
مضمرات پر اظہارِ خیال کے بجائے، ان واقعات کے مسلم سماج پر اثرات کو اپنا موضوع بنانا
چاہتے ہیں، اور ہمارا مقصد اس ہیجان اور جوش و خروش کے پس منظر میں ملتِ اسلامیہ کے
کردار کا جائزہ لینا ہے، جس کا مشاہدہ ان دونوں واقعات کے ردِ عمل میں، نہ صرف ہندوستان
پڑوسی ملکوں میں بھی سامنے آیا ہمارا مطلب بنگلہ دیش سے ہے، جہاں قرآن پر پابندی
مقدمہ کے خلاف اتنے زبردست عوامی مظاہرے ہوئے کہ ان میں کم از کم ۱۲ افراد کی